مسلمان کیسے مقاصدِ اسلام ہاتھ سے گنوا کر اغیار کے غلام بن بیٹھے
اب ان کے پاس کیا چارہ ہے؟

نماز میں حکمتِ قیام

سید محمد مثنیٰ

قاضی سید ممتاز حسین فاؤنڈیشن۔ کراچی، پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم الله الرحمن الرحيم

مسلمان کیسے مقاصدِ اسلام ہاتھ سے گنوا کر اغیار کے غلام بن بیٹھے؛
اب ان کے پاس کیا چارہ ہے؟

نماز میں حکمتِ قیام

سید محمد مثنیٰ

قاضی سید ممتاز حسین فاؤنڈیشن۔ کراچی، پاکستان

کتابخانہ مرتضوی۔ کراچی، پاکستان
http://ml.com.pk

نام کتاب: نماز میں حکمت قیام

تالیف: سید محمد مثنیٰ

تاریخ اشاعت: شعبان ۱۴۲۶ھ، ستمبر ۲۰۰۵ء

ناشر: قاضی سید ممتاز حسین فاؤنڈیشن۔ کراچی، پاکستان

قیمت: ۱۵۰ روپے

ڈیجیٹل اشاعت: کتابخانہ مرتضوی۔ کراچی، پاکستان (http://ml.com.pk)

کتاب ملنے کے پتے:

۱۔ فون نمبر ۰۰۱_۷۳۲_۶۰۳۸۳۸۴

۲۔ ادارالثقلین پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳۳، کراچی پاکستان

فہرست

بسمہ سبحانہ

پیش لفظ

اس کتاب کی تکمیل میں اللہ تعالیٰ کی جو بے پایاں توفیقات شامل حال رہیں ان کے شکریے اور احسان مندی کے لئے الفاظ کہاں سے لائے جائیں' بس ایک ہی صورت ہے کہ اس توفیق کے لئے بھی اسی کی بارگاہ میں دست دعا بلند ہو۔

انسان اپنی کوششوں کا جو بھی ثمر حاصل کرتا ہے اسی کا مرہون منت ہے' اس کی شکر گزاری بعید از امکان ہے' کہ ہر پل جو گزر جاتا ہے اسی کی مہربانیوں کے طفیل ہے۔ عبد کا ہمہ وقت اپنے معبود کے سامنے سر تسلیم خم رکھنا ہی اس کے بس میں ہے۔ بندگی میں کامیابی' نیاز مند کا اغیار سے کٹ کر اس بے نیاز کے حضور مضطربانہ دست طلب بلند رکھنے ہی میں ہے' تا کہ اسکی ہدایات سے منقطع ہو کر دور نہ جا پڑے۔ اس عبودیت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ان سب لوگوں کا بھی شکریہ ادا کیا جائے' جنکی معاونت بندگی کی اس سعی میں شامل حال رہی۔

یہ بھی ایک ایسا مشکل و نارسا کام ہے جو انسانی امکانات سے باہر ہے۔ کتاب کا ایک ایک لفظ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ تمہاری تخلیق نہیں' دوسروں سے حاصل کیا ہوا مواد ہے۔ یہ اس وحدہ لاشریک کا کرم ہے جو وہ انسانی ذہن کو افکار کے بے بہا سرچشموں تک رسائی کی قوت بخشتا

ہے تاکہ وہ کچھ کہنے کے قابل ہوسکے۔ مگر اپنی بے بضاعتی کو کیا کہا جائے کہ کوتاہ نظری و کم علمی بحر ذخار سے تشنگی دور کرنے میں مانع رہی اور حق ادا نہ ہو سکا۔ یہ سرچشمے اللہ کی کتاب اور اس کے فرستادہ سچے ہادی ہیں جنکی معرفت حاصل کرنے میں ہماری کوتاہی نے ہماری گردنوں میں غلامی کا طوق ڈلوادیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں پیش کیا جا سکا ہے اگر سودمند ہو سکتا ہے تو لوگوں کو اس کی طرف راغب کردے' کہ ساری توفیقات اسی کی طرف سے ہیں۔

میں اپنے ان سارے مہربانوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کتاب کی تحریر و تکمیل کے دوران مدد کی۔ ظاہر ہے اگر انکی امداد نہ ہوتی تو احقر کی یہ مقدور بھر سعی شاید اپنے انجام کو پہنچ نہ پاتی۔ اس کار خیر میں انکی شمولیت انکی موعیت کی نشان دہی کرتی ہے' اور یہ انشاء اللہ انہیں اجر عظیم کا مستحق بنادے گی اور وہ اللہ کے حضور سرخ رو رہیں گے۔ آمین !!

میرے ایک دوست نے کتاب کے متن پر کہیں کہیں نظر ڈال کر فرمایا کہ پہلے ہی آدم زاد کون سی کم مشکلوں میں تھا کہ اسے مزید مشکلوں میں ڈالنا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ وہ مشکلیں ہم پر اسی لئے وارد ہوگئیں کہ ہم مسائل یا مشکلوں کے اصل حل سے فرار کرتے رہے اور اللہ کی دکھائی ہوئی آسان راہ سے کنارہ کش ہو کر مشکلات سر مول لے لیں۔

میں نے کسی بزرگ سے یہ خواہش ظاہر نہیں کی کہ اس کتاب پر چند جملے تحریر فرمادیں۔ اسلئے کہ مجھے خوف تھا کہ میری اس جرائت پر وہ یہ کہہ کر بھگا نہ دیں کہ اسلام کی طرف برگشت کے سلسلے میں تمہارے مشورے اور تجاویز بدعت کے خانے میں جا پڑی ہیں اور قابل قبول نہیں۔ تم کیا جانو کہ اس وقت مسلمانوں پر جو مصیبت آن پڑی ہے اس میں اللہ نے کیا رموز رکھے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ میں اسلام میں کسی قسم کے زوال پذیر نظریئے کو بدعت سے کم نہیں سمجھتا۔ اللہ کے کاندھوں پر اس کا بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا' اسلئے کہ اس کے قوانین لازوال ہیں۔ یہ تو ہم ہیں کہ اس کی سرنگونی کی پوری کوشش جاری رکھی اور گڑھے میں جا پڑے' ہم میں اس سے باہر آنے کی ہمت بھی باقی نہیں رہی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور ہم سب کو اپنی دی ہوئی راہ پر قائم رکھے تاکہ ہماری عاقبت بخیر رہے۔

بسمہ سبحانہ

مقدمہ

''پھر ان کے بعد ان کی جگہ پر وہ لوگ آئے جنہوں نے نماز کو برباد کر دیا اور خواہشات کا اتباع کر لیا، بس یہ عنقریب اپنی گمراہی سے جا ملیں گے۔''

مریم ۱۹:۵۹

اس سے پہلے کہ قدم آگے بڑھے اور قلم ایسے میدان میں رواں ہو جو علماء کے لئے مخصوص ہے، اس جرأت پر دست بستہ معذرت خواہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ترکیب یا ہیئت نماز کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ اس حکمت کے بارے میں ہے جو قیامِ نماز سے مربوط ہے۔

قیام کا نماز سے کیا رشتہ ہے؟

اسے نماز سے اس قدر مضبوطی کے ساتھ کیوں وابستہ کر دیا گیا ہے؟

قرآن میں کیوں، جس جگہ بھی نماز کا تذکرہ آیا ہے قیام اس کے ساتھ ہے؟؟

نماز کی کتابوں میں ان سوالات کی تفسیر و تشریح تشنہ رہی ہے۔ اس عظیم مقصد کی حصول یابی

کی سمت یہ ایک ناکافی' حقیر اور غیر عالمانہ کوشش ہے۔

اپنی کوتاہ دامنی کے پیش نظر صاحبانِ قلم سے توقع ہے کہ وہ اپنی قیمتی آراء وافکار کے ساتھ اسے توسیع دے کر اس کی افادیت میں اضافہ فرمائیں گے۔تاکہ بے حسی میں مبتلا موجودہ انسانی معاشرہ اس بیش بہا نعمت سے' جو پس پشت ڈال دی گئی ہے' فیض یاب ہو کر اپنے اعمال کو بموجب امر ربی استوار کرنے کے قابل بن سکے اور ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جائے۔

مندرجہ بالا آیت بڑی خوبی سے موجودہ صورت حال کی عکاسی کر رہی ہے۔ یہ گریز کس زمانے سے شروع ہوا؟ اور وہ کون لوگ تھے جنہوں نے اپنی نفسانی خواہشات پر مبنی مفادات حاصل کرنے کیلئے نماز کی اصل اور معقولیت پر مبنی وضع قطع کو جوان سے پہلے کی ملت کو اتباع نفس سے روک کر رکھتی تھی ڈھا دیا؟

یہ سوالات جو پیدا ہوئے ہیں' ان میں بڑے اور لا حاصل بکھیڑے ہیں۔ اس دلدل سے دامن کو بچاتے ہوئے آگے بڑھ جانا زیادہ قرین مصلحت ہے۔ مگر یہ کہے بغیر رہا نہیں جا سکتا کہ گمراہی تو انہوں نے مول لے لی' اسکا الزام ان پر ہمیشہ رہے گا۔ مگر بڑا ظلم جوان سے سرزد ہوا وہ تھا کہ نماز سے اسکی روح نکال کر انہوں نے اسے ناکارہ بنا دیا اور اسکے مسخ شدہ اور بے جان ڈھانچے کو اپنا کر ملت مسلمہ اپاہج بن گئی اور اب گم کردہ راہ ہے' ان میں اس قدر جہالت پیدا کر دی گئی ہے کہ نہیں جانتی کہ کیا کرے۔

اس سلسلے میں ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں غور و فکر کی صلاحیت متحرک کی جائے' ان کی زنگ آلود سوچ کو صیقل کیا جائے اور مسائل سے نپٹنے کیلئے جو ہنر مندی لازم ہے اسے بروئے کار لانے کے لئے پژمردگی کا شکار ان کی تعقل، تجزیئے اور استدلال سے کام لینے کی صلاحیت میں دوبارہ جان ڈالی جائے۔ اس امر پر متعدد زاویوں سے تنقیدی نظر ڈالنے کیلئے کتاب کو دس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے' تاکہ مشکلات و مسائل اور ان کے حل سامنے آجائیں۔

مسلمان اس پس منظر کے ساتھ فخریہ طور پر مدعی ہیں کہ علم و دانش' فلسفہ و منطق' طب و

حکمت' اخلاق و سیاست' ہندسہ و فلکیات' انشاء و خدا شناسی وغیرہ کا منبع و سرچشمہ اسلام رہا ہے اور یہ کہ وحدۂ لاشریک نے حضرت آدم سے لے کر ہر زمانے میں گمراہی سے بچانے اور اس کا سر بلند رکھنے کیلئے' پاک و مطہر ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسکے علاوہ اس وقت جب مغرب پر جو اس وقت چاند و مریخ وغیرہ پر اجارہ داری کے لئے اپنی بستیاں بسانے کے منصوبوں میں خاصی پیش رفت کر چکا ہے' جہالت کی گھٹا ٹوپ چھائی ہوئی تھی' مسلمان نور اعلیٰ نور کا مصداق بنا ہوا تھا۔ اسی کڑی کا مسلمان اس وقت کس حالت میں ہے؟ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے

موجودہ تخریب کاری کی وجوہات

بے جا نہ ہوگا اگر مقدمے کا آغاز اس سوال کے ساتھ کیا جائے کہ مسلمان کو ورثے میں اتنا کچھ ملنے کے باوجود دورِ حاضر میں انہیں تخریب کار یا ٹررازم کے نام سے پکارا جانا' ان پر یلغار اور گھیر لو جانے نہ دو' کی چاروں طرف سے گونج کیوں ہے؟

میڈیا بانگ دہل صدا بلند کئے چلا جا رہا ہے ''مسلمان ترقی یافتہ (ماڈرن) دنیا سے چودہ سو سال پیچھے ہیں' ان میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں' حسد کی بناء پر تخریب کاری پر اتر آئے ہیں اور ترقی یافتہ مغرب کو نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں۔ وقت کی ضرورت یہ ہے کہ ان کی حکومتوں پر قبضہ کر کے انہیں قابو میں رکھا جائے!''

مغرب میں یہ فکر کیوں پیدا ہوئی؟

کیا یہ حقیقت ہے کہ مسلمان اس قدر پست ہو گیا ہے؟

کیا اسلامی افکار میں علم و حکمت' تحقیق و اختراع' تجارت و اقتصاد' تدبر و تفکر' سیاست مداری و سپہ گری وغیرہ میں سبقت لیجانے اور دوسروں سے میل جول و ہم آہنگی کے لئے کوئی جگہ نہیں؟

اگر ایسا نہیں ہے تو وہ تخریب کاری جیسی اوچھی حرکات پر کیوں اتر آیا ہے؟

بطور مجموعی مسلمانوں پر یہ زوال کیوں اور کیسے آیا؟

یہ تخریب کاریاں جن کا مقصد بیشتر قتل و غارت اور بے جا معصوم لوگوں کا خون بہانا ہے' ان کا نتیجہ غریب لوگوں کی دربدری' فقر و فاقے' بھوک و افلاس اور بیماریوں میں مزید اضافہ ہے' جو پہلے ہی دنیا میں چاروں سمت پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کی ذمے داری چند جتھے قبول کرتے ہیں جو اپنا تعارف مسلمان کی حیثیت سے کراتے ہیں۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ حقیقتاً وہ سازش کے شکار لوگ ہیں جو اسلام کو دانستہ یا نا دانستہ طور پر بدنام کر کے اپنا مقصد حاصل کرنے' اپنے آقاؤں کو مسلمانوں پر مسلط کرنے اور مسلم حکومتوں پر ان کے قبضے کے لئے جواز پیدا کرنے میں مشغول ہیں۔ ان کا دین و ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآن و سنت سے ایسی انسانیت سوز حرکتوں کا کوئی عندیہ نہیں ملتا کہ چھپ چھپا کر شب خون مارے جائیں۔ خواہ کوئی بھی مذہب و ملت رکھنے والے لوگ ہوں' انسانی جانیں تو تلف ہوتی ہی ہیں۔ جبکہ مارے جانے والوں میں زیادہ تعداد اللہ رسول کے نام لیواؤں کی ہوتی ہے۔

چونکہ سچائی سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے' ان میں جرات بھی نہیں کہ قبول کرلیں کہ اسلام سے انکا کوئی واسطہ نہیں' وہ کرائے کے مزدور ہیں۔ ان کے ذہنوں کو پلٹ دیا گیا ہے اور اب یہ ان کا پیشہ بن گیا ہے۔

تاریخ جاہلیت میں عربوں کے درمیان راہزن گروہوں کا سراغ ملتا ہے' جنہیں اسلام نے مسترد کر کے روک دیا تھا' یا وہ پیشہ ورروائی کنگ تھے جن کا تعلق بیشتر مغربی ممالک سے تھا۔ عوام میں یہ دونوں مظالم متروک سمجھے جا رہے تھے' مگر کسی نہ کسی صورت میں موجود تھے اور اب وسیع پیمانے پر پذیریافتہ ہیں۔ مراکز ان کے وہیں ہیں جہاں پہلے تھے۔ فقط غور و فکر کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اسلام صلح و آشتی اور محبتوں کا دین ہے۔ اس کے دامن میں شب خون مارنے کا کوئی نظریہ

نہیں' بلکہ اسکی وہ ممانعت کرتا ہے۔ تاریخ جن جنگوں کو اسلامی قرار دیتی ہے فقط مسلمانوں کو حملہ آوروں سے بچانے کے لئے بصورتِ دفاع تھیں۔ وہ جنگیں جو برائے نام مسلمانوں نے اپنے اقتدار کے لئے لڑیں' یا ان کی فوجیں یہ کہہ کر دوسرے ممالک پر حملہ آور ہوئیں کہ ان کا مقصد اسلام پھیلانا تھا' ان جنگوں کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہادیانِ برحق نے کبھی ان کی تائید نہیں کی۔

رسولِ خداؐ نے بھی اسلام کی تبلیغ کے لئے مختلف ممالک میں اپنے سپاہی بھیجے' ان کا ہتھیار تلوار نہیں بلکہ قرآن و سنت تھی۔ یعنی اسلام پر مبنی ان کا ایمان و اخلاق تھا۔ وہ اسلام کے باایمان سفارتکار تھے۔ انکا ہر قدم حق وصداقت پر تھا۔

اسلام حیات بخش دین ہے' وہ خوش اخلاقی سکھاتا ہے۔ تخریب کاری اور جنگ و جدال قبولیت پیدا نہیں کرتی بلکہ نفرت و بغاوت کا باعث بنتی ہے۔ دل و جان کا حصہ بننے سے قاصر رہتی ہے۔ تلوار کے زور پر مجبور کر کے جہاں لوگ مسلمان بنائے گئے' وہ جان کے خوف کی وجہ سے اسلام تو لے آئے' مگر اصل اسلام یا ایمان ان کے دل و دماغ میں نہیں اترا۔ اسکا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ جس کا جدھر منہ اٹھا ایک اسلام بنالیا۔ اسی میں سے تخریب کاریوں' قتل و غارت والا اسلام ابھر کر آ گیا، جسے مسلم امہ بھگت رہی ہے۔

مختلف عقائد اور فرقوں سے مربوط خونریزیاں جو روئے زمین پر جاری ہیں' اور حالیہ گیارہ ستمبر (۹/۱۱) کے تقریباً تین ہزار لوگوں کے جان لیوا واقعے نے لوگوں کو مذہب کی طرف سے شک وشبے میں ڈال دیا' جس کے نتیجے میں ایک نئی فکر رونما ہوئی ہے۔

کیا دنیا کے سارے مذاہب صرف برائی کا راستہ دکھاتے ہیں؟

دو ہزار سالہ خون میں رنگی ہوئی یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کی تاریخ نے ان کے مسخ شدہ مذاہب سے لوگوں کا اعتبار اٹھا دیا' جو لامذہبیت (اتھیسٹ) کا ایک طبقہ معرض وجود میں آنے

کا سبب بن گیا۔ دین' قانون عطا کر کے لوگوں میں نظم و اخلاق کی ریت ڈالتا ہے' مخصوص نقوش کی اتباع سکھا کر معاشرے کو سالم و متمدن حالت میں رکھتا ہے۔ اس کی ہیئت یا حلیہ بگاڑ دینے کے نتیجے میں موجودہ تہذیب نمودار ہوئی اور ساری دنیا کو اپنے پاٹے میں لپیٹ لے گئی۔

اگر مسئلے کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ مذاہب کی یہ جنگیں تشخص مذہب کا تصفیہ نہیں کرا سکیں' نہ ہی ان کے درمیان پائے جانے والے تنازعات کو طے کرا پائیں۔

اصل مسئلہ ہمیشہ سیاست و سیاستدانوں کا رہا ہے' جس میں مفاد پرست کمزور و نیم حکیم قسم کے ملا اساسی مذہبی تقاضوں کو پس پشت ڈالکر سیاستدانوں کی لوٹ مار اور دیگر مظالم پر پردہ ڈالنے کیلئے ان کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ چونکہ دین ان کے ذہنوں میں پوری طرح راسخ نہیں ہو پاتا' وہ مقصد کے حصول کیلئے تعصب' تفرقہ اندازی اور لوگوں میں پھوٹ پیدا کرنے کا حربہ استعمال کرتے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ اصل مذاہب کے متوازی جھوٹے اور مفاد پرستانہ مذہب کا ڈھونگ رچا رہا ہے۔ حقیقی رہنماؤں کا گلا گھونٹا جاتا رہا اور بہروپیے دستار فضیلت باندھے فاقد از علم علماء گدی نشیں رہے۔

علماء کے لبادے میں ایسے عناصر کا انحراف کسی ایک مذہبی تقاضے پر ضرب نہیں لگاتا' بلکہ اسکی پوری ساخت میں انحرافی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ حقیقت پر مبنی باتیں چونکہ ان کیلئے سنگ راہ بن جاتی ہیں' لہٰذا ایک کے بعد دوسرے کو ہٹا کر ان کی جگہ من گھڑت مطالب چسپاں کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں اصل مذہب کی پوری بافت تحریف کی نذر ہو جاتی ہے اور نشانہ پوری انسانیت بنتی ہے۔

ایسی تحریفیں ہر مذہب میں ہوتی رہی ہیں' اسلام بھی اس کے آتشیں پنجوں سے بچ نہ سکا۔ دوسروں نے اللہ کے کلام کو بدل کر رکھ دیا۔ مسلمانوں میں ایمان سے مبرا اسلام لانے والوں کی دسترس سے قرآن باہر تھا' انہوں نے دوسری راہ پیدا کر لی۔ احادیث رسول جو اس کی اصل تفسیر

تھیں اُن میں الٹ پھیر کردی۔ یعنی تحریف معنوی کے مرتکب ہوئے۔

ایسی ظالمانہ تحریفات نے غضب یہ ڈھایا کہ اسلامی واجبات کو اپنی زد پر رکھ کر انہیں بے مقصد بنا دیا۔ اگر ہم غور کریں تو صاف نظر آئے گا کہ ایسے لوگوں نے مسلم عوام کی سوچنے سمجھنے کی قوت پر پہرا بٹھا کر ان کو خود فریبی میں مبتلا کر دیا۔ آنکھوں پر پٹی باندھ دی کہ نگاہوں سے حقیقتیں اوجھل ہو جائیں اور اچھائی برائی کی تمیز جاتی رہے۔

آج سے لگ بھگ چار ہزار سال پہلے کی بات ہے کہ قدیم یونانی مفکر سقراط زہر سے بھرا پیالا پی گیا مگر اسکی زبان یہ کہتے نہ تھکی کہ:

''بغیر پرکھی ہوئی زندگی قابلِ زیست نہیں۔''

جب تک ہم میں اپنی موجودہ حالت واقدام کا احتساب کر کے غلطیوں کے اعتراف کا مادہ پیدا نہ ہوگا' اصلاح نہیں ہو سکتی۔ غیروں کو دوش دینا کوئی صحت مند رجحان نہیں۔ اولین ذمے داری خود ہماری ہے۔ خود فریبی انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی:

مرے عزیز نہ دشمن کو کر شریک اسمیں
ترا زوال ترے ہاتھ کی کمائی ہے

منصفانہ طور پر اگر حالات کا جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ہم بھی دنیا کے متعدد مذاہب وعقائد کی طرح گم کردہ راہ ہیں۔ ورثے میں ملے ہوئے جامد چوکھٹے میں جا پڑے ہیں' جو معراج پر پہنچانے والے اسلام کے بنیادی تفکر سے کسی طرح بھی مماثلت نہیں رکھتا' بلکہ انحراف کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہے۔

اسلام کی مرکزی فکر کی بابت مسلم مفکر جس کا تعلق ایران کے شعبۂ تعلیم سے تھا اور جس کے افکار رضا شاہ پہلوی کو راس نہیں آ رہے تھے' جسے اس نے ملک بدر کر کے قتل کروا دیا تھا' وہ عجیب دل لگتی بات کہتا ہے۔ اس میں ایسی فکر پنہاں ہے جس سے ہمارے کان نامانوس رہے ہیں:

'' ہر وہ عقیدہ یا مذہب جو انسان سے متعلق شعبہ ہائے زندگی میں اس کے درد کی بھرپور دوا کرنے سے معذور ہے یا لائحۂ عمل نہیں رکھتا' فقط ایک جامد عقیدہ ہے' اسلئے کہ وہ فرد کی جواب دہی سے بے تعلق ہے۔''

وہ مزید کہتا ہے:

''جب تک عقیدے کا وہ رشتہ جو فرد اور خدا کے درمیان ہے' فقط فرد و آخرت کی حدود تک ہے' کمزور ہے' طاقت بن کر دنیا کے سامنے آنے سے قاصر ہے۔''

ڈاکٹر شریعتی کی یہ فکر نشان دہی کر رہی ہے کہ تبلیغ مفاد پرست نادانوں کے ہاتھ چڑھی رہی ہے، جنھوں نے اسکے قوانین کو' جو نہایت فطری ہیں' مسخ کر کے اس طرح پیش کیا کہ مروجہ اسلام اپنی ڈگر سے دور جا پڑا اور تنگ نظری کا شکار ہو گیا۔ وہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب تک مسلمانوں میں عبادات الٰہی کو محدود اخلاقی' باطنی و روحانی دائرے میں رکھ کر ادا کیا جائے گا' وہ ایک کائی زدہ محدود تالاب کی مانند بے جان پڑے رہیں گے' ان میں ولولہ انگیز تڑپ و روانی پیدا نہ ہو سکے گی۔ مگر جب ان الٰہی عبادات کو افراد اور انسانیت کی بہبود کے رشتے سے قائم کیا جائے گا' یہی ملت پیغامِ اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرح موج در موج آفاقی بن کر ابھرے گی۔

خاص طور پر نئی نسل جس کو بے خبری کے عالم میں رکھا گیا ہے اور جو کشتی بے پتوار کی طرح پیچاں وگرداں اسلام سے گریزاں تھمسے میں پڑی ہے، جب اسے ایک سمت ایک مقصد ملے گا تو وہ قدرت کے ودیعت کردہ کردار کو جذب کر کے ایسی قوت بن کر ابھرے گی کہ کوئی طاقت اس کے مقابل آنے کی جرأت نہیں کر سکے گی۔ شریعت کے پیغام کا لب لباب یہ ہے کہ ہمیں بافکر انسان ہونا چاہئے۔ یہی وہ مقصد یا امر ہے جسے ہمارا رب ہم سے چاہتا ہے۔ وہ بے نیاز ہے اپنی مالا جپانا نہیں چاہتا نہ ہی اسکو اس کی ضرورت ہے۔

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''میں خدا کی پرستش جنت کی لالچ یا جہنم کے خوف سے نہیں کرتا۔''

امام کا قول بڑا پر معنی ہے۔ امر واقعی یہ ہے کہ پرستش کا رشتہ محبت سے ہے، جہاں لالچ و خوف اپنا مقام کھو بیٹھتا ہے۔ ان کے عمل دخل کی گنجائش نہیں کہ وہ مفاد پرستی بن جاتی ہے۔ اور اگر مفاد پرستی جاگزیں رہی تو دل محبوب کا نشیمن نہیں بن سکتا۔

اصولی بات یہ ہے کہ عاشق کا ہر عمل محبوب کی خوشنودی کیلئے ہونا چاہئے کہ محبوب کی خواہش کے مطابق اس کی فرمائش بجالائے۔ چنانچہ جب اسکے محبوب کو اپنی نادر تخلیق ''انسان'' کی خیر اندیشی و پاسداری مقصود ہے، اسکی خواہش ہے کہ اسے باد صرصر سے بچا کر رکھا جائے، کسی وجہ سے اگر اسے خطرہ لاحق ہو جائے تو سردھڑ کی بازی لگادی جائے، وارفتگی کا تقاضا ہے کہ بلاچوں و چرا خم ٹھوک کر مقابلے میں آجائے۔ یعنی اسکے لئے قیام کرے۔

اگر قرآن اور رسول وآل رسول علیہم السلام کی زندگیوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ان کی ساری ہدایات انسان کو مرکز بنا کر اس کے گرد دور لگاتی نظر آتی ہیں۔ قدرت اسے سکھ میں دیکھنا چاہتی ہے۔ اس امر کی ضمانت کیلئے اس جہاں کے ہر فرد کو اس سے وابستہ امور

پر تعینات کیا گیا ہے کہ وہ اپنا ہر قدم انسان کی سالمیت کو نظر میں رکھ کر آگے بڑھائے۔

اسلام انسانی وقار کو قائم رکھنے کے لئے قانون کی عملداری' عدل وانصاف' مساوات و پاک معاشرت کا درس دیتا ہے۔ ہمارے مشاہدے میں ہے کہ جہاں کہیں بھی اس کے برخلاف عمل ہو رہا ہے اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی کا باعث بن رہا ہے۔ معاشرے سے رابطے کے معاملے میں بغیر کسی مذہب وملت کے امتیاز کے انسان سے مراد ہر وہ شخص ہے جو معاشرے کا جزو ہو' اس کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے' مطمح نظر انسانیت ہے۔

عدالت اسلامی انصاف کی کنجی ہر ایرے غیرے کے ہاتھ میں دیکھنا نہیں چاہتی' اسلامی قضاوت کا بوجھ فقط علم وتقویٰ کے اعلیٰ مدارج کا حامل' نہایت باہمت وجری فرد ہی اٹھا سکتا ہے۔ خود پس پردہ رہے' دوسروں کو دھماکہ خیز مواد باندھ کر خودکشی کی ترغیب دے' کہ جاؤ' بمع خود سو پچاس خالی ہاتھ بے خبر و بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دو۔ اسلام ایسی قیادت کی اجازت نہیں دیتا اور نہ اسلامی تاریخ میں ایسی کوئی مثال ملتی ہے جسے ان تخریب کاریوں کی بنیاد سمجھا جائے۔

پس پشت خواہ کوئی بھی عوامل کام کر رہے ہوں' مگر گزشتہ تخریب کاریوں کے سیاق وسباق میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے واقعے نے مسلمانوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا۔ عراق کے انتخابات میں یہ جانتے ہوئے کہ آئین تعصب سے مبرا بنے گا' بیس فیصد آبادی کو انتخابات سے دور رکھنے کیلئے پورے عراق میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے گئے۔ صدام نے کون سی کسر چھوڑی تھی جسے یہ پورا کر رہے ہیں۔ اس نے وہاں کی آبادی میں پہلے ہی لگ بھگ ایک کروڑ کی کمی کر دی تھی۔

ان میں سے چند چاہے اپنے منہ میاں مٹھو بنے رہیں' مگر مسلم امہ اس وقت بھیگی بلی بنی بیٹھی ہے۔ اس میں اتنی بھی جرأت نہیں کہ جریدوں یا اخباروں میں دشنام طرازیوں کا جواب ہی دیدے۔ جواب دیں بھی تو کیسے' فلسطین سے لے کر آخر ایشیا' روس' عربستان وافریقہ میں جو مسلم اکثریتی آبادیاں یا ممالک ہیں ان کی زد پر ہیں' انہوں نے وہاں کے لوگوں کی بھی زندگی دوبھر کر دی ہے۔

مسلمانوں کے لبادے میں تخریب کاروں کی یہ ٹولی رہے ہے اسلامی وقار کو بھی مٹانے پر تلی ہوئی ہے۔ تاریخ اسلام پر اگر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اسلام کو مٹانے کی کوشش نا سمجھ مسلمانوں میں ہمیشہ جاری رہی۔ یہ زمانہ بھی اس سے خالی نہیں اور اب اسلام فقط دکھاوے کا رہ گیا ہے۔

رسولِ برحق نے صالح اخلاق کے ساتھ افہام و تفہیم کے ذریعے اقوامِ عالم سے رابطے کی تعلیم دی تھی، صلح و صفائی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سبق دیا تھا، دشمنوں کی ابھار و اکڑ مٹانے کے لئے بڑے تدبر کیساتھ صلح نامے لکھے اور ان پر مخلصانہ طور پر عمل درآمد کیا۔ اگر وہ تلوار لیکر سامنے آکھڑے ہوئے، تو ان کا مقابلہ بھی کیا۔ ہم ہیں کہ کلمے میں ان کا نام بھی لیتے ہیں اور ان کی ہدایات پر کان بھی نہیں دھرتے۔ یہ کیسی مسلمانی ہے؟

بہر حال جو بھی ہوا اور ہو رہا ہے، ایک بات ضروری ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنی کمزوریوں کا جائزہ لیں اور یہ معلوم کریں کہ کس طرح ان کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔ ایک سیدھی سی بات یہ ہے کہ کسی کام کو انجام دیتے وقت ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ اس فکر پر نگاہ رکھی جائے جو اسکے پیچھے کارفرما ہے، ورنہ وہ عمل بے سود و بے مقصد ہو کر رہ جاتا ہے۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اپنی مذہبی عبادات کو محض ایک فرض سمجھ کر انجام دیتے ہیں، مگر وہ افکار اور مقاصد جو ان سے متعلق ہیں اور ہمارے لئے مفید ہیں، انہیں سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ ان سے کنارہ کش ہو کر ان کی جگہ بے مقصد و بے مصرف رسومات لا کھڑی کرتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے:

''اسلام کو سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں سے ہے۔''

اگر قرآنِ مجید کا بغور مطالعہ کیا جائے تو وہ بہت ہی کھلے الفاظ میں نشاندہی کرتا نظر آئے گا

کہ خدا کے عذاب انہی ملل واقوام پر نازل ہوئے ہیں جن کے اخلاق' باہمی لین دین اور تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ ان میں ہوس' بے انصافی' مفاد پرستی اور تکبر پیدا ہو گیا تھا۔ یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ذرّے ذرّے کو مخصوص نظم یا سسٹم دیکر وجود بخشا ہے' جس میں وہ تبدیلی نہیں لاتا۔ اس نظم میں جب فتور پیدا کر دیا جائے گا تو بنیاد نقص کا شکار ہو کر ڈھے پڑے گی۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

ڈیڑھ ہزار سال سے ہم اسلام کو دل سے لگائے بیٹھے ہیں' نماز اور دوسرے دینی فروعات انجام دیئے چلے جا رہے ہیں' مگر ہمارے دینی' سیاسی' تمدنی' اخلاقی اور علمی حالات بجائے ترقی کرنے کے تنزل ہی کا شکار رہے ہیں۔ اور دور حاضر نے تو منھ پر ایسا تمانچہ رسید کیا کہ وہ ٹیڑھا ہو کر رہ گیا اور سیدھا نہ ہو پایا۔ دنیا بھر کی برائیاں جو ہم پر ڈالی جا رہی ہیں وہ الگ رہیں' غضب یہ ہوا کہ اللہ کے رسول کو معاذ اللہ بر سر عام تخریب کار وڈا کو کہہ کر پکارا جا رہا ہے اور ہمارے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔

اپنی حالت سدھارنے کے لئے مسلمانوں میں کئی تحریکیں چلائی گئیں' دعائیں ہوتی رہیں' جن میں علماء' عرفاء' شعرا شامل رہے۔ علامہ اقبال نے بھی ساری زندگی حرکت دہندہ اشعار کہے' جنہیں ریڈیو' ٹی وی نہایت دل آویز دھنوں کے ساتھ نشر کرتے رہے ہیں۔ مگر مست ہو کر جھومنے سے آگے بات نہ بڑھی۔

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

انہوں نے مسلمانوں کو خوابِ خرگوش سے بیدار کرنے کی پرزور کوشش کی کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی متاع کی بازیابی کے لئے حرکت میں آجائیں:

از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

مگر مردِ مسلم نے ایک قدم بھی ہل کر نہ دیا۔ بیچارے علامہ زچ ہو کر رہ گئے۔ آخر میں ان کے ذہن نے انہیں نماز کی طرف متوجہ کیا کہ شائد یہ الٰہی مقدس حربہ بیداری کا سبب بن جائے۔ وہاں سے بھی انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان جیسے بالغ نظر و توانا مسلم ہمدرد ذہن کے مالک مفکر کو ناامیدی نے ہار ماننے پر مجبور کر دیا۔

من اپنا پرانا پاپی تھا پل بھر بھی نمازی بن نہ سکا

علامہ کا یہ غواص نگاہ شعر مسلم تاریخ کے سارے اوراق اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کے "پل بھر" نے مسلمانوں کی پول کھول دی ہے۔ وہ بتا رہا ہے کہ ایک محدود زمانے کے بعد مسلمانوں کا ہر دور مفاد پرستوں کے بھینٹ چڑھا رہا ہے۔ علامہ کی آنکھوں سے خون کے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ ناچاری دامن گیر ہے۔ پھر بھی حق کی بات بے دریغ کہہ دی۔

خلق خدا کی گھات میں رند و فقیر و پیر و میر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی

رند و فقیر و پیر و میر جن کی طرف علامہ نے انگلی اٹھائی ہے انہوں نے مسلمانوں کو اجاڑنے اور انہیں دین سے منحرف کرنے کے سلسلے میں جو کارستانیاں دکھائی ہیں انہیں دیکھ

کر شیطان ہکا بکا رہ گیا ہوگا۔ وہ اپنی پوری فوج کی طاقت کیساتھ اس کام کو انجام دینے سے قاصر رہا تھا' جوان لوگوں نے کردکھادیا۔

مقاصدِ قیامِ نماز

خلق خدا کونمازی کیوں نہ بنایا جاسکا؟ اس مسئلے پر اگر غور کرلیا جاتا تو شائد مسلمان بے گھرو دربدر نہ ہوتے۔ غلامی کی رسن ان کی گردن میں نہ پڑتی۔ اکثر محسوس کیا گیا ہے کہ سامنے رکھی ہوئی چیز آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہے۔ نماز کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ نماز کے ساتھ قیام ختمی کردیا گیا تھا مگر آنکھوں سے ہمیشہ اوجھل ہی رہا۔ یا اوجھل کردیا گیا۔ اگر کسی کی بینائی نے کچھ کردکھایا تو انہوں نے سجدے کے بعد اٹھ کھڑے ہونے کو قیام کا درجہ دے دیا۔ ان کے فہم کی رسائی وہیں تک تھی آگے' اس سے آگے نہ بڑھ سکی' یہ نہیں سوچا گیا کہ نماز میں رکوع وسجود وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ قرآن نے نماز میں قیام کے ساتھ قعود' رکوع اور سجود وغیرہ کو جوڑ کر کیوں بیان نہیں کیا' فقط قیام کو نماز کے ساتھ کیوں رہنے دیا؟

طوالت سے بچتے ہوئے: کیا ہم نے مشہور قیامہائے حضرت نوحؑ' حضرت ابراہیمؑ' حضرت موسیٰؑ اور اصحابِ کہف وغیرہ کے تذکرے نہیں سنے؟ اسلام کو دوبارہ زندگی بخشنے والا قیام' قیامِ حسینیؑ جسے ذبحِ عظیم بھی کہا گیا ہے:

تا قیامت قطع استبداد کرد　　　موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

کیا موجودہ دور میں قیامِ حسینیؑ کی یاد منانے کیلئے ہر سال مجالس وجلوس کا جو سلسلہ جاری رہتا ہے' اس میں قیام نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے!؟

کیونکہ اسلام سے گریز اں مفاد پرست تخت نشینوں نے معاشرے میں بگاڑ پیدا کر کے دین اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش کی تھی' اس کی اصلاح کے لئے امام کو غلطیوں سے پاک گہری منصوبہ بندی کے تحت اقدامِ قیام کے لئے متحرک ہونا پڑا۔ یہ بے مثال قیام قیامت تک کے لئے حیات بخش نقوش چھوڑ گیا۔ امام کا یہ عمل ہمیشہ کے لئے یہ رہنمائی کرتا ہے کہ اگر ایسے حالات سے زمانہ دوچار ہو جائے تو آنکھ بند نہ کر لی جائے۔

جس شخص کو ان عظیم و مقدس ہستیوں کی جس قدر زیادہ معرفت حاصل ہوگی' اسی قدر اسکی دنیاوی زندگی کامیاب ہوگی اور اسکے نتیجے میں عقبیٰ بھی۔ یعنی جن بد اعمالیوں کو معاشرے سے دور رکھنے کیلئے ان ہستیوں نے قیام کئے تھے' اس سے وہ گریز کرے گا اور اعمالِ حمیدہ' جو یہ ہستیاں لوگوں سے توقع رکھتی تھیں' انہیں بجالائے گا۔

اپنے اس قیام سے انہوں نے انسان کو زندہ رہنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ ان کے مقاصد کی باریکیوں کو غور و فکر کے ساتھ سمجھ لینا یا جان لینا ہی ان کی معرفت ہے۔

یہ قیام استقلال کیوں پیدا نہ کر سکے یا رواج کیوں نہ پا سکے؟ اقبال نے جن رند و فقیر و پیر و میر کا تذکرہ کیا ہے' وہ ہمیشہ ان کے آڑے آتے رہے۔

نماز کے ساتھ قیام کو جوڑ کر رکھنے میں جو حکمت واقع ہوئی ہے' وہ یہ ہے کہ نماز انسان کی بہبود کیلئے قیام کو تحرک دینے والی قوت ہے۔ چونکہ معاشرہ مفاد پرست عناصر کی وجہ سے ہمیشہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہتا ہے' اسکی تعمیر و مرمت کیلئے قیام کا برسرِ کار رہنا لازم ہے۔ دن میں پانچ وقت نماز اسے اپنی بے پایاں قوت سے توانائی بخشتی رہتی ہے اور اس میں جو مقاصد مضمر ہیں ان کی یاد دہانی کراتی رہتی ہے۔

اس بات کو نظر میں رکھتے ہوئے کہ اس کا موجودہ طرزِ ادائیگی انسانیت کے درد کا درماں نہیں کر پا رہا' وہ جمِ غفیر جو اسے ادا کر رہا ہے کسمپرسی کی حالت میں ہے اور اسے اپنی قسمت سمجھ کر اس پر قانع ہے۔ ان کی یہ قناعت انہیں اس درماندہ حالت سے باہر آنے کی کوشش سے روکے

ہوئے ہے۔

اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ بتانے والے ہی نہیں رہے کہ قیامِ نماز کا مقصد کیا ہے' وہ کتنی قوت کا مالک ہے' وہ کس طرح بہتر زندگی بسر کرنے کیلئے راہ کھول سکتا ہے اور ان کی کوششوں میں معاون ہو سکتا ہے۔ بلکہ اسکی کھوکھلی یعنی رسموں سے پر جامد صورت ان کے حوالے کر دی گئی ہے۔ جن لوگوں کے ذمے یہ کام تھا وہ خود اس میں شامل رہے۔

دنیا میں کوئی بھی چیز بغیر علت و مقصد کے وجود نہیں رکھتی۔ اصل بات اس علت اور سبب کا پتہ لگالینا ہوتا ہے۔ اس کے بعد مسائل حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مقصد جب طے پا جاتا ہے تو اس کے حصول کیلئے دل میں قوی خواہش ابھرتی ہے اور خلوصِ نیت شامل حال ہو جاتی ہے' اس مقصد کے حصول کیلئے اس کی طرف بڑھنے کی جد و جہد اسکی احتیاج بن جاتی ہے۔ مقصد خود اسکے حصول کیلئے ان میں قوت پیدا کر دیتا ہے۔ اس تک پہنچنے کی توانائی وہ مقصد ہی سے حاصل کر لیتے ہیں۔ قرآنِ مجید مقصد کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ہم نے جن و انس کو فقط اپنی عبادت کیلئے خلق کیا ہے۔''

ذاریات ۵۱:۵۶

کیا نماز' روزہ' و حج وغیرہ کو بے مقصد رسومات کے حوالے کر کے ادا کرنا عبادت ہے؟ ان میں جو مقاصد مضمر ہیں' اگر وہ جدا کر دیے جائیں تو سر گردانی کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہتا!! ہم سمجھ چکے ہیں کہ اصل عبادت حصولِ خوشنودیٔ خدا ہے۔ وہ ان سے خوش ہوتا ہے جو اس کی مخلوق خصوصاً انسان کی فلاح کیلئے کام کریں۔ یعنی فلاحِ انسانی عبادت کا مقصد ہے۔ اس مقصد کے حصول میں معاونت کیلئے اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا اس کے قدموں میں ڈال دی ہے (اس کیلئے مسخر کر دی ہے) کہ اس سے کام لیکر انسانی معاشرے کو درست حالت میں رکھے' اس میں کجی آنے نہ دے' تا کہ اسکی ضروریات پوری ہوتی رہیں اور پریشانیوں سے اسے دور رکھا جا سکے۔

خداوند کریم اپنی ربانیت کے تحت انسان کو کائنات کی نشو و نما میں حصہ دار بنا کر کمال کی طرف گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ خواست خدا نشاندہی کرتی ہے کہ عبادت پروردگار افراد کا انسانیت کے ساتھ عملی ہمدردی کا رشتہ ہے۔ یعنی فرد کا انسانیت کیلئے عملی مددگار ہونا۔ رسمی پوجا پاٹ نہیں!

گزشتہ صفحات میں ہم نے انحراف و تحریف معنوی کی باتیں کی ہیں۔ اس عیارانہ سازشی عمل نے قیام نماز پر' جس کا دینی واجبات میں بالاترین مقام ہے' ایسی کاری ضرب لگائی کہ قیام جو نماز کا جزو لاینفک ہے ٹوٹ کر دور جا پڑا اور داستان پارینہ کے اوراق میں گم ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے اور ہم جانتے ہی نہیں کہ قیام بھی نماز کا کوئی جزو ہے۔

نماز کو پڑھ لینے کے لئے کہا جاتا ہے' غور و فکر کے بغیر' اٹھ بیٹھ کر اس کے کلمات کو منہ سے جاری کیا اور نماز تکمیل پا گئی۔ یہ رسم مسلمان بنے رہنے کی ضمانت بن گئی۔ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

نماز جس میں عمل کیلئے تفکر و تدبر کا فقدان ہو۔۔۔ بے مقصد ہو' نہ تسخیر کائنات کا منصوبہ بنانے میں مدد کر سکتی ہے (جو خواست خدا ہے)' نہ کوئی فلاحی کام انجام دینے کے قابل بن سکتی ہے۔ جب منشائے الٰہی ہی پوری نہ ہوئی تو اللہ کی خوشنودی کس طرح حاصل ہو سکے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ''قیام نماز'' کو بامقصد بنا کر انسانیت کی دستگیری اور سربلندی کیلئے انسان کے حوالے کیا تھا۔ جب وہ بے جہت و بے مقصد بنا دیا گیا' تو مسلمان بھی بے متاع رہ گیا' زندگی میں تابانی نہ رہی اور اصل حیات سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ نام کا یہ سرگرداں مسلمان بھٹکے نہیں تو کیا کرے؟! اسے آبرو ریز ہونا پڑے یا رسوا' ڈاکو بن جائے یا تخریب کار' کچھ فرق نہیں پڑتا ہے۔

نماز مجموعی طور پر ایک کھلی ہوئی' مختلف علوم کی وسیع و عریض تدریسی دانشگاہ ہے' جو اپنے طلبا کو پاکیزہ اور غلطی نہ کرنے والے استادوں (صراط الذین انعمت علیھم ۔۔۱:۷) کے ذریعے علم الٰہی سے مزین کرنے کے بعد قیام کی صلاحیت پیدا کر کے میدان عمل میں ان کے

اخلاق کو مستقلاً خلق اللہ پر استوار رکھتی ہے' بے راہ نہیں ہونے دیتی۔ وہ ہمیشہ برق رفتار و بیدار مغز بن کر رہتے ہیں۔ ان سرفروشوں کی آبرو پر کوئی حملہ نہیں کر پاتا۔ منکسر المزاجی' اعلیٰ تقویٰ و تدبر کے ساتھ (لالچ' غضب' غصہ اور تکبر وغیرہ سے پاک) وہ با اخلاق مرد میداں ہوتے ہیں۔ ان کو مل جل کر اور ہمدرد بن کر زندہ رہنا آجاتا ہے۔ وہ انسان شناس ہوتے ہیں' کسی سے حسد نہیں کرتے' تخریب کاری ان کا شیوہ نہیں ہوتا' بلکہ وہ تخریب کاری کی بیخ کنی کرنے والے ہوتے ہیں۔

نماز کی اللہ کے حضور دن میں پانچ وقت جماعت کے ساتھ ادائیگی اسی لئے واجب قرار دی گئی ہے کہ اگر ملت کو مسائل کا سامنا ہو' کسی مشکل سے دوچار ہو' کوئی اضطراری کیفیت پیدا ہو گئی ہو' تو پوری جماعت مل کر ان مشکلات اور مسائل کے حل کے لئے ہر طرح سے کھڑی ہو جائے' یعنی قیام کرے۔ باب حکمت میں اسکے ذریعے مسلم امہ کو یکجہت (جو محلّے کی مسجد سے لیکر شہروں اور ملک سے گزرتے ہوئے حج کے عالمی اجتماع پر منتج ہوتی ہے) ہو کر انسانیت کیلئے قیام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ہمیں ذہن نشیں رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے جتنے بھی ہادی (انبیا مرسلین وائمہ) دنیا میں آئے سب کا اصل مقصد معاشرے میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کی تعمیر اور لوگوں کی اصلاح کے ساتھ انہیں ترقی کی راہوں پر گامزن رکھنا رہا ہے' جو اللہ کی ربانیت کا مظہر ہے۔ بالفاظ دیگر

دین کا پرچار ہے' جس کے قوانین فطرت کے عین مطابق ہیں' اصل حیات ہے۔ یعنی انسان کے وجود میں دینی صلاحیتوں کے چشموں کو ابھارنا ہے' جس سے انسانیت کی سیرابی ہوتی ہے' حقیقی زندگی میسر ہوتی ہے اور حیوانی خواہشات سے نجات ملتی ہے۔

اخلاق' جس پر انبیا' مرسلین اور ائمہ نے صبر' شکر' تحمل و تدبر کے ساتھ خود چل کر دکھایا' اس کو بڑھاوا دینا ہے' تاکہ قرب الٰہی حاصل ہو۔ لوگ اس سے متاثر ہو کر اسے اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ دنیا ان کی ذات سے تنگ نہ ہو۔

تنزلی کی طرف لیجانے والے اندرونی محرکات' جیسے خود پرستی' تکبر' غرور' غصہ' اقتدار کی خواہش' شہرت طلبی' حرص وہوسِ مال' بے انصافی' آرام پسندی' سستی اور دوسرے ناروا غیراخلاقی قرینوں سے گریز۔

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: لوگوں کو دین کی طرف بلاؤ' مگر زبان سے نہیں' اپنے اعمال سے لوگوں کو دین کی دعوت دو۔

مسلم امہ اگران بے بہا حیات بخش اصولوں پر عمل پیرا ہوتی تو رسوائی کا طوقِ گراں اس کی گردن میں نہ پڑتا' بلکہ ساری دنیا اسلام کی طرف مائل ہوتی۔ کوئی کسی کا استحصال نہ کر پاتا۔ کلیسا کے نئے پوپ (۲۰۰۵ء) نے قبول کیا ہے کہ اسلام کو برانہیں کہا جا سکتا کہ ایک زمانے میں وہ عروج کا حامل تھا۔

اسلئے لازم ہے کہ قیامِ نماز کے گم کردہ ہدف' مدعا' منشاء' غرض وغایت کو تلاش کر کے انہیں ان کے مقام پر محکم کر دیا جائے۔ مزید انتظار درست نہیں۔

اس کتاب میں قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ علما کی تحریروں میں سے جو بھی موضوع سے متعلق افکار موصول ہوئے ان سے استفادہ کیا گیا ہے' کوئی بات نئی نہیں ہے۔ سوا اس کے کہ انہیں اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ مقصد تک رسائی ہو سکے۔ جیسا کہ مقدمے کی ابتدا میں عرض کیا جا چکا ہے' اس میں نماز کی ادائیگی وارکان کا تذکرہ نہیں ہے۔ مگر اس میں جو بھی گزارشات موجود ہیں وہ نماز سے بامقصد استفادے سے متعلق ہیں۔

ساتھ ہی ان مفاد پرست عناصر کی بے معرفتی کا رونا بھی ہے جو اس چندروزہ دنیا میں خوفِ خدا سے عاری' ناداروں کی گاڑھی کمائی لوٹ کر عیش وعشرت کیلئے دین میں تحریفات کراتے رہے اور دنیا سے خالی ہاتھ کوچ کر گئے۔ ایسی ہی تحریفات کے ذریعے انھوں نے نماز سے اس کی روح (قیام جو اسکا مقصد ہے) نکال کر اسے ناکارہ بنا دیا ہے۔ اس وقت مسلمانوں پر جو مردنی چھائی ہوئی ہے' اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔

یہاں یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ نماز کو صحیح طریقے سے عمل میں لانے میں دیر نہ کی جائے نہ ہی اسے التوا میں ڈالا جائے۔ اسکے لئے مقدمے جیسے ہی اختتام کو پہنچے باب کلمات نماز کا مطالعہ شروع کر کے اس میں جو غرض و غایت اور حکمت جاری و ساری ہیں اُن سے استفادہ شروع کر دیا جائے۔

یہ کہہ دینا کوئی نئی بات نہ ہوگی کہ ظلم مٹانے کیلئے علم سے بڑھ کر کوئی حربہ نہیں۔ جاہل ہمیشہ گھاٹے میں رہتا ہے اور معزول ومحکوم بھی۔ با مقصد علم وفراست سے مزین دوراندیش انسان دنیا کی ساری بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ قیامِ نماز کرۂ ارض کے سارے علوم کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جو سلب شدہ آزادی وحریت کو رہائی دلا کر انسان کو خودمختار بنا دینے میں معاون ہو سکتا ہے۔ فقط یہ کہ صحیح طرز پر اس سے استفادہ کیا جائے۔

مطالعہ واخذِ مطالب

جو کچھ بھی کتاب میں پیش کیا گیا ہے' کم علمی اور بے بضاعتی کا اعترف کرتے ہوئے عرض ہے کہ اس کے متون کسی صورت بھی حرفِ آخر نہیں ہیں۔ اس میں جو کوتاہیاں رہ گئی ہیں قارئین سے استدعا ہے کہ حقیر کو آگاہ فرمائیں' کرم نوازی ہوگی۔

کتاب کے مطالعے کے بارے میں استدعا یہ ہے کہ اسے فرصت اور سکون کی حالت میں بغور اور دل جمعی کے ساتھ کم از کم دو بار لگاتار پڑھا جائے۔ اس کے ہمراہ ذہن میں یہ بات قائم رہے کہ جو کچھ بھی اس سے اخذ ہو اس پر عمل پیرا ہوا جائے گا۔ مطالب کو جذب کر لینے کی یہی راہ ہے۔

یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ کتابچے میں جا بجا نکتوں کی تکرار نظر آئے گی' جو چند وجوہات کی بنا پر ناگزیر تھی۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ مختلف ابواب ومضامین کا مطمحِ نظر (نماز میں حکمت قیام) ایک ہے اور وہ اس سے متعلق ایک ہی مقصد کے حامل بھی ہیں۔ مختلف ابواب میں اسکی

تائید میں جو نظریئے پیش کئے گئے ہیں ان کی وضاحت اہم افکار کو تکرار کے ساتھ شامل کئے بغیر نہیں کی جاسکتی تھی۔ دوسرے یہ کہ تکرار یادداشت کو تازہ رکھتی ہے اور انسانی ذہن میں کسی فکر کو محکم کرنے کا ذریعے بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہم کو یہ اہم حقیقت جابجا نظر آتی ہے۔ تیسرے یہ کہ اکثر حضرات وقت کی کمی کی وجہ سے کتاب کے درمیانی مضامین پر نگاہ ڈالنے پر اکتفا کرتے ہیں' اس امر کے مدنظر کہ ان کو واضح طور پر اس کے متن کو سمجھنے میں کمی کا زیادہ احساس نہ ہو اور تکرار معاون بن کر ان کے لئے مفید ثابت ہو' وغیرہ

ترتیب مضامین

ترتیب ابواب اور ان میں کیا رعایات رکھی گئی ہیں' درج ذیل ہیں' ملاحظہ فرمائیے:

☆ باب صورتحال :۔ اس باب کو اسلئے شامل کیا گیا ہے کہ وہ جمع غفیر جو اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر متعارف کرا رہا ہے' وہ کس کردار کا مالک ہے' مسائل کا کیوں شکار ہے؟ دور حاضر نے اس کی کوتاہیوں کی بنا پر اس پر کیا اثرات مرتب کئے ہیں اور وہ کیوں زوال پذیر ہے؟ یہ بات سامنے آئے اور ملت اس کے عوامل کو سمجھ کر اپنی اصلاح کرے۔

☆ ابواب عبادت' حکمت اور قیام :۔ اپنے مقاصد کے زیر نظر تشنہ تشریح رہے ہیں' ان میں کیا معنویت ہے اور کردار سازی میں ان کا کیا حصہ ہے' وضاحت ضروری تھی۔

☆ باب تحریفات :۔ دین میں تحریفات کو عیاں کرنا لازم تھا' تاکہ مسلمانوں کی آنکھوں سے پٹی ہٹے اور ان کے سامنے حقیقتیں روشن ہوں۔

☆ باب وقت کا تقاضا :۔ مسلمان جس مصیبت میں گرفتار ہیں اس سے نجات کے لئے کیا تقاضے ہیں' آگاہی حاصل کر کے راہ عافیت کی تلاش لازم تھی۔

☆باب امدادِ الٰہی :۔ بطور مددگار، قدرت کی طرف سے کیا عطیات موجود ہیں، معلوم کرنا ضروری تھا، تاکہ ان سے درست استفادہ کیا جاسکے۔

☆کلمات جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں، در حالِ حاضر بغیر سمجھے بوجھے اور بغیر حضوریٔ قلب کے مثل اشلوک ادا کئے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھے ہیں اور مفید نہیں رہے۔ ان کلمات کے مفاہیم میں جو قوتِ محرکہ موجود ہے، اسے اس باب میں چار مراحل میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ معنی و مفاہیم، مقصد، دعا اور آخر میں ان مقاصد کے حصول میں آمادگی کیلئے اپنے آپ سے اقرار۔ چونکہ یہ کلمات حیات بخش ہیں، روحِ نماز و قیام ہیں، راہِ خدا اور رسول پر گامزن رکھنے میں مدد کرتے ہیں، اسلئے اس قسم کا ایک طوالانی طریقہ اختیار کرنا لازم تھا۔

☆باب دعا :۔ دعا میں جو حکمت پائی جاتی ہے، اس سے بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ اس میں مضمر قوتوں کو سمجھنے اور کارآمد بنانے کے لئے ایک جائزہ لیا گیا ہے۔

☆باب تبلیغِ دین :۔ بجائے اس کے کہ اتحاد بین المسلمین کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا، اللہ و رسول سے ملنے والے تبلیغِ دین کے طریقوں کو نظر انداز کر کے، منبر کو اکھاڑے جیسی صورت دے دی گئی اور خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ اسے از سرِ نو بروئے کار لانے کے لئے چند نکات پیش کئے گئے ہیں۔

اختتامِ مقدمہ سے قبل ہمیں ذہن نشیں کر لینا چاہئے کہ ان امور کی اہمیت کے پیشِ نظر ضرورت یہ ہے کہ قیامِ نماز سے وابستہ بھولے بسرے افکار کو خصوصاً ان میں جو فلسفہ و مقاصد وجود رکھتے ہیں زیادہ سے زیادہ مشتہر کیا جائے، انہیں تحریفات سے بچا کر محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اس سے بہتر اس کی ضمانت اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ان کو سلیقے کے ساتھ آئندہ نسلوں کے حوالے کر دیا جائے جو اسے اگلی نسلوں میں منتقل کرتی رہیں۔ اس کا حصول اس طرح ہو سکتا ہے کہ قیامِ نماز کے مقاصد کو تدریجاً عملی طور پر بچوں کو ان کی نہایت صغر سنی سے ذہن نشیں کرانا شروع

کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ ان پر عمل کرتے ہوئے بالغ ہو جائیں۔

اسے کارگر بنانے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ خود ہم بچوں کے ساتھ واجبات کو ان کے اصل مقاصد کو گرفت میں رکھتے ہوئے انجام دیں۔ یعنی انہیں عملاً سمجھایا جائے۔ زبانی ہدایات عام طور پر قابل قبول نہیں ہوتیں۔ بچے ہوں یا بوڑھے ان پر آسانی سے عمل نہیں کر پاتے۔ کسی کو عمل کرتے ہوئے دیکھ کر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ بہتر صورت سے کارگر ہوتے ہیں اور ان کے اثرات دوام اختیار کر لیتے ہیں۔ بچہ جتنا کم سن ہوگا اسی قدر تیزی سے اپنے بڑوں کے اعمال کو دیکھ کر سیکھے گا۔

جب خالص مقاصد کے پیش نظر عملی طریقہ کار اختیار کیا جائے گا تو بچے رسومات کی بھول بھلیاں (جیسا کہ اس وقت واجبات میں رواج پا گئی ہیں) میں گم ہو جانے سے بچے رہیں گے۔

گاہے بگاہے بے مقصد رسومات کی خرابیوں کو ان پر واضح کرتے رہنا چاہئے۔ اس کا ایک خوش آئند نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ بچے کسی عمل کو شروع کرنے سے پہلے اسکے مقصد کو تلاش کر کے اسکی سمت قدم بڑھائیں گے۔ اس طرح انشاء اللہ ان کی دنیا سدھری رہے گی اور عقبیٰ میں بھی اس عمل کے ذریعے ہم بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سرخ رو ہو سکیں گے۔

✿✿✿✿

باب ۱

صورتِ حال و عوامل

بسمہ سبحانہ

صورتِ حال وعوامل

''پھر جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہے وہ اسے دیکھ لے گا۔'' زلزال ۹۹:۸

''کسی مومن مرد اور عورت کو حق نہیں کہ جب کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول فیصلہ کر دیں تو ان کے لئے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے۔ جس نے اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔'' احزاب ۳۳:۳۶

عام حالات میں اگر انسان اپنا محاسبہ کرتا رہے اس عمل کی عادت ڈال لے تو مسائل ہاتھ کے ہاتھ حل ہوتے چلے جائیں گے اور ترقی کی راہوں میں زیادہ رکاوٹیں پیدا نہیں ہو پائیں گی۔ مگر جب ایک ملت مستقل لاپرواہی اور تساہل کی بنا پر ادبار کے زد پر آن پڑی ہو اور اس پر عالمِ بے حسی بدرجہ اتم طاری ہو تو اس کے حالِ زار کا تجزیہ اس کے ماضی کے بڑے دائرے کو سامنے رکھ کر کرنا پڑتا ہے۔

اس نظریئے کے تحت جب ہم موجودہ مسلم امہ کے حال پر نظر ڈالتے ہیں تو اسے عرصہ دراز سے ذلت کے گڑھے میں پڑی سخت مصیبتوں میں گرفتار پاتے ہیں۔ یہ ایک ایسے شکنجے میں کس دی گئی ہے کہ اس کا ہاتھ پیر مارنا تو درکنار سانس لینا بھی مشکل ہے۔ وہ اگر کوئی راہ تلاش کرتی بھی ہے تو وہ تفکر و تدبر سے اس قدر بیگانہ ہوتی ہے کہ بجائے قدم جمنے کے اکھڑ جاتے ہیں۔ ریگ رواں جیسی قیاس آرائیوں پر اسکی بنیاد ہوتی ہے۔

ایک سلسلہ ہے جو صدیوں سے اس کے گلے کا طوق بنا ہوا ہے۔ یہ ایک ایسا جسم ہے جس میں زندگی کے آثار ناپید ہیں۔

ایک فطری سی بات ہے کہ جب پیکر ہائے بے جاں بکھرے پڑے ہوں تو اُن کا چیر پھاڑ کھانے والے درندوں و پرندوں کی آماجگاہ بننا امر لازم ہو جاتا ہے۔ یہ دستر خوان بچھا کر انہیں مدعو کرنے سے کم نہیں۔ خود کردہ را علاجے نیست!!

اس وقت مسلم معاشرہ اپنے مدمقابل مغرب کی پیش رفتہ (مگر دام گمراہی وانحرافی میں گرفتار) فکری وثقافتی یلغار کے مقابلے میں خود کو عاجز و درماندہ پاتا ہے۔ غلط حکمت عملی اور غیر دانشمندانہ منصوبہ بندی اس کا سبب ہے' جس سے اس کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔

اگر ہم اپنے مذہب (دین اسلام) اور گزشتہ تاریخ کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر شناخت کرنے کی کوشش کریں تو موجودہ نسل کو (جس کی سلامتی کی جانب سے ہم فکر مند ہیں) مغرب کی بالادست و گم کردہ راہ ناپاک فکری یلغار سے مقابلہ کے لئے بنیاد فراہم کر سکتے ہیں۔

دوسری عالمی جنگ (ورلڈ وار ٹو) اور مغرب میں صنعتی انقلاب کے بعد اسکے منفی اثرات کھل کر سامنے آئے۔ چرچ کی سخت گیری کی بنا پر عوام نے اسکے دام سے رہائی حاصل کر لی۔ عورت نے بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر قید و بند کی ساری زنجیریں توڑ ڈالیں۔ اس آزادی کے ساتھ ہی جنسی آزادی بے حیائی کی حد تک فعال ہوئی اور وبائی صورت اختیار کر گئی' جو اسوقت ہمارے لئے تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔ صنعتی انقلاب کی بنا پر دولت کی فراوانی نے مغرب کو

اس قدر اندھا کر دیا کہ ہر اعلیٰ اخلاقی قدر دولت کی کسوٹی پر پرکھی جانے لگی۔ پیسے کے لئے ہر قسم کی بدعملی بغیر کسی روک تھام کے جائز بنالی گئی۔ کیونکہ متمول اور بااختیار لوگ اس میں شامل تھے' کسی کو ان کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ تھی۔

برطانیہ نے ایک زمانے میں چین کو افیونی بنا کر اپنا مطلب حاصل کیا تھا' اب مغرب ساری دنیا کو منشیات (ڈرگ) میں مبتلا کر کے لوٹ رہا ہے۔ افغانستان کو بے جا بدنام کیا گیا ہے' اس جاہل و پسماندہ قوم میں اتنی صلاحیت کہاں کہ دنیا کے گلی کوچوں تک اسے پہنچا سکے۔ افیون پیدا کرنے میں وہی لوگ اس کی پشت پناہی کر رہے ہیں اور ان کی محنت کی کمائی پر ڈاکا ڈال کر اسے بدنام بھی کر رہے ہیں۔ خفی طور پر ان کا ڈنڈا ان کے سروں پر لہرا رہا ہوتا ہے۔ جیسے جسکی لاٹھی اس کی بھینس کا مقولہ انہی کے لئے بنا تھا۔

نظام سرمایہ داری (کیپیٹل ازم) روپے پیسے کی ہر طرح سے چھین جھپٹ ہے۔ دوسروں کی جیب خالی کرنا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ نوجوان نسل کو چاروں طرف سے گھیر کر اس طرح الجھا دیا جائے کہ وہ اپنے حقیقی مسائل سے بے اعتنا ہو جائے اور اسکی طرف متوجہ نہ رہے۔ یعنی ان کے ذہن کو بدمستیوں میں ڈال کر اتنا ماؤف کر دیا جائے کہ زندگی کی حقیقت اور اسکے مسائل ان کے افکار کا حصہ نہ رہیں۔ بداخلاقی اس قدر عام کر دی جائے کہ اصل اخلاق نظر ہی نہ آئے۔ اپنا وجود کھو بیٹھے اور بچے ان میں ضم ہو کر ان کی غلامی میں آ پڑیں۔

سب سے زیادہ موثر ذریعہ جنسی وارفتگی ہے جس میں خصوصاً نوجوانوں کے لئے زبردست کشش پائی جاتی ہے' اس میں انہیں ایسا پھانسا گیا کہ وہ قربانی کا بکرا بن کر رہ گئے۔ موجودہ کلیسہ کے پادریوں کی طرف نگاہ ڈالئے' کس قدر اس میں ملوث ہیں۔ مشکل ہی سے کوئی بچا ہو گا۔ تنگ نظر عورت شادی کے بندھن سے جان چھڑانے کے چکر میں بوائے فرینڈز کے جال میں ایسی پھنسی کہ مغرب میں خصوصاً جدھر دیکھئے سنگل مدر کی بھرمار ہے اور باپ کا دور تک نشان نہیں۔

سرمایہ داری نظام' انسانی اقدار کا قائل نہیں۔ دولت کی ہوس پس پردہ ان کے اجارہ داروں

کو جن سازشوں میں کھینچ لاتی ہے' اس پر ایک سرسری نظر ضروری ہے' تاکہ مسلمان اپنی کوتاہیوں کا اس پس منظر میں تجزیہ کر سکیں۔ باتیں عیاں ہیں' فقط آنکھ کھولنے کی ضرورت ہے۔

دہشت گردی

استعمار نے اندازہ کر لیا تھا کہ ان کے کالونی نظام کی چولیں آج نہیں تو کل ضرور ہلیں گی۔ ذہین سازشی دماغ نے نعم البدل راہ ڈھونڈ نکالی۔ مسلمانوں میں نہایت چابک دستی کے ساتھ ایسے فرقے کاشت کر دیئے گئے جن کا چہرہ مہرہ سامنے سے مسلمانوں جیسا مگر اندر سے وہ اسلام سے کوسوں دور تھے۔ چونکہ ان کی بناء سازش تھی ان کے پھولنے پھلنے کا مستقل انتظام بھی انہی کی طرف سے کیا گیا تھا۔ بے معرفت مسلمانوں کے دل پہلے ہی سے صنم آشنا تھے' سبز باغ دکھانا کافی تھا۔

سازش گروں نے ان میں ایسے نظریوں کے بیج بو دیئے تھے کہ آگے چل کر القاعدہ جیسی تنظیمیں جڑی بوٹیوں کی طرح ہر طرف اگ آئیں۔ افغانستان کی مٹی اس کے لئے بڑی زرخیز تھی' ماضی میں روس کو بھگانے کے بہانے اسامہ لائے گئے تھے' بعد میں جب میدان صاف تھا طالبان کو اس پر مسلط کر دیا گیا' وہ بالکل ہی وحشی تھے' ان کے تسلط کے منکر نکلے' انہیں مار بھگایا۔ اب انہوں نے وہاں اپنا بندہ (غلام) مستقر کر دیا ہے۔ یہ کام ہمیشہ ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل رہا ہے۔ ماہرانہ طور پر بڑے چارہ گروں نے کر دکھایا۔

پاکستان کو کمزور کرنے کے لئے القاعدہ کو کھلی چھٹی دے دی گئی۔ لق و دق مدرسے' رائفل و میزائل وغیرہ سے لیس' جہاں جگہ خالی ملی تیزی سے وجود میں آگئے۔ فقر زدہ جہل میں پڑے علاقوں کے عرب و عجم معصوم خاندانوں کے بچوں کو چند پیسوں کی لالچ پر کثیر تعداد میں داخل کر دیا گیا۔ یہی حال دوسرے مسلم اکثریتی ممالک کا تھا۔ نام کے طلبا کو تعصب میں ڈوبی ہوئی تخریب

کاری کی تربیت دے کر اسلحہ سے لیس کر کے آزاد چھوڑ دیا گیا۔ان سے متعدد تخریب کاریاں کرا کے تجربہ کار دہشت گرد کا درجہ دے دیا اور دنیا کے ہر گوشے میں پھیلا دیا' تاکہ دنیا کے سارے ممالک میں مسلمان دہشت گردوں کے خلاف کہرام مچ جائے۔

دوسرے مقاصد کے ساتھ ساتھ اصل مقصد دین اسلام کو دنیا کے سامنے تخریب کار اور غیر مہذب بنا کر پیش کرنا اور پس ماندہ رکھنا تھا' وہ اپنے ان تربیت شدہ دہشت گردوں کا سہارا لیکر اسے ''دہشت گرد اسلام'' کا نام دینے میں کامیاب ہو گئے اور اپنا مقصد حاصل کر لیا۔اب ان مسلمان دہشت گردوں کو شکار کرنے کا لائسنس ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں موجود ہے۔دوسرے مسلمان بھی سہمے ہوئے ہیں۔

وہ بچے جو ماؤں کی گود سے چھڑا کر القاعدہ کے مدرسوں میں داخل کئے گئے تھے' تعصب میں اس قدر رچا دیئے گئے کہ گولی چلانا اور گولی کھانا ان کی قسمت بن گئی۔قلق اس بات کا ہے کہ ان کی اولاد در اولاد (خدا نہ کرے) جہالت اور کسمپرسی کی زندگی بسر کرے گی۔یہ ہے ان کا مستقبل۔داد دینا پڑے گی ان کو جنہوں نے اسکی کاشت کی' اب ان کے لئے پھل حاصل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی سرنگونی

یہ بڑا پر درد سانحہ ہے جس سے ہزاروں خاندان متاثر ہوئے اور انجینئرنگ کے دو عظیم شاہکار صفحۂ ہستی سے اپنا وجود کھو بیٹھے۔ان جیسی بھاری بھرکم عمارتوں کو ڈھا دینا کارنمایاں سے کم نہیں تھا' جس کی منصوبہ بندی معمولی دماغ کے بس کی بات نہ تھی۔

جتنے منہ اتنی باتیں۔دھیرے دھیرے پول کھلتی چلی گئی۔اتنی عظیم الجثہ دو عمارتوں کو دو ہوائی جہاز یا ان کا تیل کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ہائی جیکرز جو جنت کی حوروں کے منتظر تھے ان ہی کے ملازم تھے۔یہ زلزلہ انگیز ڈائنامائٹ تھے جنہیں خفیہ طور پر تہہ خانوں میں ستونوں کے ساتھ

باندھ دیا گیا تھا' ہوائی جہازوں کے ٹکراتے ہی انہیں ریموٹ کنٹرول سے اُڑا دیا گیا۔ اس حقیقت کو مختلف اخباروں' جریدوں اور فلموں نے سرِعام مشتہر کیا۔ مگر وہاں تو مراد بر آئی تھی' سنی ان سنی کر دی گئی۔

یہ منصوبہ فقط مسلمانوں کو تخریب کار ثابت کرنے کے لئے تھا۔ جس کا سہرا ہاتھی کی سونڈھ والوں نے کوہ نورد اسامہ بن لادن اور القاعدہ کے سر باندھ دیا۔ شور مچا دیا گیا کہ یہ مغرب کے خلاف مسلمانوں کے جہاد کا ایک حصہ ہے۔ جہاد کی تشریح آسانی سے جدوجہد کے بجائے تخریب کاری کی جانے لگی۔ اسرائیل نواز میڈیا نے اسی کی ڈگی پیٹ دی۔ الزام مسلمانوں کی جھولی میں آپڑا۔ اسلام پہلے ہی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا جو ناعاقبت اندیش تخریب کار مسلمانوں کے غیر اسلامی رویئے کی وجہ سے اس نوبت کو جا پہنچا۔

اسامہ اور ملا عمر کے لئے یہ حادثہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مصداق بنا ہی تھا' خرابیٔ بسیار یہ کہ امور مسلمین مزید ابتری کا شکار ہوئے۔ ہر مسلمان تخریب کار کے نام سے پکارا جانے لگا' وہ جہاں سے گزرتا ہے نگاہیں اسکا تعقب کرتی ہیں۔ اس کے لئے علمی' تحقیقاتی' اقتصادی' روزگار۔ انتہا یہ کہ اس کے لئے ہر شعبۂ زندگی میں راہیں مسدود ہو گئیں۔ غلامی کا رسا گلے میں ڈالا جا چکا ہے' فقط بہانگ دہل اعلان باقی ہے۔

مشرق وسطی اور چند دیگر مسلم اکثریتی ممالک کا حال کیا ہے اور انہیں کن مصیبتوں کا سامنا ہوگا سرسری جائزہ بھی وقت کا تقاضا ہے۔

عراق

خون میں لتھڑے ہوئے' اقتدار کے بھوکے صدام نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لئے پچیس سالہ دور میں عراقیوں کو ہولوکاسٹ کا نشانہ بنا کر رکھا۔ عام ناعاقبت اندیش مسلمان جابر

حکمرانوں کی طرح غیروں کی حاضر جنابی میں بلبلے جیسے اقتدار میں مست رہا۔ امریکہ اور برطانیہ کی شے پر کردوں اور شیعوں کے خلاف بمباری جس میں اُس نے مہلک کیمیائی ہتھیار بھی استعمال کئے۔ (مغرب اور اسرائیل نواز جھوٹے میڈیا کے ذریعے) امریکہ وغیرہ عراق پر بمباری کر کے یہ بتا رہے تھے کہ وہ کردوں اور شیعوں کی حمایت کر رہے ہیں' جبکہ ان مفاد پرستوں کو ان سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ اوپر سے کچھ اور اندر سے کچھ' تیسری دنیا کے لئے ان کی پالیسی ہمیشہ یہی رہی ہے۔

جبکہ امریکہ نے صدام کو جدید ترین اسلحوں' جہازوں اور کیمیکل کارخانوں سے لیس کر کے مضبوط بنا کر رکھا تھا' تا کہ وہ انہیں (کردوں اور شیعہ اکثریت کو) کچلتا رہے۔ انہی کے کہنے میں آ کر اس نے ہمسایہ ممالک پر چڑھائیاں کیں' دس لاکھ سے زیادہ جانیں تلف ہوئیں۔ معاذ اللہ صدام خدا بنا رہا۔ اس کے ان ساتھیوں نے عراقی عوام کے لئے خوراک اور دوائیوں تک کا کوئی بندوبست نہ کیا۔ لوگ مرتے رہے۔ پھر بھی ان کے لئے صدام قابلِ اعتبار نہ تھا۔ انہوں نے عراق پر چڑھائی کر کے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے اسکے مجسموں کو ڈھا دیا۔ قبر کی مانند خفیہ پناہ گاہ سے اسے کھینچ نکالا' تھپڑوں' مکوں سے نواز کر زندان میں پہنچا دیا کہ موت کا انتظار کرتا رہے۔ مغرب کی مشہور گزشتہ سے پیوستہ بندر بانٹ جاری ہے۔

اسرائیل کو ایک جانب سے سانس لینے کا موقع میسر ہوا۔ اللہ کا مسلمانوں کے لئے عطیہ دنیا کا بہترین تیل اب پس ماندہ بھوکے عراقیوں کے دکھوں کا درماں بننے کے بجائے ایک طولانی مدت کے لئے بطور تاوانِ جنگ اسرائیل اور مغرب کے لئے شہ رگ کا خون اور توانائی کا کام کرتا رہے گا۔

آئین مرتب کرنے کے لئے انتخابات انجام پا چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بیس فی صد اہل سنت والجماعت چاہتے ہوئے بھی تخریب کاروں کے ڈر سے انتخابات میں حصہ نہ لے سکے۔ حالانکہ القاعدہ طرز کے تخریب کار سنی اکثریتی علاقے سے نکل کر اب بھی دوسرے علاقوں میں حملہ آور ہو رہے ہیں۔

مغربی میڈیا اس وقت مسلمانوں میں مزید تفرقہ پیدا کرنے کیلئے ہر چھوٹی سی بھی خبر میں شیعہ سنی اختلاف کو بڑھا چڑھا کر تکرار کے ساتھ نشر کر رہا ہے۔ سنی حضرات کو ڈرا کر رکھنے کے لئے زوروں سے حرکت میں ہے کہ شیعہ جن کی تعداد ساٹھ فیصد سے تجاوز کر رہی ہے ایران (جہاں پچانوے فیصد شیعہ ہیں) جیسا آئین بنائیں گے۔ جبکہ مرجع وقت نے کبھی یہ عندیہ نہیں دیا کہ آئین کی بنیاد شیعہ فقہ ہوگی۔ علاوہ ازایں انہوں نے سنیوں کو ہر حال میں شامل رکھنے اور ان کی طرف اخوت کا ہاتھ بڑھا کر رکھنے کی حمایت کی ہے۔

کردوں نے پہلے ہی سے کرکوک (تیل کا بہترین معدنی علاقہ) کو کردستان میں شامل کر کے خود مختاری کا نعرہ لگا دیا ہے۔ خدا نہ کرے کہ برطانیہ کا رائج کیا ہوا بندر بانٹ یہاں بھی آزمایا جائے' جس کی قوی امید ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں میں سمجھ کی بدرجۂ اتم کمی ہے۔ انہوں نے قرآن اور رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا سیکھا ہی نہیں' جو مل بانٹ کر زندہ رہنے کی تاکید کرتے ہیں' یعنی ملکی وسائل سے وہاں کی پوری آبادی کو برابر کا فائدہ اٹھانے کا حق ہونا چاہئے۔ اور یہی روح انسانیت ہے۔

سعودی عرب وملحقہ سلطنتیں اور ترکی' انڈونیشیا اور مصر

ان ممالک میں امریکی افواج انہیں اور اطراف کی حکومتوں کو (در پردہ) قابو میں رکھنے کے لئے ایک عرصۂ دراز سے مستقر ہیں' اصل قضیہ سستے داموں امریکہ و تیل کی ترسیل اور ان ملکوں کو ڈرا کر رکھنا ہے۔ سعودی عرب نے حالانکہ پاکستان سے طے کر لیا ہے کہ امریکن افواج (معاہدے کے مطابق جس کی میعاد جلد ختم ہونے والی ہے) کے انخلا کے ساتھ ہی اس کی فوجیں ان کی جگہ لے لیں گی۔ مگر میڈیا اور سفارتی ذرائع سے عربوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ عرب بادشاہوں اور ان کی سلطنت کی حفاظت صرف امریکی فوج ہی کر سکتی ہے' اسلئے کہ پاکستانی فوج

مسلمان ہونے کی حیثیت سے عرب عوام پر گولی نہیں چلا پائے گی۔ اس کے علاوہ مشرق وسطیٰ میں تخریب کاری کی روک تھام بھی یہی افواج اور بحری بیڑے جو خلیج فارس میں مقیم ہیں' مل کر انجام دیں گے' جو بقول ان کے سعودی عرب اور دیگر مسلم ممالک کے مفاد میں ہے۔

افغانستان اور پاکستان

افغانستان میں کثیر تعداد میں امریکی فوجیں موجود ہیں' جس کی میڈیا کے ذریعے انہوں نے دھوم مچا رکھی ہے کہ تخریب کاری کی روک تھام کے لئے ہیں۔ دراصل یہ پس پردہ بحر کیپیئن اور راستے میں پڑنے والے دیگر ممالک کے تیل کو پائپ لائن کے ذریعے افغانستان کے راستے ترسیل کی حفاظت کریں گی۔ بعید از قیاس نہیں کہ پاکستان کا اٹامک پلانٹ جو ہندوستان سے دوستی کی بناء پر اس کی نظر میں ناقابل برداشت ہے اور ان کی آنکھوں میں کھٹک رہا ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ پاکستان میں نواز شریف کے ہاتھوں (مسلمانوں کی نالائقی اور نادانی کے بل بوتے پر مغرب کی ترپ چال) القاعدہ کا بیج بویا جا چکا ہے اور اس کا گڑھ بن کر اپنی پسماندگی کا خود ذمے دار ہے۔ جنرل پرویز کی حکمت عملی کچھ بہتر صورت اختیار کئے ہوئے ہے' مگر القاعدہ اور ملا عمر کے ساتھی ملا صاحبان جنہیں ملکی مفاد سے کوئی واسطہ نہیں' بھیڑیوں کی طرح اسے نوچ کھانے پر لگے ہوئے ہیں۔

ایران' شام اور لبنان

ایران' مغرب نواز شاہ کی تخت برداری کے بعد اس سے منسلکہ امریکہ کے مفادات نہ فقط تیل بلکہ ایک بڑے متمول ملک کی منڈی تلف ہو جانے کی بناء پر اس کا ہدف بنا رہا ہے۔ اس وقت چار وں طرف سے اسکے نرغے میں ہے۔ وہ اسے گھیر کر دوبارہ اپنے مفادات کا گہوارہ بنانے میں مشغول

ہے۔ایران نے بار ہا اس بات کا اطمینان دلایا ہے کہ اس کا ایٹمی منصوبہ مطلقاً ملک کے مصارف برق کے لئے ہے اور ضمانت بھی دی ہے کہ وہ اسے کسی قسم کے آلات حرب میں استعمال نہیں کرے گا 'امریکی مفاد میں نہ ہونے کی بنا پر میڈیا گھما پھرا کے عوام میں اسکے برعکس اطلاعات عام کرنے میں لگی ہوئی ہے' اور امریکی دھمکیوں کو ہوا دیتی چلی جارہی ہے۔امریکہ ابھی تک حملے کی ہمت نہ کرسکا کہ یورپ جس میں روس بھی شامل ہے' ایران سے منسلکہ مفادات کی بناء پر اسکا حل سیاست کے ذریعے چاہتا ہے۔امریکہ کو یہ بھی خوف لاحق ہے کہ اگر ایران پر اس نے حملہ کیا تو اس کے بعد شمالی کوریا اپنی باری تصور کرے گا۔اسکے دور مار میزائیل پہلے ہی سے امریکہ کا رخ کئے ہیں۔

بش نے اپنے دوسرے دور کی افتتاحیہ تقریر میں کھل کر کہا ہے کہ وہ دنیا کو ظلم سے چھٹکارہ دلانے میں جمہوریت کا حربہ استعمال کرکے اسے آمرانہ حکومتوں سے نجات دلائے گا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ عراق کے بعد سارے مسلم ممالک بمع مصر اسکی زد پر ہیں۔وہ ان سب کو اپنی اقتصادی نو آبادی بنانے کا منصوبہ رکھتا ہے۔اس بات کے پیش نظر کہ اپنا مفاد تلف ہوتے دیکھ کر یورپی برادری اسے برداشت نہیں کر پائے گی' اس کے گرد بھی ڈورا ڈالنے میں لگا ہوا ہے۔

نادان مسلمان حکومتوں کو آنکھ کھول کر متحد ہونے کا بہترین موقع ہے۔صرف کٹھ ملاؤں سے گریز کی ضرورت ہے۔مگر امید نہیں کہ وہ اپنی چالبازیوں سے باز آئیں۔

اسی طرح چونکہ شام امریکہ کے قابو سے باہر ہے۔لہٰذا اس نے شام پر الزام لگا رکھا تھا کہ صدام کا وہ اسلحہ جو امریکہ تلاش کرنے میں ناکام رہا اور جو اسکی عراق پر فوج کشی کی بنیاد بنا تھا وہ شام کی تحویل میں ہے' اور وہ القاعدہ کی بھی مدد کر رہا ہے' جھوٹ ثابت ہوگیا کہ سی آئی اے صحیح اطلاع حاصل کرنے میں ناکام رہی۔دھونس دینے کا ایک اور بہانہ یہ کہ لبنان میں شام کی فوجیں کیوں پڑی ہیں (جو اسرائیل کے لئے سخت خطرہ ہیں)۔حقیقت یہ ہے کہ لبنان کو اسکی ضرورت تھی۔انہی افواج کے ذریعے اسرائیل اور امریکیوں کو لبنان نے نکال باہر کیا تھا۔شام نے اپنی فوجوں کو واپس بلا لیا ہے' جس کی وجہ سے اسرائیل کو دوبارہ بالادستی حاصل ہوجائے گی۔

سی ۔آئی ۔اے نے اپنی پرانی عادت کے مطابق سازش کے ذریعے سابق وزیرِاعظم رفیق الحریری کو راستے سے ہٹا کران کے قتل کا الزام شام پر رکھ دیا اور اس کی ڈگی پیٹ دی ہے اور لبنانیوں کو شک میں ڈال کرانہیں خانہ جنگی میں مبتلا کرنے میں مشغول ہے۔

چونکہ یہ ممالک امریکہ کی بالادستی ماننے کو تیار نہیں ہیں' ترکی' عراق' افغانستان' سعودی عرب وخلیج فارس وغیرہ میں موجود امریکی فوجوں کے بل بوتے پر دھمکی دی جارہی ہے کہ یہ ممالک گھٹنے ٹیک دیں۔

فلسطین

اسرائیل نے جنگ کر کے فلسطینیوں کوان کے ایک بڑے علاقے سے نکال دیا تھا۔ان کا مطالبہ ہے کہ ان کی پوری زمین جوان کے پاس ۱۹۶۷ء سے پہلے تھی واپس کی جائے اور مہاجرین کو لا کر دوبارہ بسایا جائے۔بش اور اسرائیل اسے ناممکن سمجھتے ہیں۔انتفاضہ یا فلسطینیوں کے خود کش حملوں کی یہ وجہ ہے' شیرون اور محمود عباس میں اگر امن کی کوئی بات طے پا بھی گئی تب بھی اس بات کی امید نہیں کہ اسرائیل انتفاضہ سے نجات پاسکے' جس سے وہ ناقابل برداشت حد تک زچ ہے۔اسرائیل جب تک فلسطینیوں کی زبوں حالی جس کا وہ ہمیشہ سبب بنارہا ہے' کو دور کرنے میں اقتصادی تعاون نہیں کرتا' اور مہاجرین کی واپسی پر راضی نہیں ہوتا' کتنا بھی امریکہ کے ساتھ سازشیں کرتا رہے اسے چین ملنا تقریباً ناممکن ہے۔

آئی ۔ایم ۔ایف

یہ غریب ملکوں کو قرض دینے والا' ۱۸۰ ممالک پر مشتمل' بقول ان کے ایک فلاحی ادارہ

ہے۔وہ فقر میں مبتلا یا غریب بنا دیئے گئے ممالک کو سود در سود پر قرضے دیتا ہے۔ یہ قرض اسلئے دیا جاتا ہے کہ ان میں ان ممالک کا تیار شدہ مال (جس میں استعمال ہونے والا خام مال ان ہی فقر زدہ ممالک سے کوڑیوں کے دام خرید کر لے جایا جاتا ہے) خریدنے کی قوت پیدا ہو جائے اور وہ ان کے تیار شدہ مال کی منڈی بنے رہیں۔ بیشتر یہ قرضے ایسے پراجکٹس پر صرف ہوتے ہیں جن کے ٹھیکے ترقی یافتہ ممالک منہ مانگے داموں خود ہی لے لیتے ہیں۔ اس میں سستی افرادی قوت قرض خواہ ملک کی ہوتی ہے۔

قرضوں کا یہ حربہ نادار ممالک کی اقتصاد اور ترقی پر ضرب لگا کر انہیں پس ماندہ تر بنا کر دباؤ میں رکھنے کے لئے ہے۔ تاکہ وہ ہمیشہ ان کے مال کی نکاس کا ذریعہ بنے رہیں اور اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہو پائیں۔

یہ قرضے جس بناء پر بڑی مصیبت کا سبب بنتے ہیں وہ یہ ہے کہ قرض خواہ اسے حاصل کر کے خود کو آسودہ حال محسوس کرنے لگتا ہے۔ قرض دینے والے ممالک کا انواع واقسام کا تیار شدہ مال اسکی چوکھٹ پر مل جاتا ہے' اسے اس بات کی احتیاج ہی محسوس نہیں ہوتی کہ وہ یا ان کی حکومت خود انہیں تیار کرنے کی کوشش کرے۔ ان کے جدید طرز کے چار گنا مہنگے مال پر اپنی گاڑھی کمائی (جب کہ اسکے خاندان کو دو وقت کی روٹی مشکل سے نصیب ہوتی ہے) صرف کر کے وہ خود کو جدیدیت کا مالک سمجھنے لگتا ہے' اپنی اس حیثیت پر فخر محسوس کرتا ہے جو اسکی خواہشات کی انتہا ہوتی ہے۔ اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پسماندہ قوموں میں علم کی کمی کی بناء پر دور اندیشی کا ہمیشہ فقدان رہتا ہے' جس کی بناء پر ترقی کی راہیں ان کی نظر سے اوجھل رہتی ہیں اور کولھو کا بیل بنے رہنا ان کی قسمت بن جاتی ہے۔

ایک زمانہ تھا جب برطانیہ کی حکومت پر ہمیشہ سورج روشن رہتا تھا' وہ تنہا جہل کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے ناتواں ممالک کی کمائیاں لوٹ کر اپنے گھر لے آتی تھی' اس کا وہ وقار تو جاتا رہا۔ اب ترقی یافتہ ممالک مل کر یہ کام کرنے لگے ہیں۔ ان بالا دستوں کا طرز حکومت تو بدل

گیا ہے مگر مقصد کے حصول میں تبدیلی نہیں آئی۔ آئی ایم ایف ان سب کی آلۂ کار ہے۔ کمزور بنا دیے گئے نہتوں کی اگر نحیف صدا کہیں سے بلند ہوئی تو خونخوار و بالادست بی آئی اے میڈیا سے بھاری ڈھولیں پٹوا کر ایسی گونج پیدا کرتی ہے کہ کان بہرے ہو جاتے ہیں۔

کیا مسلم اکثریتی حکومتیں اپنے خلاف مندرجہ بالا سازشوں کو نہیں سمجھتیں؟؟

سمجھتی ہیں!! فقط یہ کہ اسلام کے پابند نہیں!! ان کو اگر کوئی حکمت مسلمان بنا کر طاقتور بنا سکتی ہے تو وہ قیامِ نماز کی حکمت ہے۔ باب ہائے حکمت وقیام اور نماز میں ملاحظہ فرمائیے۔

ابتلائے تخریب کاری

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان سے نمٹنے کا راستہ صرف تخریب کاری ہی ہے؟ جبکہ اسلام جنگ کی حالت میں بھی ظلم سے اجتناب کا حکم دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں پر صرف تھوڑے عرصے اسلام اثر پذیر رہا' حکمرانوں نے اپنے موقف کی توثیق کے لئے ہمیشہ مختلف جواز پیدا کیے۔ نتیجے میں اسلام تحریفات کی نذر ہو گیا۔ اس وقت ہمارے سامنے تفکر و تدبر سے دور اس کی بگڑی ہوئی شکل موجود ہے۔

اصل اسلام کی تلاش زیادہ مشکل نہیں' صرف تعصب سے کنارہ کش ہو کر کھلے دل سے کھوج لگانے کی ضرورت ہے۔ یہ کام متوازن سوچ رکھنے والے روشن فکر لوگوں کا ہے جن میں کٹھ ملا کی روح شامل نہ ہو کہ بقول اقبال :

"دین ملا فی سبیل اللہ فساد"

بیدار ذہن انسان کی شعوری زندگی میں تبدیلی کو محسوس کر لیتا ہے۔ سائنس و حکمت نے مادی طور پر خاصی ترقی کی ہے۔ مگر مفاخرت کے ساتھ اس میں قوت و برتری کی بڑھتی ہوئی خواہش نے اسے اخلاقی طور پر دیوالیہ کر دیا۔ اسکی بناء پر، بطور کلی انسانیت پر جو چوٹ لگی اور لگتی چلی جارہی ہے وہ غور و فکر کی طالب ہے۔ کل پر چھوڑ دینے کی بات نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ کمزور بنا دیئے جاتے ہیں یا خوف میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ دوسروں کو بھی اپنا ساتھی بنالیں' تا کہ ان میں جو احساسِ بیگانگی گھر کر چکا ہوتا ہے اس سے تصوراتی قسم کی قوت حاصل کر کے دل کو تسلی دے لیں۔ القاعدہ اس بیچارگی میں مبتلا ہے۔

اگر القاعدہ وغیرہ کے مدرسوں سے نکلا ہوا یہ جتھا مذہبی لگاؤ رکھتا بھی ہے' تو جیسا ہم اندازہ کرتے چلے آرہے ہیں کہ مذاہب تو ہمیشہ تحریفات کی زد پر رہے ہیں' اپنے عقیدے کو توڑ موڑ کر' تشدد کو بھی حق بجانب قرار دینا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ ان کو یہ کہنے میں دریغ نہیں ہوتا کہ اس عمل میں مرضیِ حق شامل ہے۔ یہ نیم ملا دشمنِ ایمان' جہالت اور بے فکرے پن سے ہٹ کر کچھ نہیں ہے۔

تشدد ان کی انا کو ہوا دیتا ہے اور ان میں آسودگی پیدا کرتا ہے۔ اس طرح ان خبطی لوگوں کو پرخطر راہ اختیار کرنے میں دریغ نہیں ہوتا۔ یہی وہ جتھا ہوتا ہے جو تخریب کاری کو جائز سمجھ کر وحشت گرد بن جاتا ہے اور جان کی بازی لگا کر خودکش حملہ کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہو جاتا ہے۔

اگر ہمیں قدرت کے پنہاں خزانوں سے استفادہ کرنا ہے' روح کو تازگی اور دل کو خوشی بخشنا ہے تو اپنے روحانی سرمائے کو جسے موقع پرستوں نے تاریکی کے حوالے کر دیا ہے' اس کی آب و تاب کے ساتھ دوبارہ نور میں واپس لانا ہوگا۔ شیر خواری چھوڑ کر بلوغیت میں قدم رکھنا ہوگا۔

اس وقت جس مصیبت میں مسلمان گرفتار ہے اس میں ''میں / انا'' بڑا پارٹ ادا کر رہی

ہے۔ یہ نفسیاتی طور پر ایک وبا ہے جو پوری انسانیت کو لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ اسلام انا کی طرف کبھی بھی دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ اسے شرک سے کم مقام نہیں دیتا۔

اگر مسلمان ہے تو اللہ کی بندگی ہے' اس کے حضور سجدہ ریزی ہے' برابری کے درجے پر انسان دوستی و خدمت گزاری ہے۔ اسلام لالچ وتکبر سے پاک دعوت الی اللہ' جہاد' پرخلوص انفاق و ایثار ہے۔ اس کا ریاکاری وایذ ارسانی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ جہاد' جدو جہد یعنی اسٹرگل ہے' جو ارتقائے انسانیت کے لئے ہر شعبۂ حیات کو جائز طور پر احاطہ کئے ہو' تا کہ اسکی بناء پر مجاہد دنیا و آخرت میں سرخ رو ہو سکے۔ جہادِ اکبر' قرآن وسنت واہل بیت کی ہدایات کی روشنی میں نفس امارہ کے خلاف محاذ آرائی اور خدمت انسانیت ہے' نہ کہ قتل انسانیت۔ یہی وسیلہ ہے رضائے الٰہی حاصل کرنے کا۔

> ''جو کسی نفس کو کسی نفس کے بدلے یا روئے زمین پر فساد کی سزا کے علاوہ قتل کر ڈالے گا اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے ایک نفس کو زندگی دے دی اس نے گویا سارے انسانوں کو زندگی دے دی۔'' مائدہ ۵:۳۲

اسلام حق وعدالت سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کرتا۔ جو کچھ بھی اس کی حدود سے باہر ہو ظلم کے دائرے میں آ کر سزا کا مستحق بن جاتا ہے۔

مغرب سے محاذ آرائی

القاعدہ کو اگر مغرب سے جنگ کرنا ہی ہے تو عقل کی شمع ہاتھ میں لے کر علم وحکمت کے میدان میں جہاد کرنا ہوگا۔ اسلئے اس رشتے سے ان کے مقابلے میں وہ صفر سے آگے کچھ نہیں ہیں۔ صدر جنرل مشرف نے ایک تقریر میں اس پر روشنی ڈالی تھی۔

ایک تخمینے کے مطابق مسلم ممالک میں ۴۳۰ یونیورسٹیاں ہیں' جبکہ فقط جاپان جیسے چھوٹے سے ملک میں ایک ہزار سے زیادہ یونیورسٹیاں ہیں۔ اسی طرح سارے عالمِ اسلام میں مجموعی طور پر ہر سال سائنس کے تقریباً ۵۰۰ پی' ایچ' ڈی تیار ہوتے ہیں' جبکہ اسی عرصے میں برطانیہ ایک ہزار سے زیادہ پی' ایچ' ڈی ملک کے دھارے میں رواں کر دیتا ہے۔ اسرائیل میں بغیر کسی تاخیر کے انکا ہر فرد اپنی صلاحیت کے مطابق پی' ایچ' ڈی کی سند حاصل کر لیا کرے گا۔ اسکی حکومت خود اس بار کو اپنے ذمے لے کر جلد اس ہدف کو پالے گی۔

کیا کوئی ایسا شعبہ ہے جس میں اسلام کو بدنام کرنے والے مسلمان فخر کر سکیں کہ ہم کو مغرب پر سبقت حاصل ہے۔ نہ علم و حکمت' نہ اخلاق' نہ پیسہ' نہ اسلحہ۔ البتہ دانشگاہوں کے بجائے لمبے چوڑے مدرسے جہاں فاقد از الٰہی علوم' حساب و سائنس و علومِ جہاں بانی' تعصب' جہالت پر مبنی پِس پھِسے کمانڈوز کی کھیپ پر کھیپ نکال کر تباہی کے حوالے کی جا رہی ہے۔ اپنے مد مقابل فرقوں کے افراد کو بے سمجھے بوجھے بے دریغ قتل کرنے کی تربیت دی جا رہی ہے' تاکہ خوف و ہراس مچا رہے اور حکومتیں دباؤ میں آ کر ان کے تابع رہیں۔

یہ حکمتِ عملی فقط ان کے دل کا بہلاوہ ہے۔ جن کو وہ دباؤ میں رکھنا چاہتے ہیں' اس وقت ان ہی کے نرغے میں آ پڑے ہیں۔ قصائی' قصائیوں کے چھروں کے نیچے بھینٹ چڑھے ہوئے ہیں۔

ان سر پھروں نے اسلام کو رزم گاہِ حیات سے جدا کر دیا ہے' مسلمانوں سے غور و فکر' عقل و فہم' حکمتِ اسلامی' تعصب سے پاک اخوت' عدل و انصاف' حلم و بردباری' راستی و حق پرستی' جس کی بنیاد اللہ کی کتاب اور (درست) سنتِ رسول ہے سے کام لینے کی صلاحیت چھین لی۔ اس کو اللہ سے بغاوت نہ کہیے تو کیا کہیے۔ یہ زمانہ کیوں دیکھے؟ کا ہے۔ ارشادِ ربی ہے:

''ہم نے پیدا نہیں کیا آسمان و زمین کو مگر حق پر۔'' ۴:۹

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ سیاست و اقتصاد و اخلاق کے معاملات مکمل طور پر صرف اللہ کے احکام کے مطابق ہی حل ہو سکتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ فطرت سے وابستہ ہیں۔ قرآن حکیم پہلی وہ کتاب ہے جس نے پوری صراحت کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ دین و ایمان' نظامِ تخلیق کے ساتھ یگانگت و اتحاد رکھتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

''حق پسندی کے ساتھ اپنے چہروں کو دین کی طرف رکھیں' باطل سے کنارہ کش رہیں کہ یہ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا اور خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔'' روم ۳۰:۳۰

جدیدیت

ہمارے سامنے ایک اور بڑا مسئلہ' جو ہمارے اور نوجوانوں کے اخلاق سے متعلق ہے' وہ جدیدیت کا مسئلہ ہے' جس میں بے انتہا کشش پائی جاتی ہے۔ جدیدیت حقیقت میں معاشرے کی ترقی کے لئے ایک اہم عنصر ہے' مگر آنکھ بند کر کے کسی راہ پر چلنے سے ٹھوکر ضرور لگتی ہے۔ بات جو پریشان کن ہے وہ مغربی جدیدیت ہے۔

پہلے ہم جدیدیت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں: زمانہ ہر لحہ رو بہ ترقی ہے۔ گزرا ہوا زمانہ مقابلتاً دورِ حاضر کے تقاضوں کو پورا نہیں کر پاتا۔ ترقی چونکہ ایک فطری روش ہے' لہٰذا جدیدیت کو قبول کر لیتی ہے۔ اس طرح جدیدیت ماضی کے اقتصادی' سیاسی' معاشرتی نظام میں تبدیلی و ترقی لے آنے کا نام ہے۔

مغرب اسے اپنی آزاد نظر سے دیکھتا ہے' جس میں مرد و زن کے جنسی معاملات کے ساتھ لا مذہبیت / سیکولرازم سے متعلق تہذیب و تمدن کو اولیت دیتا ہے۔۔ یعنی بر خلاف ہمیشہ قائم مذہبی اقدار کے ایسے نظریے کا قائل ہے جس میں انسان خود معاملات کی سچائی اور اس کی درستی کو متعین کرتا ہے۔ رہا مسلمان تو وہ بھی روحِ اسلام کا فہم نہ رکھنے کی بناء پر اسکی طرف للچائی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ بچے تو نا سمجھ ہوتے ہی ہیں' ان سے کیا گلہ ہو سکتا ہے۔ ان سے متعلق چند مسائل کا سر سری جائزہ :

جدید جنسی آزادی

مغربی جدیدیت انسانی صوابدید سے کام لیتی ہے۔ جب کہ انسان دور رس نگاہ کا مالک نہ ہونے کی بناء پر خطا کا پتلا ہے۔ مذہب کی بندشوں کو چھوڑ کر مادیت کو اپنانے کے بعد اسکے پاس اخلاق کی طرف نگاہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔ اس پر فرائڈ کے نظریۂ جنسیات نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اس جذبے کو اتنا بڑھایا گیا کہ اوڑھنا بچھونا بن گیا۔۔۔ دیو آزاد !

صدہا برس سے عورت ذات مرد کے دباؤ میں رہ کر بے چین تھی۔ دباؤ' برہمی و بغاوت کو دعوت دیتا ہے۔ جدید صنعتی نظام اسکے لئے آزادی کا پیغام لے کر آیا۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی قوت پا کر جوشِ بغاوت نے عورت کو بے لگام کر دیا۔ مرد نے اسکی نیش زدہ زبان سے نجات حاصل کرنے کے لئے راہِ فرار اختیار کی۔ خاندان بکھر گئے' سنگل ماؤں کی بھر مار ہو گئی' خاندان میں باپ کی غیر موجودگی بچوں کے ذہنی توازن پر اثر انداز ہوئی' جرائم کو افزونی ملی' قتل و غارت عام ہوئے' شادی کا ادارہ جان توڑ گیا' فرینڈ شپ بھی کامیاب نہ ہو سکی' لواطہ و ہم جنسی کی راہ کھلی۔ اب ذہنی اسٹرس ان کا ساتھی ہے۔

حضرت سلیمانؑ بلقیس کی پنڈلی کا عکس دیکھ کر ریجھ گئے تھے۔ حالِ حاضر جدھر نگاہ ڈالئے تا

عاقبت اندیش جدیدیت پسند عورت لخت ہے۔ مرد منھ کے بل گر نہ پڑتا تو کیا کرتا۔ ریپ اتنا عام ہوگیا کہ چرچ بھی اس سے نہ بچ سکا۔ اسکول وکالجوں میں کنڈوم مفت تقسیم ہونے لگے۔

ہائے رے مغرب! تو' تو جانوروں سے بھی بازی لے گیا!!

الامان والحفیظ کی صدا بلند کرنے والا بھی کوئی نہیں رہا۔ ایسے مناظر میں مسلم نوجوان اپنے دامن کیسے بچائے؟

اسلام کے دامن کو تھامے بغیر فلاح نہیں!!

جدید اقتصاد

آئی' ایم' ایف کے عنوان سے بات ہو چکی ہے۔ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مغربی سراغ رساں ادارے تیسری دنیا کے نوجوانوں کے نرم ذہن کو متعدد ماہرانا نفسیاتی طریقوں سے قابو میں لاکر ان ممالک کے مذہب و ثقافت کو مضحکہ خیز ثابت کرتے ہیں اور ان کو انہی کی حکومتوں کے خلاف تخریب کاری کی حد تک لا کھڑا کرتے ہیں۔ ہمسایہ ممالک میں بڑے شاطرانہ طور پر ایک دوسرے میں لڑائی پیدا کر کے سیکڑوں گنا زیادہ منافع پر اسلحہ بیچتے ہیں۔ مارکٹنگ کے نام سے اپنے تیار مال کی چمک دمک ٹی وی اور بڑے بڑے پوسٹرز پر نہایت ماہرانہ طور پر نمائش کر کے اپنے مال کی طرف رغبت پیدا کر دیتے ہیں اور اسے مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں۔ جبکہ اس ملک کا ان سے بہتر تیار شدہ سستا مال خارجی ایڈورٹائزنگ کمرشل کے آگے ماند پڑ جاتا ہے۔

امریکہ کی کویت کو پیشکش کہ اسکی فوجوں کو وہاں رکھا جائے' یہ پیشکش قبول نہ کرنے پر امریکہ نے صدام سے اس پر حملہ کروا کے توڑ پھوڑ کروایا' اسکے بعد اسکی تعمیر اپنی فرموں سے کروا کے اس خوشحال ملک کو اپنا مقروض بنا دیا۔ امان دینے کے بہانے اپنی فوجیں وہاں بٹھا دیں اور بھولے کویتیوں نے چوں بھی نہیں کی۔ سعودیہ بھی ان کی امان لیکر بے خطر جام پر جام چڑھائے چلا جا رہا

ہے اور مست ہے۔ انہیں عراق پر جب کوئی حملہ کرنیوالا نہیں ملا تو خود ہی حملہ کر کے تباہ کر دیا۔۔ قابض ہو گئے۔ اپنوں کو ٹھیکے دیکر تعمیر کروار ہے ہیں۔ یہ بھی قرضہ ہے جسکے بدلے بھوکے فقر زدہ عراقیوں کا تیل سالہا سال کوڑیوں کے بھاؤ اپنے یہاں ڈھوتے رہیں گے اور شاید ان پر چڑھایا گیا قرضہ کبھی بھی ادا نہ ہو پائے۔

چاروں طرف اقیانوسوں میں وائی کنگ نما جدید ترین طیارہ بردار جہاز جو جس کی لاٹھی اسکی بھینس کے مصداق ہے' گشت کرر ہے ہیں۔ یہ بالا دستیاں اصل نیو ورلڈ آرڈر کی غماز ہیں۔ غریب کی جیب پر ڈاکا ان کی ثقافت ہے۔ مسلمان کی اسلام سے ناواقفیت اور دوری انکا سر جھکائے ہوئے ہے۔

جدید سیاست

سعودیوں کی دولت خرچ کروا کے نافہم مسلمانوں کے ہاتھوں تخریب کاری کا جال چاروں طرف پھیلا دیا۔ اسکی مخصوص ٹریننگ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے لئے تھی جسے کامیابی سے ان کے ذریعے مسمار کروا کے اپنا ہاتھ تقریباً تین ہزار بیگناہ جانوں سے رنگ لیا۔ ان جاہل و بے حواس مسلمانوں کو جوان کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں ان کی ترقی یافتہ نفسیاتی چالوں کا علم نہیں کہ اس چال سے انھوں نے آسانی سے مسلم امۃ کو تخریب کار ثابت کر دیا۔

اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے دوست بنا کر کام نکال لینا اور اس کے بعد اسے نیست و نابود کر دینا' اس قسم کی کارگزاریاں ہمیشہ ان کی کامیاب سیاست کا حصہ رہی ہیں۔ اس کے ذریعے انھوں نے اپنے لئے کروسیڈ کا جواز پیدا کر لیا۔ اب گلوبل وار آن ٹرر' جس کا نشانہ مسلمان ہیں' ان کے لئے جائز ہو گئی۔ سارے مسلم ممالک کے تیل کی ترسیل کوڑیوں کے بھاؤ مغرب کا رخ اختیار کرے گی' بلکہ شروع ہو چکی ہے۔ لنکن کا قتل' حق پر تھا یا ناحق؟ اس نے فقط امریکی کالوں کو غلامی

سے نجات دلائی۔ اگر نام کا مسلمان بیدار نہ ہوا اور صحیح اسلام کی طرف راغب نہ ہوا تو غلامی کا طوق ہمیشہ کے لئے اس کے گلے کا ہار بنا رہے گا۔ اللہ کو تو انہوں نے راستے سے ہٹا ہی دیا ہے۔ کوئی دوسرا لنکن ان کی مدد کے لئے پیدا نہیں ہوگا۔

جدیدیت اور مسلمان

جدیدیت کو سمجھنے سے پہلے ہمارے لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس بات کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی کہ اسکی بابت فکر کی جائے؟ وجہ اسکی یہ ہے کہ مغرب کی چمک دمک نے مسلمانوں میں احساسِ کمتری پیدا کر دیا ہے۔ گنتی کے چند ہیں' جن کو اس سے پیدا ہونے والے نقصانات کا احساس ہو وہ بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں' کہ قسمت میں یہی لکھا تھا' وہ کیا کر سکتے ہیں۔

سارا مسئلہ قدامت پرستی اور جمود کا ہے۔ جو مسلمانوں پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ مسلط کرنے والے وہ تھے جو یہ چاہتے تھے کہ ان کے آباواجداد کا زمانہ جاہلیت دوبارہ وجود میں آجائے اور بھیڑ کے ریوڑ کو جدھر چاہیں ہنکاتے پھریں' جاہل عوام کو غلام بنا کر رکھیں۔

کسی ملت کو جمود میں مبتلا کرنے کے لئے اسکے مذہبی ارکان کو رسموں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ لوگ ان رسموں کو مذہبی فریضہ سمجھ کر اپنے کاندھوں پر لئے پھرتے ہیں۔ کبھی بھی یہ نہیں سوچتے کہ اسکی علت یا دلیل کیا ہے۔ جو آباواجداد کرتے چلے آئے تھے' وہ ان کے لئے فریضہ بنا رہتا ہے۔ اس حالت سے باہر آنے کے لئے علم و آگاہی کی ضرورت ہوتی ہے' جس کے لئے ملت تیار نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ مغربی جدیدیت نے ان کے یہاں فراوانی پیدا کر رکھی ہے' مگر چونکہ مذہب سے انھوں نے جان چھڑا لی ہے' جو اچھائی و برائی کی تمیز پیدا کرتا ہے' لہٰذا وہاں کا معاشرہ زوال پذیر ہے۔ وہ ہر قسم کی چھین جھپٹ' بداخلاقیوں' بدعنوانیوں اور مظالم میں مبتلا ہیں۔ اسکے دور

رس نتائج پر ان کی بھی نگاہ نہیں ہے۔

اس وقت ہمیں ایک مسموم و بیمار اسلام کا سامنا ہے۔ جس کا رب تربیت کرنے والا' ظاہر کرنے والا اور تدریجاً کمال کو پہنچانے والا ہے۔ مگر کیسی کایا پلٹ آن پڑی کہ اسکی ربانیت مسلمانوں پر اثر نہیں کر پا رہی ہے اور وہ ذلت کا شکار ہیں۔

ضرورت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اوراق اُلٹے جائیں' اسکے پیچ وخم کو پرکھا جائے' دیکھا جائے کہ کہاں کہاں اور کیسے اسلامی افکار پر چوٹ لگی ہے۔

ماضی کی غلطیوں میں قوموں کی تنزلی کے راز مضمر ہوتے ہیں۔ تاریخ کے خزانوں سے کچھ حاصل کرنا نہ فقط کامیابیوں اور فتوحات بلکہ سیاہ لمحات کی چھان بین ہے۔ تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں تو بخوبی نظر آئے گا کہ مسلم حکمراں سوائے چند کے ہوئی وہوس اور لہو ولعب کے غلام تھے وہ بقول قرآن حکیم فقط اسلام لائے تھے' اسلام پر ایمان نہیں لائے تھے۔

ان ہی ادوار میں وہ شخصیات جن کے کارنامے روز روشن کی طرح صاف وشفاف اور اللہ و رسول کی عین ہدایات کے مطابق تھے' جدیدیت ان کے قدم چوم رہی تھی' حکمرانی انکی محتاج تھی' انہیں حکمران بننے کی احتیاج نہ تھی' غاصب تخت نشیں حکمران اپنی بداعمالیوں کی بنا پر ان کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ حاسد ہو گئے۔ انہیں ان کی ایذا رسانیاں برداشت کرنا پڑیں' انہوں نے ان کے زندان کی کال کوٹھریوں میں زندگی گزاردی' قتل ہوئے' ان کے اموال و جائدادیں چھین لی گئیں' مگر ان کے اسلامی موقف میں سرمو برابر بھی سرپیچی نہ ہوئی' اسلئے کہ وہ سچی ہدایات کے سرچشمہ تھے' علم الہی کے پاسدار تھے۔ جس حالت میں رہے ہدایت پہنچاتے رہے۔ ہسٹری جو جھوٹ کا پٹارہ ہوتی ہے' ان کے اوصاف وحالات قلم بند کرنے سے قاصر رہی ۔صدام نے بھی اپنے مظالم پر پردہ ڈالنے اور مقبولیت کے لئے مکانوں میں استعمال ہونے والی اینٹوں میں اپنا نام ڈھلوا دیا تھا۔

طٰہٰ حسین نے کہا تھا کہ ہمیں چاہئے کہ اپنی تاریخ وادبیات ونوشتجات میں سے کچھ بھی قبول نہ کریں جب تک انکا پوری طرح امتحان نہ کرلیں۔!

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اکثر مسلم امہ فقط پسماندگی کا شکار نہیں بلکہ وہ مسلمان ہی نہیں رہی ہے۔ تحریفات قبول کر کے تعصبات میں جا پھنسی ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ہے۔ اللہ کی حاکمیت اس کے حلق سے اتری ہی نہیں۔ جب تک وہ جہالت کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گی اور سچی شخصیتوں کے دامن کو نہیں تھامے گی، علامہ اقبال کا سنہرا تعمیر نو کا خواب، خواب ہی رہے گا۔

ضرورت ہے کہ روشن فکر مسلمان تعصب سے دور ہو کر فرقہ بندیوں کا خاتمہ کر کے یکجا ہو جائیں، قرآن اور سچے ہادیوں کے افکار کی روشنی میں غلامی کے خلاف قیام کریں اور گہری منصوبہ بندی کر کے ایک سچا روبہ ترقی اسلامی معاشرہ وجود میں لائیں۔ استعمار کی غلامی سے جان چھڑانے کا بس یہی ایک طریقہ ہے۔

ناتوانی کے اسباب

اسلام نے مسلمانوں کو جو اسبابِ حرب دے رکھا ہے اس وقت وہ زنگ آلود ہے۔ نماز و روزہ، حج وخمس وزکات، امر بالمعروف، نہی عن المنکر وغیرہ بے روح پڑے ہیں۔ ہم ان کی طرف سے بے پرواہ ہیں۔ انہیں صیقل کئے بغیر ناکامی ہماری قسمت بنی رہے گی۔

گرہ میں باندھ لینے کی ضرورت ہے۔ ملا تحریفات کے لبادے میں ملبوس وہ مچھلی ہے جس نے سارے تالاب کو گندہ کر رکھا ہے۔ اسے جب تک مسلم صفوں سے باہر نہیں کیا جائے گا، مسلمانوں میں ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ جاری رہے گا۔ وہ مزید دلدل میں پھنستے چلے جائیں گے۔ گردن اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

مغرب کی طرح پادریوں سے زچ ہو کر چرچ سے کنارہ کشی ہم درست نہیں سمجھتے۔ مسجد سے متصل رہنا ہمارا فرض ہے، مگر فقط روشن فکر عالم کی سربراہی جو تعصب سے مبرا دینی و دنیوی علوم

کے اعلیٰ مدارج طے کیے ہو قبول کریں گے جس کی میلان طبع تنہا مادّی دنیا نہ ہو وہ حق کی سمجھ رکھتا ہو اس پر چلنے والا ہو۔

لا کھ ہماری خواہشات اور رجحانات کا ہدف یہی دنیا ہو لیکن ہماری اکثر و بیشتر آرزوئیں اور ذہنی توجہات کا سرچشمہ وہ دنیا ہے جو دنیوی طبعیات و مادّی میلانات کے دائرے سے باہر ہے۔

''کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا گیا کہ خبردار خدا کے بارے میں حق کے علاوہ کچھ نہ کہیں۔'' اعراف ۷:۱۶۹

اس آیت میں کتاب' کتاب الٰہی قرآن ہے۔ اس میں جو احکامات ہیں خدائی حکمت تخلیق یعنی فطرت پر مبنی ہیں جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے (روم ۳۰:۳۰) گویا کہ یہ عہد جس کا آیت میں تذکرہ ہے وہی فطری ہدایات ہیں جو انسان کے وجود میں ثبت ہیں۔ یعنی اسکی طبیعت یا رجحان میں یہ فطرت موجود ہے۔ جب انسان حق (قرآنی ہدایات) پر چلے گا اس کا طبیعی رجحان عملِ صالح انجام دینے میں معاون ثابت ہوگا۔

اللہ کی طرف سے اتنی عظیم امداد کی موجودگی کے باوجود ہم کیوں اس قابل نہیں ہو پا رہے کہ بطور ایک ملت کے اپنے آپ کو سنبھال لیں؟

''انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔'' ۴۹:۵۰

اس کا جواب قیامِ نماز سے سرچی ہے! جو سراپا نصیحت ہے اور جسے قدرت نے مسلمانوں کو حالتِ جمود و بے حسی سے نکال کر سچائی' اتحاد و امداد باہمی اور خدمتِ خلق کے لئے متحرک رکھنے کا عظیم وسیلہ بنا کر انسان کی جھولی میں ڈال دیا ہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ قیامِ نماز سے جو مقاصد وحکمت سربستہ ہیں اور جس قدرت وتوانائی کی وہ مالک ہے اُسے سمجھنے اور اس سے استفادہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اسے بغیر تفکّر وتعقل کے چند کلمات کی زبان سے ادائیگی کے ساتھ پوجا پاٹ جیسی شکل دے کرنا کارہ بنادیا۔ مسجدیں مندر معبد پارس واسرائیل بن گئیں۔ جہاں سے علم وہدایات اور فلاح انسانی کے لئے رضا کاری کے چشمے پھوٹتے تھے' اٹھک بیٹھک کی رسمیں ادا ہوتی ہیں اور لوگ گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں۔ نتیجے میں ہم اسکی قوت متحرکہ سے' جو ہمیں علم وسائنس وتحقیقات اور اختراع کے میدان میں اعلیٰ مقام پر اٹھا کر رکھتی (اس توانائی سے) محروم ہو گئے۔

''وہ کہیں گے ہم نماز گزار نہیں تھے۔'' ۴۳:۵۰

یہ بات ذہن نشیں رہنا ضروری ہے کہ اس دنیا میں کوئی چیز بغیر علت کے نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کمال کی سمت رواں دواں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس بناء پر قیام نماز جو بندے کو اعلیٰ وارفع مقام پر پہنچاتا ہے اس کی طرف سے بیش بہا عطیہ ہے۔ مگر جہالت کی بناء پر ہم کمال پستی کو تکامل سمجھ بیٹھے۔ ہمیں وقت ضائع کئے بغیر اپنا احتساب کرنا ہوگا کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے قیامِ نماز کو بروئے کار نہ لایا جا سکا؟؟ اور اسے دوبارہ بروئے کار لانے کیلئے کیا کرنا چاہئے۔ چونکہ یہ معاملہ عرصہ دراز سے نظر انداز ہے' چند جملوں میں پیش نہیں کیا جاسکتا' آئندہ ابواب میں اسے مطمح نظر رکھا گیا ہے۔

✿✿✿✿

باب۲

عبادت

بسمہ سبحانہ

عبادت

'' ہم نے جن وانس کو فقط عبادت کے لئے خلق کیا۔'' ذاریات ۵۱:۵٦

عبادت میں قیام کا کیا مقام ہے؟ وہ اسکی کس قدر مدد کرتی ہے؟ اللہ تعالی کے نزدیک عبادت کی کیا اہمیت ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو اکثر ذہن میں ابھرتے ہیں۔ ان کی وضاحت ضروری ہے تاکہ ہمیں اپنے اعمال کے لحاظ سے اپنے مقام کا اندازہ ہو سکے۔

عبادت' اللہ کی بغیر شرکت دیگرے انتہائی درجے کی فرمانبرداری و بندگی کا نام ہے۔ اسی مناسبت سے انسان کو عبد کہا گیا ہے' یعنی غلام۔ اسکی (اللہ تعالی) خلق کی ہوئی ساری کائنات اسی کی ملکیت ہے۔ علاوہ انسان کے دنیا کے تمام ذی روح' کائنات میں اعلیٰ ترین قدرت رکھنے والی ہستی کے جاری کردہ قوانین کے قطعی طور پر مطیع ہیں' اسکے ارادۂ خلاقیت کے تابع ہیں' اسکی مرضی کے خلاف پر بھی نہیں مار سکتے' چوں وچرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فقط انسان ہے جو شیطانی وسوسے کی بناء پر شک وشبہات میں پڑ کر غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔ سورہ الناس میں جو قرآن کا آخری سورہ ہے تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو شیطانی وسوسوں سے بچانے کے لئے اللہ سے پناہ مانگتا رہے' تاکہ اسکی ہدایات سے ہٹ کر زندگی بسر کرنے سے

باز رہے اور گناہان کبیرہ و صغیرہ میں مبتلا ہونے سے بچ جائے۔

اس دنیا میں انسان جن چیزوں کا مالک ہے (وہ دراصل اللہ کی ملکیت ہیں) اللہ کی طرف سے عطیہ یا اس بات کا بطور پیشگی اجر ہے کہ وہ اسکا مخلص بندہ بن کر دنیا میں زندگی بسر کرے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ بندہ اپنے مالک کی رضا کے لئے کام کرے' اپنی مرضی کو اسکے تابع کر دے' ہمہ وقت اسکی خوشنودی کی فکر میں رہے' اپنے آپ کو اسکے احکام کا پابند بنا کر رکھے۔ صرف وہی کام کرے جو اللہ تعالی کے احکام کے مطابق ہوں۔

"انسانوں تم سب اللہ کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ صاحب دولت اور قابلِ حمد و ثنا ہے۔" فاطر ۳۵:۱۵

"زمین و آسمان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اسکی بارگاہ میں بندہ بن کر حاضر ہونے والا نہ ہو۔" مریم ۱۹:۹۳

خداوندِ عالم انسان سے چاہتا ہے کہ اس کے ارادے اسکے (اللہ تعالی کے) ارادوں کے تابع ہوں' اسکے اعمال و افعال خدا کے اوامر و نواحی کے مطابق ہوں اور روئے زمین پر انسان کی پوری حیات خدا کی اس خلافت کی مظہر ہو جس کی ذمے داریوں کا بوجھ خدا انسانوں سے اٹھوانا چاہتا ہے۔

ایمان و عمل

عبادت شیطان کی بھی ہو سکتی ہے۔ انسان مجبور نہیں کہ غیر اللہ کی بندگی نہ کر سکے' ہر دور میں گنتی کے چند لوگوں کے سوا اکثر افراد عملاً شیطان ہی کو اپنا پیشوا بنائے رہے' حد یہ ہے کہ

مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتی ہے مگر شیطان کی غلامی میں مگن ہے' مقصد حیات کو فراموش کر کے کارہائے مادیت میں اس قدر مشغول ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹ کر زندگی بسر کر رہی ہے' انہیں معلوم ہی نہیں کہ اللہ پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے۔ آیئے قرآن اور حدیث کی روشنی میں اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ بہترین خلائق ہیں۔'' بینہ ۹۸:۷

''جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنت کے مالک ہوں گے۔''

بقرہ ۸۲:۲

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''ایمان قول و عمل (کے امتزاج) کا نام ہے' یہ دونوں شریک برادر ہیں۔''

غرر الحکم

فرمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''ایمان دل سے قبول کرنے' زبان سے تصدیق کرنے اور پھر اس پر عمل کرنے سے عبارت ہے۔'' الحیاۃ۔ ج ا۔ ص ۲۱۹

حضرت علی علیہ اسلام نے فرمایا: ''ایمان و عمل دو جڑواں بھائی ہیں اور ایسے ساتھی ہیں جو آپس میں جدا نہیں ہوتے' اللہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے کے بغیر قبول نہیں کرتا۔''

امام جعفر صادق علیہ اسلام فرماتے ہیں:

''پورا ایمان عمل سے عبارت ہے' ملعون ہے' ملعون ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ ایمان عمل کے بغیر قول کا نام ہے۔''

اوپر کی آیات اور احادیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عمل عبد کے لئے بنیادی شرط ہے' جس کے لئے صالح عمل اصل میزان ہے۔ صالح عمل کی بنیاد قرآن اور رسول کی ہدایات ہیں' ایسے ہی عمل کی بنیاد پر انسان اللہ سے قریب تر ہو کر اعلیٰ درجات حاصل کر سکتا ہے اور بے کھٹکے سکھ وچین کی زندگی بسر کر سکتا ہے' جبکہ عمل غیر صالح کے ذریعے پست تر ہو کر حیوانات کی سی زندگی بھی گزار سکتا ہے۔ جس میں پریشانیوں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں۔

عمل کی شرائط

عمل دو طرح کے ہوتے ہیں:

''ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق درجے (ملتے) ہیں' تیرا رب ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔'' انعام ۶:۱۳۲

صالح عمل کے لئے نیکی شرط اول ہے' بغیر اسکے عمل ناقص رہ جائے گا۔ امت مسلمہ کا غیروں کا غلام بن جانا کار نیک انجام نہ پانے کی وجہ سے ہے۔

تم نیکی کی منزل پر پہنچ نہیں سکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے راہ خدا میں انفاق نہ کرو۔'' آل عمران ۳:۹۲

''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے منہ کو مشرق و مغرب کی طرف کر لو بلکہ نیکی تو اسکی ہے جو اللہ' روز آخرت' فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اسکی محبت میں اپنا مال' قرابتداروں' یتیموں' مسکینوں' راہ ماندہ مسافروں' مانگنے والوں'

غلاموں پر خرچ کرے اور نماز قائم کرے زکات دے جب بھی عہد کرے اپنے عہد کی وفا کرے فقر وفاقہ رنج وسختی کے وقت ثابت قدم رہے یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔'' بقرہ ۲: ۱۷۷

دنیا کے تمام مذاہب میں عبادت کے نام سے بعض مخصوص مراسم پائے جاتے ہیں' مگر دین اسلام میں عبادت رسم نہیں ہے۔ یہاں خوش گوار زندگی گزارنا منع نہیں ہے' مگر یہ کہ اس میں خوشنودئ خدا کو مقدم رکھا جائے۔ ایسی زندگی عبادت بن جاتی ہے۔ اسکے (اسلام کے) اصول و فروع وہ مقررات ہیں جو اعمال صالح کا احاطہ کئے ہوئے ہیں' ان میں سے ہر ایک لا متناہی وسعت و گہرائی کا مالک ہے۔ اصول وعقائد کا کام ہی یہ ہے کہ حیاتِ انسانی میں صالح عمل کے لئے محرک کا کام کریں اور اسی تحریکِ عمل کی بناء پر وسیلۂ نجات بن جائیں۔ ہر مسلمان کے لئے ان پر عمل پیرا ہونا واجب ہے۔ تمام کے تمام یہ عمل صالح سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہو کر انسان دنیوی مصیبتوں سے بچا رہتا ہے۔

قیامِ نماز کو' جو پورے قرآن واحادیث رسول کا احاطہ کئے ہے' اسلامی واجبات میں سب سے بڑا درجہ دیا گیا ہے' وہ اس عظمت وخوبی کے ساتھ طرح دی گئی ہے کہ انسان کے اعمال کو صالح راہوں پر قائم رکھ کر انسانیت کو فروغ دے' اسلام کا پرچم بردار بنا کر رکھے اور اصل عبادت یعنی حصول خشنودئ خدا کا موجب بن جائے' یہی دراصل مقصود مومن ہے۔

'' اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو' میں اس کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔'' ہود ۱۱: ۲

حقیقت یہ ہے کہ مخلوق کے وجود کا ہدف خدا کی ذات ہے' عبادت ہدف نہیں

بلکہ ہدف تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔

''خدا کے سوا کوئی معبود نہیں' نری کھری اسی کی عبادت کرو اور اسی سے دعا مانگو۔'' مومن ۴۰: ۶۵

''ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔'' ق ۵۰: ۱۶

عبادت اصل میں اللہ سے محبت ہے اور اسکے حضور رکوع وسجدہ بجالانا اسکی طرف متوجہ رہ کر اسکا فرمانبردار بنا رہنا ہے' خود پرستی سے اپنے آپ کو دور کر کے خدا پرستی پر قائم رکھنا ہے۔

یہ ایک طرح کا امتحان عبدیت ہے' انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرے کہ کیا اسکے اعمال بندگیٔ خدا کی عکاسی کرتے ہیں یا نہیں۔

قول مولائے کائنات ہے:

''اپنے نفس کا محاسبہ کرو قبل اسکے کہ تمھارا حساب کیا جائے۔''

قرآن:

''جو شخص اپنے پروردگار کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہئے کہ عمل صالح کرے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ بنائے۔'' ۱۱۰ :۱۸

اللہ کی عبادت میں اتباع محمد وآل محمد شرط ہے کہ انہوں نے قرآن پر مبنی جو کتاب ہدایت و حکمت ہے عملاً عبادت کا طریقہ بتادیا ہے۔

''یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم بنائی گئی ہیں اور ایک صاحب علم وحکمت کی

طرف سے تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔'' ہود۱۱:۱

جناب امیر علیہ السلام کے ملفوظات میں ہے:

''ایمانِ کامل عمل سے پیدا ہوتا ہے۔''

اسلئے ضروری ہے کہ اعمال کی بجا آوری میں ایمان کا سہارا لیا جائے' سستی و کاہل انگاری سے ایمان ناقص رہ جاتا ہے' ایمان کی بابت علم حاصل کیا جائے' بزرگ علماء سے جو ایمان کی حقیقتوں سے واقف ہیں استفادہ کیا جائے۔ قرآن و دین کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں کا مستقل مطالعہ اشد ضروری ہے' اسکی عادت ڈالی جائے تا کہ ان کی طرف متوجہ رہ کر اعمال کو سالم حالت میں رکھا جا سکے۔

(علمائے کرام کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ روشن فکر اصحاب کو اعتماد میں لیکر ایسے منصوبے بنائیں جن پر چل کر عوام اعمال صالح اختیار کر سکیں۔ دنیا بڑی تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہے' تعلیم و تدریس کے جدید اور موثر طریقے بروئے کار لائے جا رہے ہیں' ہمارے یہاں یہ امر التوا میں پڑا ہوا ہے' بلکہ پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ موجودہ دور اس کام کے لئے نہایت مناسب ہے' اس سے استفادہ بڑی اہمیت کا حامل ہے)

اس سلسلے میں جب ذکر کرے تو قلب کو باری تعالیٰ کے اسماء و صفات کی طرف متوجہ کرے اپنے اعمال کو انکے ذریعے پاکیزہ بنائے' زمین و آسمان میں اسکی خلق کی ہوئی چیزوں میں جو حکمت کاملہ جاری و ساری ہے' اُس پر غور کرے اور توجہ سے کام لے کہ اسکی تخلیق کی ہوئی ہر شئے کس قدر پر عظمت ہے اور اس کی صناعی میں کتنا توازن اور حسن و تدبیر ہے' نظر دوڑائے، ذہن کے پردے پر انہیں منعکس کرے۔ اعمالِ صالح کی اس قدر تکرار کرے کہ وہ عادت میں شامل ہو جائیں اور ان سے ایمانی و روحانی قوت حاصل کرے'

انہیں اس قدر مداومت دے کہ اسکے اثرات نفس پر نقش ہو کر محکم ہو جائیں' کہ ان سے رو گردانی نہ ہونے پائے۔

کلی طور پر انسان کے لئے ضروری ہے کہ غور وفکر کے ساتھ اپنے اعمال کو تنقید کی نگاہ سے دیکھتا رہے۔ تنقید سے مراد حقیقتوں کی بنیاد پر اعمال کو پرکھنا' مسائل کی وجوہات پر نگاہ رکھنا تا کہ کھرے وکھوٹے کا فرق نمایاں ہو جائے۔ آنکھ بند کر کے کسی بات کے آگے سراپا تسلیم نہ ہو جائے' تجزیہ لازم ہے۔ یاد رہے کہ کسوٹی فقط قرآن وسنتِ رسولؐ ہے۔ سنت سے متعلق فقط وہ احادیث جو رسول کی آلِ پاک کے ذریعے ہم تک پہنچی ہوں اور قرآن کے افکار سے مطابقت رکھتی ہوں۔

عبادت و پرستشِ الٰہی کے سلسلے میں ہمیں اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ انسان ان کے دوران اپنی باطنی توجہات کو اس حقیقت کی طرف مبذول کرتا ہے جو اس کا پیدا کرنے والا اور رازق ہے اور اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے' جس کے قبضۂ قدرت میں اسکی جان ہے۔ جلد ہی اسے قبر میں اتر جانا ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ اللہ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔

> ''ہم عنقریب اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور خود ان کے باطن میں انھیں دکھادیں گے' تا کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہی حق ہے' کیا تمہارا پروردگار کافی نہیں ہے؟ جبکہ وہ ہر چیز پر شہید ہے' یہ لوگ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے کے بارے میں شک کرتے ہیں' وہ یقیناً ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔'' القرآن

اللہ کو حاضر و ناظر جانے بغیر اسکی طرف متوجہ رہنا آسان نہیں' اسلئے ذہن میں یہ بات رکھنا ضروری ہے کہ اللہ کی ذات ہر شئے پر محیط ہے۔ یعنی اسکے بغیر کوئی چیز نہیں' ہم اپنے اطراف جن چیزوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں اُس کی ذات اُن سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ گویا ہم ذاتِ باری کا

مشاہدہ کر رہے ہیں۔ دعائے یومِ عرفہ میں امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''کیا تیرے سوا کوئی ایسا ظہور اور جلوہ رکھتا ہے کہ تجھے ظہور دے اور تیری دلیل ہو' اندھی ہے وہ آنکھ جو تجھے اپنا شاہد نہ سمجھے اور نقصان دہ ہے وہ عشق جسے تو نے اپنی محبت سے بہرہ مند قرار نہ دیا ہو۔'' از دعائے روزِ عرفہ

عشق کے عوامل کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ محبت میں انسان جو کچھ کرتا ہے معشوق کی خاطر ہوتا ہے' اسے جو کچھ پسند اسے پسند اور اسے جو ناپسند اس سے اسے نفرت' وہ اسی کی خواہشات کو ہمیشہ منظورِ نظر رکھتا ہے' اس طرح حصولِ خوشنودیٔ خدا میں وہ اللہ کی خواہشات کا اپنے کو پابند بنالیتا ہے' جس کے نتیجے میں وہ برائیوں سے کنارہ کش رہتا ہے۔ اسی لئے عرفاء کا نعرہ تھا'' جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے۔''

''اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور اسکے رسولؐ پر ایمان لاؤ تا کہ خدا تمھیں ایک ایسا نور عطا کرے جس کی روشنی میں تم چل سکو۔'' (خلاصہ) حدید ۵۷:۲۸

''ان لوگوں جیسے نہ ہو جو خدا کو بھلا بیٹھے ہیں اور خدا نے بھی انھیں ایسا کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو بھول گئے اور وہ لوگ خود بدکردار ہیں۔'' حشر ۵۹:۱۹

اللہ کو بھلا دینے سے مراد قرآن اور اسکے بھیجے ہوئے پاک و پاکیزہ ہدایت دہندہ بندوں کی ہدایات پر عمل پیرا نہ ہونا ہے اور اللہ سے عشق ان دونوں سے تمسک ہے۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا احتساب کرتا رہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ سے دور تو نہیں ہو گیا' غلط راہ پر تو نہیں پڑ گیا کہ عاقبت خطرے میں جا پڑے؟

اس وقت ساری دنیا میں جو بے چینی سی پھیلی ہوئی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ انسان کی باطنی (ضمیر جو انسان کو پاکبازی کی طرف رجوع رکھتا ہے) توانائیاں کمزوری کا شکار ہیں' انسانوں میں جو نفسیاتی بیماریاں بڑھتی جا رہی ہیں ان کا بھی یہی سبب ہے کہ انسانوں نے اللہ کی پرستش سے (اعمالِ صالح جو خوشنودیٔ خدا کا باعث بنتے ہیں) منھ موڑلیا ہے'اس سے بیگانہ ہو گئے ہیں۔ طاغوت کی فرمانبرداری فطرتِ انسانی کے خلاف اعمال میں مبتلا کر دیتی ہے' حق و باطل کا ٹکراؤ ذہنی تناؤ میں نتیجہ خیز ہوتا ہے۔

عبادت سے مربوط اہم نکات

عبادت میں اللہ کی معرفت نہایت اہم ہے' حصولِ علم' غور و فکر اور عملِ صالح کے ہمراہ اگر انسان اسکی طرف بڑھتا رہے' اسکی معرفت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ دیگر علوم کے ساتھ اصل علم علمِ دین ہے جو انہیں ناقص ہونے سے بچا کر رکھتا ہے اور اسی کے ذریعے آخرت بخیر ہو سکتی ہے۔

''بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں۔''

حدید ۵۷:۲۵

جناب امیر علیہ اسلام نے فرمایا ہے کہ ایمان باللہ کے بعد نماز سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

یہاں اہم بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت کا دورہ' اسکے مفاہیم کو سمجھ کر' پورے غور وفکر کے ساتھ اسکے عملی پہلو پر خصوصی طور پر دھیان رکھ کر ہمیشہ جاری رہنا چاہئے۔ اسلئے کہ نماز اختصار کے ساتھ بطور خلاصہ پڑھی جاتی ہے۔ جیسے سورہ حمد نچوڑ ہے پورے قرآن کا۔ اس طرح

قرآن پر محیط علم اسکی تکمیل کا کام کرتا ہے۔

یہ عمل حضورِ قلب پیدا کر کے نماز کی قدر و منزلت بڑھا دیتا ہے اور اسکے عملی پہلو کو ہمارے دل پر نقش کر دیتا ہے' جو ہمارے عمل پر اثر انداز ہو کر ہمیں اعمال صالح انجام دینے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ ایسی ہی نماز مجموعاً قیام برائے فلاح انسانیت کی معاون بنتی ہے۔ جو نماز قیام کی طرف راغب نہ کر سکے بے جان ہے۔ نماز کا مقصد انسان کو انصاف کے ساتھ قیام کی طرف مائل بہ ترقی رکھنا ہے' جو اصل عبادت ہے۔ یہ عمل قربِ الٰہی کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ مندرجہ بالا آیت (حدید: ۲۵) اسی امر کی نشاندہی کر رہی ہے۔

قربِ الٰہی' یہ ایک نہایت اہم امر ہے۔ اس سے انسان کا مجسم طور پر اپنے پورے نفس کے ساتھ اللہ کے قریب رہنا' ہر وقت و ہر حالت میں' سوتے جاگتے اللہ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق عمل پیرا رہنا ہے' جو پر سکون اور منافع بخش زندگی کی ضمانت ہے' ماخذِ عبادت ہے اور خوشنودیٔ خدا ہے۔ یہ علم و دانش اور فکر کے ساتھ عملِ غیر صالح سے بچ کر حاصل ہوتا ہے۔ ایک کل وقتی مشغولیت ہے' جس میں دنیوی زندگی سے متعلق ہر کاروبار شامل ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ کام صالح ہوں' ان میں طاغوت کا عمل دخل نہ ہو۔

فقہاء کے مطابق ہر وہ عمل جسے انسان خشنودیٔ خدا اور اس سے تقرب کی نیت سے انجام دے عبادت ہے۔

طلبِ علم عبادت ہے۔ اسکی لگن ہونی چاہیئے۔ علم بڑھنے کے ساتھ ساتھ عقل بھی بڑھتی ہے۔ اسی کے ذریعے تقویٰ اور معرفتِ خدا حاصل ہوتی ہے اور جنت کی راہ کھلتی ہے۔

شیطانِ رجیم کی شیطنت سے بچنے کے لئے اللہ سے پناہ مانگتے رہنا چاہیئے۔ اس سے نفرت کرنا چاہیئے۔ شیطان سے نفرت کے معنی اپنے آپ کو برائیوں سے بچانے کی بھرپور خواہش ہے۔

ہمہ وقت خدا کی حمد و ثناء کرتے رہنا کہ کسی بھی صورت اسکی شکر گزاری ممکن نہیں۔ شکر گزاری منکسر المزاجی پیدا کرتی ہے' انسان کو کبر و نخوت' غرور و گھمنڈ سے بچاتی ہے۔ خدا کی حمد

کرنے والا کبھی کسی انسان کو اپنے سے کم تر نہیں سمجھتا اور اس طرح اپنے کو بڑا سمجھ کر دوسروں کو مطیع و محکوم بنانے کے ظلم سے بچا رہتا ہے۔

حمد اللہ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہو سکتی۔ دنیا کی ہر چیز بمع انسان اسی کی حکمت کاملہ کا نتیجہ ہے۔ اگر انسان کو اپنی محنت اور فہم و شعور سے کچھ حاصل ہو تب بھی اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے سامنے سر جھکا دے اور شکر ادا کرے کہ: اے مالک! یہ تیری ہی عطا کا نتیجہ ہے۔ میں نے تیرے دیئے ہوئی علم و دانش اور فہم و حکمت کے ذریعے اور اس عالم میں جو نظم تو نے جاری کیا ہے اس پر چل کر خدمت خلق کی ایک کوشش کی ہے، جس کی توفیق مجھے تیری ہی مدد سے حاصل ہوئی، تیرا مشکور ہوں مجھے اس سمت بہتر کارگزاری کا موقع عطا فرما۔

اگر کسی کے ذہن میں یہ نہ ہو کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، تو اسکے لئے یہ کہنا درست نہیں کہ کیا خوب فلسفی، دانشور، مالدار یا خوبصورت جوان ہے۔ دراصل یہ خوبیاں اسی کی طرف سے عطیہ ہیں، وہ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے، مگر کوئی بات اس کی حکمت کاملہ اور کائنات کو دیئے ہوئے اس کے نظم سے ہٹ کر نہیں ہے۔ اس عطیے کے ساتھ اس کی آزمائش بھی ہے، کہ آیا وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق ان سے کام لیتا ہے؟ اللہ کے اوامر و نواہی پر ثابت قدم رہتا ہے؟ یوم حساب پر جواب دہ ہوگا۔

ایک شخص اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یا جناب امیر علیہ السلام کی شان میں قصیدہ کہتا ہے اور یہ سمجھ کر کہتا ہے کہ ان کی شان جلوۂ خدائے بزرگ ہے اور وہ تعریف برائے خدا ہے تو اس طرح وہ اپنے آپ کو شرک سے بچا لیتا ہے (از مکاتب آیت اللہ خمینیؒ)

جس زمانے میں اللہ کی طرف سے فراوانی عطا ہو، اس زمانے میں کمیابی کے زمانے کو یاد رکھ کر انحصار سے کام لینا، بچی ہوئی آمدنی سے مستحقین کی ہمیشہ اور ہر حالت میں بغیر احسان جتائے امداد کرتے رہنا، ان کے ساتھ فراخ دلی اور فیاضی سے پیش آنا، انہیں اپنے پر مقدم جاننا۔ امداد ایسی ہو کہ وہ اپنے پیروں پر خود کھڑے ہو جائیں۔

امام حسین علیہ اسلام نے فوج یزید سے فرمایا تھا کہ تم پر میری نصیحتوں کا اثر اسلئے نہیں ہو رہا ہے کہ تمھارے پیٹ مال حرام سے بھرے ہوئے ہیں۔

گرہ میں باندھ لینے کی بات یہ ہے کہ مال حرام کو اپنے تصرف میں نہ لایا جائے' اسلئے کہ وہ دوسروں کا حق تھا جو ان سے چھین لیا گیا۔ دین اسلام کو قبول کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے قوانین و ہدایات کو مکمل طور پر اختیار کیا جائے۔ ایسا نہیں ہے کہ اپنے مفاد کے تحت کچھ طاغوت سے اور کچھ اسلام سے لے لیا جائے۔ مندرجہ ذیل چند ہدایات ہماری رہنمائی کرتی ہیں:

☆ ۔۔ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی بزرگی اپنے اوپر طاری رکھنا۔ (خوف خدا)

☆ ۔۔ سختی کے ایام میں صبر سے کام لینا۔ سختی کو تحلیل کر دیتا ہے اور آسانی کی راہیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تحمل اور فروگزاشت سے کام لینا' دوسروں کی غلطی کو دل سے معاف کر دینا' اپنی غلطی پر بلا تاخیر معافی مانگ لینا۔ غلطی کی نشاندہی کرنے والے کا شکر گزار ہونا۔ یہ اس کے ذریعے اصلاح کی ایک صورت پیدا ہوتی ہے۔

☆ ۔۔ معاشرے کی اصلاح کے لئے مشترکہ (باہمی مدد سے) اقدام کرنا۔ (قیام)

☆ ۔۔ اللہ کے دیئے پر راضی رہنا۔ اس پر قناعت کیساتھ ترقی کی راہوں پر گامزن رہنا۔

☆ ۔۔ پرہیزگاری سے کام لینا۔ (مخالفتِ نفس)

☆ ۔۔ اپنی موجودہ حالت میں بہتری کی کوشش جاری رکھنا۔ تاکہ مستحقین کی اعانت کا سلسلہ بھی قائم رہے۔ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھنا کہ وہ احساسِ کمتری کا شکار نہ ہونے پائیں' ان کی آنکھیں نیچی نہ رہیں۔ یہ عمل خود کو بھی تمکنت میں مبتلا ہونے سے بچا لیتا ہے۔

☆ ۔۔ جذبۂ انتقام سے اپنے آپ کو بچانا۔

☆ ۔۔ باطل کو مٹانے اور حق کو بروئے کار رکھنے میں خوشی محسوس کرنا۔

☆ ۔۔ ان لوگوں جیسے نہ ہو جو خدا کو بھلا بیٹھے ہیں۔ حشر ۱۹:۵۹

☆ ۔۔اے ایمان والو! تمہیں چاہئے کہ اپنے آپ کو پالو جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی گمراہ ہونے والا تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مائدہ ۵: ۱۰۵ (پالو سے مراد پہچان لو ہے ۔یہاں جناب امیرؑ کا مشہور قول: جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا صادق آتا ہے)

☆ ۔۔موت کو ہمیشہ کو نگاہ میں رکھنا غیر موزوں خواہشات سے بچا کر رکھتا ہے۔

☆ ۔۔عزت نفس کو برقرار رکھنا عبادت کا اہم تقاضا ہے' جس میں ظالم کے ظلم کو اپنے اوپر وارد نہ ہونے دینا لازم ہے۔ مسلمانوں میں اختلاف استکبار کی ضرورت وایجاد ہے۔ لا الہ الا اللہ ومحمد ارسول اللہ سارے مسلم فرقوں میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر غور وفکر سے کام لیا جائے تو یہی اختلافات کو مٹانے کے لئے کافی ہے۔ صرف خلوص نیت کی ضرورت ہے۔ حق وسچائی کو مشعل راہ بنالینا مستکبر کے پیر اکھاڑ دینے کے لئے کافی ہے۔ فقط ملا کی قربت سے اجتناب ضروری ہے کہ وہ تعصب میں عوام کو مبتلا کر کے تفرقہ پیدا کر دینے میں ماہر ہے۔

☆ ۔۔احکام شریعت سے ہٹ کر کوئی کام نہ کرنا۔

☆ ۔۔جو کتاب خدا اور کلام پیغمبر کو ترک کر دیتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اصول کافی

☆ ۔۔آپ میرے ایماندار بندوں سے کہہ دیں کہ نماز قائم کریں اور ہمارے رزق میں سے خفیہ واعلانیہ ہماری راہ میں انفاق کریں' قبل اسکے کہ وہ دن آجائے جب نہ تجارت کام آئے گی نہ دوستی۔ مریم ۱۹: ۳۱

حضورِ قلب

نماز میں حضورِ قلب اشد ضروری ہے' جسے عام طور پر اہمیت نہیں دی جاتی۔ کہہ دیا جاتا ہے کہ نماز پڑھ لینے کا حکم ہے' اسی سے اللہ کی فرمانبرداری ہو جاتی ہے' ثواب اسی کا ہے' ہم نے نماز پڑھ لی یہی کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ کتنا بھی اسکی طرف توجہ رکھنے کی کوشش کریں توجہ قائم نہیں رہتی۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو غور طلب ہے' اسلئے کہ قیامِ نماز جیسا کہ الفاظ کی ساخت سے ظاہر ہے بے مقصد نہیں بلکہ اپنے وجود میں تحریک و انقلاب سمیٹے ہوئے ہے اور اعلیٰ مقاصد کا حامل ہے' بے معنی رسم نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ضرورت ہے کہ نمازی جو کلمات لبوں سے جاری کرے' اُنھیں ہر پہلو سے سمجھے۔ خالی کلمات کا منہ سے جاری کرنا ذہن کو آزاد چھوڑ دینا ہے' ذہن کبھی بھی خالی نہیں رہ سکتا' وہ ہمیشہ کسی نہ کسی سوچ میں مشغول رہتا ہے' جب اسے کوئی مواد سوچنے کے لئے دیا جاتا ہے تو وہ جو کچھ اس کی یادداشت میں موجود ہے اس کی حدود میں غور و فکر کرنے لگ جاتا ہے۔

اسے اگر آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنے لئے کوئی نہ کوئی فکر تلاش کر لیتا ہے' خالی نہیں رہتا۔ جب ہم کسی جملے کو اسکے معنی و مقصد سمجھے بغیر زبان سے جاری کرتے ہیں ذہن کو کوئی فکر نہیں دے پاتے تو آزاد ہو کر وہ کسی نہ کسی فکر میں لگ جاتا ہے اور اس جملے کی ادائیگی کارِ عبث بن جاتی ہے' اس سے جو مقصد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے حاصل نہیں ہو پاتا۔

سادہ الفاظ میں ذہن دماغ کے فکر کرنے اور جسم کو احکام جاری کرنے کی قوت ہے!!

مان لیجئے کہ ہم اٹھ کر کھڑا ہونا چاہتے ہیں' جیسے ہی یہ جذبہ ہمارے ذہن میں پیدا ہوتا ہے ہمارا دماغ متعلقہ پٹھوں اور شریانوں کو اپنے دقیق نظام کے ذریعے حکم پہنچا دیتا ہے اور وہ اعضاء تیزی سے حرکت میں آ کر اپنا کام انجام دے دیتے ہیں۔ اصلاً رابطے کا کام جذبات ہی کرتے

ہیں۔

اس طرح نماز میں حضورِ قلب کے لئے ضروری ہے کہ جو کلمات بھی ہم اپنے منہ سے ادا کریں ان کے معنی و مقاصد کو سمجھتے ہوں۔تا کہ ہمارے ذہن میں ان سے متعلق مناسب حرکت دہندہ جذبات پیدا ہوں اور ان کلمات کے مقاصد پر عمل پیرا ہونے میں معاون ثابت ہوں۔حضورِ قلب کو حاضر دماغی بھی کہا جا سکتا ہے۔اسکے لئے پرسکون رہنا ضروری ہے' اسلئے کہ جب ذہن انتشار کی حالت میں ہوتا ہے تو قلب میں یکسوئی پیدا نہیں ہو پاتی اور ہم ذہن کو کسی ایک نقطے یا فکر پر مرکوز نہیں کر پاتے' اسی لئے حکم ہے کہ نماز سکون (ریلیکسڈ) کی حالت میں پڑھی جائے۔

اگر دنیوی افکار نے ذہن کو انتشار کی حالت میں مبتلا کر رکھا ہے' تو ان سے دوری اختیار کی جائے۔اپنے آپ سے کہہ لیا جائے کہ فی الحال ان افکار کو ذہن سے خارج کرتے ہیں نماز کے بعد اس پر غور کریں گے۔اسی لئے نماز شروع کرنے سے پہلے غور و فکر کے ساتھ اعوذ باللہ..... کہنا ضروری قرار پایا ہے' کیونکہ شیطان انسانی نفس میں فتور ڈال کر انتشار پیدا کرتا ہے (انسان کا ہر غیر فطری عمل شیطانی عمل ہوتا ہے) مگر جب انسان اللہ کو بزرگ جان کر پناہ مانگتا ہے' اسکی بزرگی کے سامنے اسے ہر چیز ہیچ نظر آتی ہے اور وہ مسائل جنہوں نے اسکے ذہن میں انتشار پیدا کر رکھا تھا اپنی راہ لیتے ہیں۔اس طرح اللہ کی پناہ ذہنی سکون عطا کر دیتی ہے۔

بابِ کلماتِ نماز میں ہم دیکھیں گے کہ یہ کلمات سارے کے سارے صالح عمل اختیار کرنے کے لئے ہیں۔اسلئے ہمیں اپنے جذبات کو خلوص و دلبستگی کے ساتھ دماغ کو تحریک دینے والی روش میں ڈالنا ہوگا (جس کی حکمت پر ہم اس سے قبل گفتگو کر چکے ہیں) یعنی صالح عمل کی دستیابی کے لئے ہمیں گڑگڑا کر اللہ سے رجوع کرنا ہوگا۔ جتنا زیادہ ہمارے جذبات ابھرے ہوئے ہوں گے دماغ کے اس عمل میں اسی قدر سرعت و استحکام پیدا ہوگا' جو ہمیں کلمات کے مقاصد پر عمل پیرا کر دے گا۔اسی لئے نماز میں حضورِ قلب کے لئے خشوع و خضوع نہایت اہم ہے۔یہی وہ طریقہ ہے جو نماز میں قلب کو حاضر رکھتا ہے اور ہمیں اچھے اعمال کا مالک بنا دیتا ہے۔

''بھلا وہ کون ہے جو مضطر کی فریاد کو سنتا ہے جب وہ اسکو آواز دیتا ہے اور اسکی مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔'' نمل ۶۲:۲۷

امام سجاد علیہ اسلام کے طرز کی دعاؤں سے استفادہ مفید ثابت ہوگا۔ صحیفۂ سجادیہ میں درج ان کی دعاؤں نے خشوع وخضوع کے ذریعے عبد ومعبود میں رابطے کی راہ روشن کر دی ہے۔

بچوں کی تربیت اور عبادت

والدین پر اولاد کو دین کے مطابق تربیت دینا فرض ہے۔ اچھی (اللہ کی ہدایات پر مبنی) تربیت ہی انہیں بااخلاق اور صالح بنا سکتی ہے۔ بچوں کی تربیت میں عبادت الٰہی اہم مقام رکھتی ہے' اسے التوا میں نہیں چھوڑنا چاہئے کہ سمجھدار ہو کر خود ہی عبادت کرنا سیکھ لینگے۔ تربیت ایک وسیع موضوع ہے جو دن بدن ترقی کرتا جا رہا ہے' ماں باپ پر لازم ہے کہ اس موضوع پر لکھی ہوئی تازہ ترین کتابوں کا مطالعہ کر کے استفادہ کرتے رہیں۔

یہ والدین کی ذمے داری ہے کہ دوسرے شعبہ ہائے علم کے ساتھ ساتھ علمِ دین پر عبور حاصل کر کے تقویٰ اپنائیں۔ بچے چونکہ بیشتر ماں باپ کے اعمال کی نقل کرتے ہیں' لہٰذا اس طرح انہیں متقی بنانے میں آسانی ہوگی۔

اسکی ضرورت اسلئے اور بھی ہے کہ موجودہ نوجوان نسل اکثر شیطانی عمل کی چمک دمک میں جا پھنستی ہے۔ عمر کے اس موڑ پر انہیں تقویٰ کا درس دینا مشکل بات ہوتی ہے۔

بچوں کا دماغ ان کی نہایت کم عمری بلکہ پیدا ہوتے ہی تیزی سے کام شروع کر دیتا ہے اور اپنے اطراف لوگوں کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ اس کا ہر مشاہدہ اسکی یادداشت کا جزو بنتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ نومولود جب ہمیں دیکھتا ہے کہ ہم دین کے مطابق اپنے اعمال بجالاتے ہیں' شستہ اخلاق کے مالک ہیں' فخر وتکبر' غصہ وجھلاہٹ' ظلم وتعدی' لالچ وفریب سے کنارہ کش

ہیں' مستحقین کی امداد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں' دوسروں کے ساتھ برتاؤ میں حسن سلوک کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے' تو یہ مشاہدات بچے کے لئے پتھر کی لکیر بن کر اسکی آئندہ زندگی کیلئے رہنما بن جاتے ہیں۔

یہ بات اشد ضروری ہے کہ بچوں کو ان کی صلاحیت کے مطابق اعلیٰ ترین تعلیم دلائی جائے تا کہ وہ انسانیت کی بہبود کے لئے تحقیقات میں ترقی کرتے رہیں۔ ساتھ ہی علم دین سے انہیں اس طرح مزین کیا جائے کہ اسلام ان کے رگ و پے میں جاری و ساری ہو جائے' بصورت دیگر ان کے بھٹک جانے کا قوی احتمال ہے۔

بچوں کی چھپی ہوئی صلاحیت کی تلاش بھی والدین ہی کے ذمے ہے' اس سے کنارہ کشی بچوں کی صحیح نشوونما اور ترقی میں رکاوٹ کا باعث بن جاتی ہے۔ لہٰذا انہیں چاہئے کہ اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ بچوں کی روش و رجحان کا مستقل مشاہدہ کرتے رہیں۔ یہ عمل ان کی صلاحیت تلاش کرنے میں مدد کرے گی۔

عبودیت

اس سلسلے میں اختصار کے ساتھ عبادت گزاری کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا تا کہ بچوں کو اس سے مانوس رکھا جائے۔

عبادت گزاری یا عبودیت ان تمام اعمال میں مضمر ہے جو قرآن و سنت کے دائرے سے باہر نہ ہوں اور جو انسانیت کی مجموعی طور پر (معاشرے) تربیت و حفاظت کریں۔ گویا کہ عبودیت اگر مخلصانہ طور پر انجام پا جائے تو بے حد و حساب تربیت کا مادہ رکھتی ہے۔ اس میں صفائے قلب کی ایسی قوت ہے جو بدکرداری کو دھو ڈالتی ہے۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ عملی زندگی میں جب ہم دینی احکام سے (جو پاکیزگی اور توازن کے

مخزن ہیں) مدولیکر آگے بڑھتے ہیں تو کہیں سے بھی اختلافات کا سامنا نہیں ہوتا' اسلئے کہ وہ فطرت سے ہم آہنگ حق پر مبنی ہوتے ہیں اور فطرت کے اختلاف سے مبرہ ہوتے ہیں۔ اختلافات جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ مفاد پرستوں کے پیدا کردہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دین سے منسلکہ اخلاقی اصول انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں' ان پر عمل پیرا ہونے والے کے لئے مشعلِ راہ کا کام کرتے ہیں۔ اس راہ میں اگر کوئی رکاوٹ ہے تو وہ طاغوت کی معاونت کرنے والی ملائیت ہے' جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ یہ ایسی سمِ قاتل ہے جو عبودیت کو اسکی جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے اور سیدھا سادہ مسلمان اسکے چکر میں پڑ کر بے دست و پا ہو جاتا ہے۔

مسلمان کو اپاہج بنانے والی اس سدّ راہ سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہمارے پاس اگر کوئی حربہ ہے تو وہ علم کے ذریعے ہر برائی کے خلاف قیام ہے۔ علم جو ہر دو دینی و دنیوی تعلیمات کے اعلیٰ ترین مدارج پر مبنی ہو۔ ان دونوں علوم کے امتزاج میں حسن یہ ہے کہ جسے ہم اس وقت دنیوی علوم کہتے ہیں جب یہ دینی علوم کے سانچے میں ڈھل کر نکھرے تو حقیقی علم بن جاتا ہے اور اس کے ذریعے جو رہنمائیاں حاصل ہوتی ہیں ان میں رہزن (تفرقہ پرور ملا) کا کھٹکا نہیں رہتا۔ جب بچے ایسے علوم کی اعلیٰ رفعتوں کو پہنچیں گے تو ان میں قوتِ استدلال پیدا ہو جائے گی اور پھر ان کے لئے کھرے کھوٹے کی شناخت جوئے شیر لانے والی بات نہیں رہے گی۔

اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے صاحبانِ علم و دانش کو آگے بڑھ کر منصوبہ بندی کرنا ہوگی کہ حقیقی علم کے حصول کے لئے نئی راہیں کھلیں جو ملت کے لئے تعمیرِ نو کا کام کریں۔ یہ کام اپنے اندر بڑے پیچ و خم لئے ہوئے ہے۔ اسلئے کہ بین الاقوامی مفادات پر مبنی دباؤ اثر انداز ہوں گے جو تعلیم کے کسی بھی مرحلے پر دین کی آمیزش کے حق میں نہیں ہیں۔ جب تک حالات سازگار نہیں ہوتے' دینی تعلیم سنڈے اسکول کے علاوہ بچوں اور جوانوں کی عمر کے لحاظ سے کمپیوٹر کے ذریعے بر سر کار لانا ہوگی (ملت کے ماہرین تعلیم کو بچوں کے سن و سال کے مطابق ان کے نفسیاتی پہلوؤں پر

نظر رکھ کر نصاب مرتب کرنا ہوگا) یہ کام انفرادی طور پر عمل میں نہیں آ سکتا' پوری ملت میں آ گاہی پیدا کر کے آگے قدم بڑھانا ہوگا۔

دینی حقیقتوں سے مرصع ہر قسم کے دانش گاہی علوم اور اس پر مبنی تربیت ایک اعلیٰ درجے کی زمانے کے لحاظ سے پیش رفتہ متقی رہبریت وجود میں لائیگی اور جب رہبری تخریب کاروں کے ہاتھ سے نکل کر اہل حق کے پاس آ پہنچے گی تو پھر مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر دھتکارا نہیں جا سکے گا۔ غیر خود مسلمانوں سے رہنمائی کے خواستگار ہوں گے۔

''حق کو پہچان لو' اہلِ حق کو خود بخود پہچان لو گے۔'' حضرت علی علیہ السلام

عبادت کے ذریعے جب (جس کا ابھی ہم نے مطالعہ کیا) مجموعی طور پر انسان اپنی اصلاح کرتا ہے' تو یہ اصلاح حقیقت میں معاشرے کی اصلاح بن جاتی ہے۔ یہی وہ عبادت ہے جس سے خداوند کریم راضی ہوتا ہے۔ انسانیت کی بہبود اور اصلاح معاشرہ کیلئے اٹھ کھڑے ہونا قیام کے زمرے میں آتا ہے اور یہی اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے' جو مقصودِ مومن ہے۔ جسکے بغیر عبادت کا قبول ہونا ممکنات سے خارج ہے۔ (واللہ عالم)

✿✿✿✿

باب ۳

حکمت

بسمہ سبحانہ

حکمت

''وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کر دیتا ہے اور جسے حکمت عطا کر دی جائے اسے گویا خیرِ کثیر عطا کر دیا گیا اور اس کو صاحبانِ عقل کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔''

۲۶۹:۲

یہ مضمون جو حقیقت میں حکمتِ الٰہی سے مربوط ہے اسلئے شامل کیا گیا کہ میدانِ قیام جسکی بابت کچھ وضاحتیں آئندہ باب میں پیش کی جائیں گی' اسقدر وسیع و پیچیدہ ہے کہ اس کے اجراء میں متعدد ذرائع کی معاونت ناگزیر ہے۔ حکمتِ الٰہی چونکہ سرچشمۂ قوت ہے' قیام میں اسکی امداد کے بغیر قدم بڑھانے میں پسپائی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ الٰہی وسیلوں پر قلم اٹھانا' اہلیتِ انسانی سے باہر ہے' مگر یہ کہ قرآن واحادیث سے استفادہ کیا جائے۔ اس باب میں امکانی حد تک چند نکات کی وضاحت پیش کی گئی ہے۔

سب سے پہلے ہمیں ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے کہ حکمت قیام جو اس کتاب کا مطلوب ہے' اسے قیام قائمِ آلِ محمد (جو آفاقی ہوگا) سے فقط اسقدر نسبت ہے کہ مومن جس دور میں وہ موجود ہے' وقت کے تقاضوں کے ساتھ' مظالم و بداخلاقی کی سرکوبی اور بہبودیٔ انسانیت کے

لئے امکانی متحدہ کوشش یا قیام (جو ظاہر ہے محدودیت کا حامل ہوگا) کرتا رہے اور اسکا عادی بن جائے۔ جب ظہورِ امام ہو چونکہ مومن قیام کا عادی ہو چکا ہوگا' قیامِ امام میں شامل ہونا اسکے لئے مشکل نہیں ہوگا' اسکا ذہن اس کی ہمکاری کرے گا' اور اسے کسی ہچکچاہٹ کا سامنا نہیں ہوگا۔ اسکے لئے امامِ عصر کی معرفت شرط ہے۔ ورنہ بہک جانے کا زیادہ احتمال ہے۔

کلمۂ حکمت وسیع معنی پر محیط ہے۔ اسکے ابعاد میں اتنی ہی وسعت ہے جتنی کہ قدرتِ کاملہ نے اپنی لامتناہی افقِ کائنات کو دی ہے' اسکی حیرت انگیز فراخ دلی یہ ہے کہ اپنے فن پارے' انسان کو فکر و اندیشے سے مزین کر کے اس کے ہاتھ بلند کر دیے کہ اس کی سلطنتِ بے پایاں کو اپنی گرفت میں لے لے۔

یہ اللہ کی ایسی عنایت و مہربانی ہے کہ جس احسان کا حق انسان کے بس میں نہیں کہ کبھی ادا کر سکے۔ خدانخواستہ اگر اسے بھی کیڑے مکوڑوں کی طرح بنا کر چھوڑ دیا جاتا تو وہ بھی ہواس باختہ جنگلوں میں مارا مارا پھرتا اور درندوں کی خوراک بنتا رہتا۔

''حکمت ایک ایسی معرفت ہے جو انسان و خدا کے درمیان مرکزی مقام رکھتی ہے۔ یہ کرمِ الٰہی ہے جو انسانی جستجو برائے تکامل میں مدد کرتی ہے۔'' ابن رشد

''حقائق کائنات سے واقف ہونے کے لحاظ سے انسان کی مثال ایک ایسے بچے کی سی ہے جس نے مکتب میں ابھی ابھی داخلہ لیا ہو۔'' آئنس ٹائن

جس حکمت سے تبلیغِ دین میں کام لینا چاہئے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے دعوت

دیں اور ان سے اس طرح بحث کریں جو بہترین طریقہ ہے۔" ۱۲۵:۱۶

قرآن کریم خود مرکزِ حکمت ہے:

"ہم عنقریب اپنی نشانیوں کو تمام اطرافِ عالم میں خود ان کے نفس کے اندر دکھلا دیں گے۔"

علامہ جوادی اس کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ:

کائنات ارض وسماء اور یہ وجودِ انسانی' دونوں قدرتِ خدا کی کھلی کتابیں ہیں۔

اس آیت میں منشائے الٰہی یہ ہے کہ انسان راہِ خدا میں علم وحکمت کے اعلیٰ مدارج طے کر کے تحقیقات میں مشغول ہو۔ جیسے جیسے وہ تسخیرِ کائنات کی سعی کرتا جائے گا تو بطور امداد آفاق کی خلقت میں جو حکمت جاری ہے اُس کے رموز کو فکرِ انسانی (نفس) پر وا کر دیگا۔

یعنی جب انسان اشیاء کی ترکیب کا علم حاصل کر کے تجزیے و تجربے کی طرف قدم بڑھائے گا' انسانی بہبود کے لئے ایجادات کرنے میں اسے کامیابی ہوگی اور دنیا ترقی کرتی جائے گی (مندرجہ بالا آیت کی مراد' آفاق میں سٹلائٹس کے ذریعے چاند و مریخ و میزان تک رسائی اور وہاں کے طبیعی حالات کی اطلاعات کا حصول' جو ایک زمانے میں انسانی فکر سے باہر تھا' دورِ حاضر کی انسانی کاوش کا نتیجہ ہے' جو اللہ کے ارادے کے تحت فروغ پاتا جائے گا اور انسانیت اس سے فائدہ اٹھائے گی)

حقیقت یہ ہے کہ خداوند کریم کی طرف سے یہ ایک دعوت ہے کہ انسان فلاحِ انسانی کے لئے اختراع وایجادات میں حصہ لیکر نئی راہیں کھولے۔ جو ایک بڑی سعادت ہے۔ اس سمت میں مسلمان آپس کی چپقلشوں کی وجہ سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکے۔ ان کا اس کام میں پیچھے

رہنا ان کی پس ماندگی اور غلامی کا اصل سبب ہے۔

جناب امیر علیہ السلام کی اس بارے میں وضاحت:

''اللہ نے ہر تخلیق کے عمل کو خود کاری کے ہمراہ پابند آئین یا ضابطہ کے تحت زمان و مکان کے حلقۂ اثر میں مروج کیا ہے' اسکے مختلف پیچیدہ اور طرح طرح کے رجحانات کو ہم رنگ و مناسب اور موزوں اظہار کی لیاقت دی ہے۔ فطرت میں موزونیت و تناسب و توازن اور رابطہ بھر دیا ہے' تاکہ بنیادی ترتیب و بافتگی اور انضباط ہمیشہ مرتب نظم و ضبط کو قائم رکھے۔''

امام کی اللہ کی مخلوق میں سلیقۂ خود کاری کی اس حسن و خوبی سے وضاحت بڑی بامقصد ہے' کہ انسان اس سے استفادہ کر کے ایجادات میں متواتر مشغول رہے اور دنیا کو ترقی کی راہوں پر گامزن رکھے۔ یہ ہم پر واضح رہنا چاہئے کہ ہر نوع بشر میں یہ مادہ الگ الگ صلاحیتوں کے ساتھ وجلوہ رکھتا ہے۔ وہ اپنی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو تلاش کرنے کیساتھ اس ضمن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور موجد بن جائے۔

اسلام فقر زدہ لوگوں کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام امداد باہمی کے ذریعے فرض قرار دیتا ہے۔ معاشرہ اسکا ذمے دار ہے۔

امام کا یہ مشہور قول نہایت پر از حکمت ہے:

''جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا' اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔''

انسان کے لئے غور وفکر کی یہ ایک دعوت ہے جو محاسبۂ نفس سے مربوط ہے۔ اس دنیا میں اچھائی و برائی کی کسوٹی دین "اسلام" ہے۔ اور معرفت الٰہی بھی اسی رشتے سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسے جیسے انسان اپنے اعمال کو اس کے ترازو پر تولتا جاتا ہے اسے اپنے مقام کا پتہ چلتا جاتا ہے۔ یعنی بالمقابل ہدایات خداوند کریم اسے اپنے نفس کی پہچان ہوتی جاتی ہے۔

امام کے اس قول کا مقصد خلاصتاً یہ ہے کے انسان اپنے اعمال کو بمطابق خواہشات خداوند کریم استوار کرے' تا کہ اس دنیا اور آخرت کی صعوبتوں سے بچا رہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

اے برادر تو ہماں اندیشہ ای ‏ ‏ ما بقی تو استخوان و ریشہ ای
گر بود اندیشہ ات گل گلشنی ‏ ‏ گر بود خاری تو گلخنی

مولانا خلقت انسانی میں تفکر کو اصل حکمت گردانتے ہیں۔ کہتے ہیں: اے بھائی تیری حقیقت تیرے افکار ہیں' اس کے علاوہ اگر تو کچھ ہے تو ہڈی اور رگ وریشہ ہے۔ اگر تیری فکر مثل پھول مہکتی ہوئی و محبت بھری دلربائی ہے تو گویا دلوں کو جوڑ کر تو نے گلشن آباد کر لیا ہے۔ اور اگر تو کانٹوں جیسی چبھنے والی فکر کا مالک ہے تو فقط جہنم کی بھٹی کا ایندھن ہے۔

شیخ بہائی نے کشکول میں قاسم انوار کا یہ شعر درج کیا ہے:

سر بلندی بین کہ دائم سرم سودای اوست
قیمت ہر کس بقدر ہمت والائی اوست

اشعار اپنے باطن میں اس قدر وسعت و گہرائی لئے ہوتے ہیں کہ ان کی تشریح ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ جب شاعر عارف ہو کر اللہ کی طرف رخ کرتا ہے تو اس کے معنی کی گہرائی بے کراں ہو جاتی ہے' اس کی لو اللہ سے ایسی لگتی ہے کہ وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ دائمی سودائی بن تو جاتا ہے مگر اس میں اس کی انتہائے بلند پروازی کی مقدار اسکی ہمت پر انحصار کرتی ہے اور اس میں کمال ایک سوال بن جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس کمال کی حد اپنے فلسفۂ خودی سے مقرر کر دی

ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہاں شعر کی گتھی سلجھانا مقصود نہیں بلکہ مقصد کے حصول میں انسان کے دھنی ہونے کی بات ہے۔ سودائی ہونا کوششِ پیہم ہے۔ اللہ کا سودائی ہونا اس کی منشاء کے سامنے ہمہ وقت تسلیم رہنا ہے۔ جیسا کہ ابھی تک ہم غور کرتے چلے آئے ہیں منشائے الٰہی یہ ہے کہ انسانیت کی فلاح پر نظر رکھ کر اسکو ترقی کی راہوں پر گامزن رکھنے کیلئے مورد تسخیر کائنات' مستقلاً حکمت حاصل کرنے میں مشغول رہا جائے' اس میں کمال پیدا کیا جائے۔ اس امر کی توثیق میں قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''زمین پر سب کچھ انسان کے لئے پیدا کیا گیا۔'' بقرہ ۲:۲۹

''اسے زمین پر اختیار دے دیا گیا۔'' اعراف ۷:۱۰

''اللہ نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو تمھارے لئے مسخر کر دیا ہے۔''

لقمان ۳۱:۲۰

خداوند کریم نے انسان کو عقل و علم و ارادہ عطا کر کے منصب خلافت پر فائز کر دیا اور اس کارگاہ حیات پر پورا اختیار دے دیا۔ اب یہ اسکی ذمے داری ہے کہ خلافت کے تقاضوں کو پورا کرے۔ مگر اتنا کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ ناکام ہے۔ چاروں طرف لوٹ کھسوٹ' کشت و خون' بھوک و ننگ' دربدری و بے نوائی کا دور دورہ ہے اور انسان کے لئے حقیقی (فلاح انسانی کیلئے) ترقی کی راہیں مسدود ہیں۔ یہ بھی ایک مسلمہ صداقت ہے کہ اس دنیا میں بغیر سبب کے کوئی بات وقوع پذیر نہیں ہوتی۔ ایسا کیوں ہے؟ لیڈر شپ کے زاویئے سے اسکا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

امامت ور ہبریت

باب حالات حاضرہ میں ناقص رہبری کی بناء پر مسلمانوں اور اسلام کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کا ایک جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد اب ضرورت اس بات کی رہ جاتی ہے کہ ایک ایسی رہبریت کی جستجو کی جائے جو نقائص سے پاک ہو۔ اسکے لئے قرآن وحدیث رسول کا سہارا لے کر آگے بڑھنا ہوگا۔

رہبریت کے معاملے میں ایک حدیث ہماری رہنمائی کرتی ہے:

''جس نے اپنے وقت کے امام کی معرفت حاصل نہ کی وہ جہالت کی موت مرے گا۔''

منصب امامت کی بابت ہم منبر سے سنتے رہتے ہیں یہاں اسکو ثابت کرنا مقصود نہیں۔ اصل مسئلہ جس سے معاشرہ بلکہ پوری خلقت دوچار ہے وہ ''جہالت'' ہے۔ کیا ہمارا ذہن قبول کرے گا کہ اللہ تعالی نے اتنی بڑی اور عظمت کی مالک کائنات کو جس کا ایک ایک ذرہ لامتناہی قوتوں کا مالک ہے اور جن اصولوں پر اسنے انہیں کاربند رہنے کا سلیقہ عطا کیا ہے انہیں کھلا چھوڑ دے کہ ان اصولوں سے کنارہ کش ہو کر جو کام ان کے ذمے ہیں انجام دیں؟ اگر ایسا ہوتا تو دنیا کب کی درہم برہم ہو کر فنا ہو چکی ہوتی۔

جب قدرت نے جمادات و نباتات کو لاعلمی سے بچا کر رکھا ہے تو کیا وہ اپنی شاہکار مخلوق کو اپنی حکمت کاملہ کے برعکس جہالت میں ڈال کر سرگرداں رہنے کیلئے چھوڑ سکتی ہے؟ کیا قدرت کو یہ گوارہ کرلے گی؟

غاروں سے نکل کر انسانیت نبوت ورسالت کے ہمراہ ترقی کی راہوں کو طے کرتی رہی۔

جب زندگی کی راہیں پوری طرح قرار پا گئیں' رسالت دین کو اللہ تعالی نے انتہا پر پہنچا دیا اور پاکیزہ امامت کا آغاز کر کے اسکا سلسلہ جاری کر دیا' تا کہ انسان کو جب مشکلاتِ زندگی کا سامنا ہو ان سے غلطیوں سے پاک رہنمائی حاصل کرے اور کسی دوسری راہ کو اختیار کر کے بھٹکتا نہ پھرے۔

قرآن امامت کی پاکیزگی کی سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ میں حمایت کرتا ہے۔ تفاسیر کے ذریعے اس کی باریکیوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مقتدر لوگوں نے اسے ہمیشہ وجہ مخاصمت بنا کر رکھا۔ یہ بات بڑی اہم ہے' اسلئے کہ اسلام کا ایک عرصۂ دراز سے رسوائی میں ابتلاء منحرف رہنمائی کا نتیجہ ہے۔ نتیجہ دیکھنے کے بعد بھی اگر آنکھیں نہ کھلیں تو ایسے لوگوں کو اللہ کی ہدایت سے محرومی کا ہمیشہ سامنا رہے گا۔

''اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہل بیت کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔'' احزاب ۳۳:۳۳

ایک اور آیت جو اس کی تصدیق کرتی ہے:

''آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقرباء سے محبت کرو۔'' شوریٰ ۴۲:۲۳

امام یا ولی نفسانی خواہشات اور ہوا و ہوس سے پاک ہوتا ہے۔ وہ اسقدر پاکیزہ اور طاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ارادوں کے برعکس اسکا ارادہ یا اندرونی تحریک' غیبی اشاروں سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ وہ ایک کامل انسان ہوتا ہے۔ اس کو بحکمِ خدا دلوں اور روحوں پر قابو حاصل ہوتا ہے۔ اس سے استفادہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو اس کی معرفت حاصل ہو اور اس معرفت کی بناء پر اس سے محبت اپنے عروج پر ہو۔

معرفتِ امام

چونکہ اللہ کو اپنے بندوں تک غلطیوں سے پاک ہدایات پہنچانا مقصود ہے۔ اس اہم کام کیلئے پاک صلوب سے گزر کر آنے والے اپنے بندوں میں سے چن کر کسی ایک کو اس دور میں منصب امامت پر فائز کرتا ہے' اسلئے کہ فقط انہی میں معراجِ علم و پاکیزگی کو حمل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ انہیں دین و دنیا کے سارے علوم' اشیاء کے نقصان و فوائد' ان کے عمیق ترین حدود کی معلومات سے نواز دیتا ہے۔ یعنی دنیا و مافیہا کا مکمل علم عطا کر دیتا ہے۔ اسکی بناء پر وہ اخلاقِ حمیدہ کے مکمل و مجسم نمونہ ہوتے ہیں۔ ان سے غلطی سرزد ہونے کا کوئی احتمال نہیں رہتا۔ کسی صورت سے بھی وہ حق سے ہٹ کر کوئی عمل کرتے ہیں نہ ہدایت جاری کرتے ہیں۔

رہا مسئلہ ان سے ہدایت حاصل کرنے کا تو زندہ ضمیر کے مالک لوگوں کو ان کے پاکیزہ علم اور عمل کی دلکشی ان کا گرویدہ بنا دیتی ہے۔ مگر وہ لوگ جو اپنے ہویٰ و ہوس' ظلم و تعدی میں ملوث مردہ ضمیر کے مالک آبا و اجداد کی تاسی یا پیروی کو حق جانتے ہیں امامِ برحق کی معرفت انہیں حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ وہ ان کو اپنے دنیوی مفادات و مقاصد کے حصول میں مانع پا کر اپنی راہ سے دور کرنے کی کوشش میں ان کے قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

''اللہ اور رسول اور اس نور پر ایمان لے آؤ جسے ہم نے نازل کیا ہے' اللہ تمھارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔'' تغابن ۶۴:۸

امام محمد باقر علیہ السلام نے اس آیت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''خدا کی قسم اے ابو جعفر! امام کی روشنی مومنین کے دلوں میں سورج کی روشنی سے

زیادہ آب و تاب سے چمکتی ہے۔''

چونکہ اسلامی عقائد سے ہماری وابستگی ضروری ہے اور امامت اسکا جزو ہے' امام کی اتباع ہمارے اوپر فرض ہے۔ امام کے اعمال عین مطابق بہ قرآن و سنتِ رسول ہوتے ہیں' ان سے انکا انحراف ممکن نہیں۔ انکا یہ پاکیزہ و پراز حسن عمل لوگوں کے لئے دلکشی کا باعث بن جاتا ہے۔ ان کے مواعظ' دعائیں اور زیارات سے حاصل شدہ معرفت ہمارے دل میں ان کے لئے محبت پیدا کر دیتی ہے' جس قدر ہم اپنے آپ کو ان سے قریب تر کرتے جاتے ہیں' فضائے بسیط میں چھائی ہوئی ان کی روشنی سے ہمارا استفادہ بڑھتا جاتا ہے' دل و جان سے ہماری ان سے محبت' ہمیں ان کی اتباع پر گامزن کر دیتی ہے اور ہمارے اعمال کو صالح بنا دیتی ہے۔ اس طرح ہمارا ان سے لگاؤ رابطے کا کام کرتا ہے۔ جب تک رابطہ قائم نہیں ہوگا امامت کی روشنی ہم تک نہیں پہنچ پائے گی اور ہم غیر ہدایت یافتہ رہیں گے۔ امام خود بھی وقتِ ضرورت مومنین کی امداد فرماتے ہیں۔

امام کی پیروی پر کیوں زور دیا گیا ہے؟

وہ انسان کے دل میں برائی اور گناہ سے نفرت پیدا کرتا ہے۔

وہ نفسانی خواہشات کے خلاف جہادِ اکبر کی تلقین کرتا ہے۔

وہ واجب العمل احکام' ہدایات اور قوانین کے اصلی ماخذ و منبع کی نشان دہی کرتا ہے۔

وہ خدا سے قربت حاصل کرنے کے لئے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا کرتا ہے۔

وہ عالمِ انسانیت کو ممکنہ دشمنوں کے بارے میں خبردار کرتا ہے اور ظلم سے مقابلے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

اصول وفروعِ دین

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک مقصد کے تحت پیدا کیا ہے۔اس مقصد پر پوری پیوستگی کے ساتھ نظر رکھ کر دنیا کا سفر طے کرنا ہوگا تاکہ بغیر بھٹکے ہوئے سیدھے راستے پر قائم رہ کر مقامِ مقصود پر باحفاظت پہنچ جائیں۔

خداوند کریم کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اس نے اپنی حکمتِ خاص سے ہماری رہنمائی کے لئے عظیم کمک "دین اسلام کے اصول وفروع" ہم تک پہنچادی۔اپنے بندوں کے لئے یہ عطا اسکی ان سے محبت ہے۔وہ نہیں چاہتا کہ دنیوی عرصہ حیات میں وہ رلتا پھرے ظالموں کی غلامی میں مبتلا رہے بلکہ وہ اسے خوشحال وآسودہ زندگی بسر کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔

ہدایاتِ الٰہی کو قبول کر کے اس پر گامزن ہو جانے کے بعد زندگی سے بیشتر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔کسی مقصد کے حصول میں چند قوانین اور طرزِ عمل کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ مقررہ حدود میں رہ کر ہدف تک پہنچا جائے۔چنانچہ دین کی طرف سے مقرر کئے ہوئے اصولِ توحید و عدل نبوت و امامت اور قیامت اور اس کے فروعات نماز روزہ حج زکات امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تولی و تبرا ایسے جزدیات ہدایت ہیں جو اس فطرت سے مطابقت رکھتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو خلق کیا ہے

ہم نے بابِ تحریفات میں اندازہ لگایا ہے کہ دین کے معاملات میں غاصب مقتدر لوگ ہمیشہ نہ فقط خود بلکہ عوام کو بھی اس سے منحرف کر کے اپنے مفادات حاصل کرتے رہے ہیں۔یہ حقیقت بھی ہماری نظر میں ہے کہ تاریخ جھوٹ اور سچ کی ملمابازی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتی۔جس میں حقیقت ہائے تاریخ مستقل طور پر حقیقت کے برعکس مکرر پرچار کے بعد جھوٹ بن جاتے ہیں اور جھوٹ سچ بن کر نمودار ہوتا ہے۔

اصول وفروعِ دین بھی ہمیشہ ان کی زد میں رہے اور اپنے اصل مقام کو کھو بیٹھے۔ان کا

تذکرہ پچھلے ابواب میں مختلف مقامات پر آیا ہے۔ قارئین سے استدعا ہے کہ اس ضمن میں بزرگ علماء کی کتابوں سے ضرور استفادہ فرمائیں۔

نماز میں جماعت کی حکمت

قیامِ نماز میں جماعت کلیدی و اولیٰ مقام رکھتی ہے اور حکمت قیام بھی اسی میں پوشیدہ ہے' معاشرے کی فلاحی تعمیر کا مرکز بھی یہی ہے اور خدمتِ خلق کی راہیں بھی یہیں سے پھوٹتی ہیں۔ افسوس کہ یہ رسموں کے حوالے کر دی گئی' جسکی وجہ سے انسان ساز راہیں ویران پڑی ہیں' ان پر چلنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ نتیجے میں انسان سازی یا انسانی خدمت اپنی آب و تاب کھو بیٹھی ہے۔

حکمتِ خدمت

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں' 'بنی آدم اعضائے یک دیگر اند' یعنی اولادِ آدم انسانی جسم کے اعضاء کی مانند ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ اگر کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم متاثر ہو جاتا ہے۔ شیخ صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ معاشرے میں اگر کسی ایک شخص کو کوئی تکلیف پہنچے تو پورے معاشرے کو اسکے درد سے تڑپ اٹھنا چاہئے اور متحد ہو کر اس کے درد کی درمانی کرنا چاہئے۔

یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ کسی کی خوشی و ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا معاشرے سے کتنا لگاؤ ہے' وہ کس قدر سوشل ہے۔ معاشرتی ہونا دوسروں سے اپنائیت اور ان کی بھلائی کی فکر میں رہنا ہے۔

ماہرین نفسیات نے معلوم کیا ہے کہ آدمی جب مزیدار کھانا کھاتا ہے یا اسے کوئی نفع بخش چیز ہاتھ آتی ہے' تو اسکے دماغ کا ایک مخصوص حصہ مثبت اثرات کی نشاندہی کرتا ہے۔ دماغ کا وہی

حصہ لوگوں کی مدد کرنے پر بھی اسی قسم کے اثرات پیدا کرتا ہے۔

گویا کہ یہ فطرتِ انسانی ہے کہ کسی کی امداد اس کے لئے خوشی و ترقی کا باعث بنتی ہے۔ اس کے برعکس کسی کی زندگی سے امداد کا جذبہ دور کر دینا اس سے خوشی چھین لینا ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس مطلب پرست دور میں مالدار آدمی اندر سے ٹوٹا ہوا ہے' بے جان ہے اور ہر قسم کے ذہنی انتشار اور الجھنوں میں مبتلا ہے۔ محض اسلئے کہ فطری نظام کے تقاضوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ اسکے ضمیر کی آواز مدھم پڑ گئی۔ مال جمع کرنے کی لالچ میں ایسا جا پھنسا ہے کہ دوسروں کی امداد کا خانہ بالکل خالی ہے۔ پیسہ بٹورنے (نقصان کا خوف) اسے سنبھال کر رکھنے کے بکھیڑے میں پھنس کر ذہنی توازن قائم نہیں رکھ پاتا۔ ذہنی دباؤ سے نجات کیلئے سیکڑوں نا زیبا حرکتوں میں جا پڑتا ہے اور اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ اپنی روح کو خدمتِ انسانیت کے ذریعے زندہ رکھتا' تا کہ اس کے دل میں خوشی کے چشمے ابلتے رہتے اور زندگی خوشگوار گزرتی۔

اللہ تعالی نے خدمتِ خلق کے جذبے کو انسانی ضمیر میں داخل کر کے جزو ایمان بنا دیا ہے تا کہ اس کی زندگی خوشحال و شادمان رہے۔

اس فیضان کو قائم و دائم رکھنے کے لئے اس نے کسی فرد کو تنہا نہیں چھوڑا۔ بلکہ اس عمل کو آسان بنانے کے لئے ساری عبادات کو با جماعت انجام دینے کی تاکید کر دی' تا کہ پورا معاشرہ امدادی کاموں میں مشغول رہ کر آسودہ حال رہے' اس پر خوش گواری طاری رہے اور دنیا سرسبز نظر آئے۔

نمازِ جماعت کس طرح انسانی بھلائی کے لئے کارآمد ثابت ہو سکتی ہے؟ ایک جائزہ ضروری ہے۔ مندرجہ ذیل تجاویز بطور ایک خاکہ پیشِ خدمت ہیں' جو حرفِ آخر نہیں' ان میں وقت

ے تقاضوں کے تحت اصلاح ، ردوبدل یا ایک بہتر تجویز بر سر کار لایا جانا مفید ہوگا۔

جماعت کی تشکیل

نماز ہائے پنجگانہ جمعہ' عید الفطر' عید الاضحیٰ' دوسری عیدین' روزہ' حج' جہاد وغیرہ سب کے سب با مقصد ارکان دین ہیں۔ ان کی باجماعت برگزاری' بالغ نظر' حکیمانہ تدبر وتفکر کی مالک ہے۔ دین میں اسکی تاکید اچھے اعمال کا مالک بننے' مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے اور مشکلات کے حل کے لئے ہے۔

نماز ہی کو لے لیجئے' یہ باجماعت ادا تو ہو رہی ہیں مگر جس مقصد کے لئے ان کو برقرار کرنے کا انتظام کیا گیا ہے وہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ وہ فاقد از مقاصد ادا ہو رہی ہیں' طاغوت نے ملائیت کے سہارے اپنے مطالب حاصل کرنے کے لئے انہیں الٰہی مقاصد سے دور کر کے بے سود بنا دیا ہے اور اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہے۔ جنہیں اس کا فائدہ پہنچنا تھا وہ اب بھی کسمپرسی کی حالت میں مبتلاء ہیں' یعنی انسانیت بے نوا ہے ۔

رہنمائی شیخ سے مت چشم رکھ　　　وائے جسکا عصا کش کور ہے

میر

اسلام نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھ کر امدادِ باہمی کا بنیادی مشن قرار دیا تھا کہ مستضعفین بے سہارا نہ رہیں نہ ہی ان پر ظلم ڈھایا جائے۔ نظامِ جماعت اگر باقاعدگی کے ساتھ انجام پاجاتا تو معاشرے میں نظم وضبط' دلجوئی وہمدردی' اعتماد وبھروسہ وغیرہ روبکار رہتے اور امدادِ باہمی کے لئے جو اصل مقصد ہے' راہ ہموار ہو جاتی۔ امیر وغریب' چھوٹے بڑے' کالے گورے کی تفریق جاتی رہتی' تفخر وتفضل اپنا زور کھو بیٹھتے' علم وآگاہی کا دور دورہ ہوتا' طاغوت کی کھیتی تشنگی کا شکار ہو کر ویران ہو جاتی۔

ہم نماز ادا کرنے کے لئے پیش امام کے پیچھے صف بندی کرتے ہیں' بے روح نماز ادا کر کے گھروں کی طرف پلٹ جاتے ہیں' سمجھتے ہیں حق نماز ادا ہو گیا' اجر محفوظ اور جنت ہماری منتظر ہے۔ جب کہ اختتامِ نماز اور گھر واپسی کے درمیان کا وقفہ خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کا بہترین وقت ہے۔ یہیں سے انسانیت ساز سوتے پھوٹتے ہیں جس سے اللہ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس وقفے میں بہت سارے کام انجام پاسکتے ہیں۔ امور مسلمین جہاں جو تشنہ کام ہیں' ان کے لئے منصوبہ بندی' جہالت سے نجات' اعلیٰ علوم پر دسترس' اقتصاد کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا' مدرسوں کو تعصب کی کال کوٹھری سے نکال کر اتحاد بین المسلمین سے استفادہ کرتے ہوئے تعمیرِ نو پر لگانا' طاغوتی تفرقہ اندازی اور لوٹ کھسوٹ کی عالمی سیاست کی جگہ اسلامی سیاست لا کر اسے نیست و نابود کرنا' وغیرہ

نماز کے ان وقفوں میں امامِ جماعت کے ساتھ گفت وشنید کی چھوٹی سے میٹنگ کے ذریعے مسلمان اپنی بے سروسامانی وزبوں حالی سے نجات کے لئے راہ تلاش کر سکتے ہیں۔

اس کام کے لئے ایک پائیدار لیڈر یا امام کی ضرورت ہے' جو مسلمانوں کی ہمت افزائی کا سلیقہ اور انسانی بحالی سے مربوط مقاصد کے حصول کے لئے عملی طور پر انہیں رواں دواں کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ چونکہ مسلمانوں کے سارے کام مسجد کے متحدہ پلیٹ فارم سے انجام پانا چاہئیں' اسلئے مسجد کے پیش امام کی شخصیت پر ایک نظر ضروری ہے۔

پیش امام کی شخصیت

مسجد کے پیش امام کو گوناگوں خصوصیات کا مالک ہونا' جن میں رہبریت کی صلاحیت اہم و مقدم ہے۔ ایک فرد جو کسی مدرسے سے تحصیلِ دین کے بعد باہر آتا ہے' مشکل ہے کہ وہ متعصب نہ ہو۔ چونکہ متعصب انسان نہایت محدود نظر کا مالک ہوتا ہے' جانبداری و تفرقہ بازی پر اسکی نگاہ کا جمع

رہنا بعید از قیاس نہیں۔ مسلمانوں میں اتحاد اسکی سوچ سے باہر ہوتا ہے۔ اس طرح وہ فقط کسی ایک فرقے کی ناقص رہنمائی کر سکتا ہے' اسکے لئے اسلام کے اصولہائے منفعت بخش شجر ممنوعہ بنے رہتے ہیں۔

اگر کھلے دل سے دیکھا جائے تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ دین سے وابستہ' تعصب سے پاک مقاصد سے آگاہ رہے۔ اسکی نگاہ تواریخ کی گنجلک الٹ پھیر جو کسی نہ کسی کی مال وزر سے خریدی ہوئی ہمدردی و جانبداری کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوتی ہے کنارہ کش رہے۔ تاریخ نویسوں کی اس روش نے مسلم صفوں میں تفرقہ اندازی کے لئے مستقل راہ کھول دی ہے۔ جس کے سہارے مسلمانوں کے ہر شعبۂ حیات میں تحریفات نے اپنا مسکن بنالیا ہے۔ اسی لئے ہر مدرسہ جدا جدا انداز فکر کی ترویج کر رہا ہے' اور اصولہائے اسلام خلط ملط ہو کر رہ گئے ہیں۔ نتیجے میں اخلاق و ثقافت اسلامی شکست وریخت کا شکار ہیں۔

چونکہ رہبریت کیلئے ایک ایسے فرد کی ضرورت ہے جو مندرجہ بالا کمزوریوں سے پاک ہو' اس کی تعلیم وتربیت ایسے ادارے میں ہونا چاہئے جو اس کو کشادہ دل اور غیر جانبدار نظریئے کا مالک بنائے' اس میں تجسس کا مادّہ پیدا کرے' جس کے ذریعے وہ معاملات کی گہرائیوں میں ڈوب کر چھان بین کے ساتھ اس سے متعلق حق تلاش کرنے کی صلاحیت پیدا کر لے۔ سچائی کو تلاش کرنے والے حقیقت کو پالیتے ہیں۔ اسلام دین فطرت ہے' وہی فطرت انسان میں بھی موجود ہے' جو خود حق کی تلاش میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

یہ اسلامی معاشرے کی ذمے داری ہے کہ ایسے ہونہار بچوں کی تلاش میں رہے جو دینی رجحان رکھتے ہوں' انہیں روش انسانی سے متعلق اعلیٰ تعلیمات (پی ایچ ڈی) فراہم کرا کے متعدد افکار اسلامی کے حامل مکتبوں کے مطالعے کی آسانیاں مہیا کرے۔ اس کے بعد اگر اس میں خارج از تعصب بے لاگ رہبری اور درست اخلاق اسلامی کی طرف دعوت کی صلاحیت نظر آئے' تو اسے مسجد کا امام بنادیا جائے۔ اس کا اصل مقصد اتحاد بین المسلمین ہو' جس کے بغیر مسلم امّہ اپنے پیروں

پر کھڑی نہیں ہوسکتی۔اس چھان بین کے کام کو روشن فکر اعلیٰ تعلیم یافتہ دردمند لوگوں کے ایک گروہ کو کرنا ہوگا جو خود بھی تعصب سے دور اسلامی اتحاد اور اس میں تعمیر نو کا قائل ہو۔یہی لوگ اس عمل کو بر سر کار لانے اور اس کی آئندہ نگہداری کا بھی کام کریں۔

نمازی رضا کار دستہ

پیش امام کے تعین کے بعد نمازیوں میں سے ایک ہراول دستہ وجود میں لانے کی ضرورت ہے' جو مسلمانوں میں بیداری پیدا کرے' اُنھیں قعر مذلت سے نکالنے کے لئے قیام کرے۔

فرض کر لیجئے کہ ایک مسجد کی نماز جماعت میں سو افراد شامل ہوتے ہیں۔اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ نمازی کم از کم پانچ سو تا ہزار آدمیوں کی آبادی میں سے نکل کر آتے ہیں' ان سو نمازیوں میں سے بیشتر جو بظاہر آبادی کے نمائندہ ہیں' ان سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ مسلمانوں سے متعلق امور میں حصہ لینے سے حتیٰ الامکان گریز نہیں کریں گے۔اپنی خدمات کو اس کار احسن کیلئے پیش کریں گے۔چونکہ یہ کام جز وقتی ہوگا' قباحت طلب نہ ہوگا۔اس کار خیر کیلئے گنجائش پیدا کی جاسکے گی۔

مسجد کا پیش امام ان نمازیوں میں سے جو معتبر ہوں یا ان کے علاوہ جو اپنی خدمات بغیر کسی طمع کے پیش کرنے کے لئے راضی ہوں' اُن کی لالچ خوشنودئ خدا ہو۔ان کا نام' پتہ' فون نمبر' پیشہ' افراد خاندان بمعہ ان کی استعداد وغیرہ درج کر کے ایک فہرست بنالے۔اس کام کی تکمیل کے بعد کسی تعطیل کے دن ان حضرات کو مقررہ وقت پر ایک جلسے میں شمولیت کے لئے مدعو کیا جائے اور پیش امام کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دے کر امداد باہمی کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔کوشش یہ کی جائے کہ اس میں خود خواہ ومفاد پرست لوگ نہ آنے پائیں۔

چنے ہوئے اراکین میں آبادی سے مربوط امور ان کی صلاحیتوں کے مطابق تقسیم کر دیئے

جائیں جو ان کی ذمے داری سنبھالیں۔ مثلاً تعلیم و تربیت، علاج و معالجہ، ملازمت، فقراء کی بحالی و آبادکاری، منشیات میں مبتلا لوگوں کا علاج و نجات، روزگار کی فراہمی، تجارتی، معاشرتی، اقتصادی، گھریلو، ازدواجی، اخلاقی اور عدالتی مسائل، بچوں کی تربیت، ان کے لئے کھیل کود کا انتظام، محلے کی صفائی اور دوسرے حل طلب مسائل اس میں شامل ہوں۔ مخیّر حضرات کی اسمیں شمولیت اہم ہے۔ امامِ مسجد کو اس میں مرکزی حیثیت حاصل ہو جو باری باری نماز کے بعد ایک یا دو سربراہان سے ملاقات کر کے حالات کا جائزہ لیتا رہے۔ سال میں کم از کم ایک جلسۂ عام کا بھی انعقاد ہو، تاکہ عوام کمیٹی کی کارکردگی سے آگاہ رہیں۔ ان سے تجاویز لی جائیں۔

پیش امام کا متعدد شعبہ ہائے حیات سے متعلق ماہرین سے رابطہ اور گاہے بگاہے مشورہ لازم ہے، خواہ وہ کسی دوسرے محلے کے رہنے والے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کے ساتھ مہینے میں کم از کم ایک یا دو مرتبہ مسجد کمیٹی کے ممبران کا جلسہ ہوتا رہے، تاکہ ملت کی ترقی کے لئے ان کے جدید افکار سے استفادہ جاری رہے۔ ایک دو ماہرین نفسیات کا اس حوضۂ مفکرین کا رکن ہونا ناگزیر ہے۔ پیش امام ہمیشہ لوگوں کو تقویٰ کی طرف راغب رکھ کر یاد دلاتا رہے کہ مسلمانوں کی بحالی اور ترقی کے اس کارِ خیر میں حصہ لینے والے اجرِ عظیم کے حقدار ہیں، اور یہ کہ اسکا نام و نمود سے کوئی تعلق نہیں۔

مسجد جمعہ کمیٹی

شہر کی مسجد کمیٹیوں کے نمائندوں کا جمعہ مسجد کے پیش امام اور ماہرین کے ساتھ بعد از نماز جلسہ منعقد ہوا کرے، جس میں بلند پائے کی منصوبہ بندیاں اور عقدہ کشائیاں ہوں۔ مسجد کمیٹیوں کے مطالعات و تجربات کے مدنظر مسلم ارتقا کے لئے راہیں تلاش کی جائیں اور منصوبہ بندیاں ہوں۔ ان کی پیروی کے لئے معاشرے کو متحرک کیا جائے۔ اس امر کی حصول یابی کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دور اندیش ماہرین کا ایک حوضہ تشکیل پانا حتمی و لازمی ہے۔ یہ کمیٹی اپنا ایک نمائندہ

بمعہ ایک یا دو معاون چنے جو شہری مسجد کمیٹی سے رابطہ قائم کر کے یہاں کے مسائل کو حل کرنے کی سعی کرے۔

شہری مسجد کمیٹی

شہر کی جمعہ مسجد کمیٹی کے نمائندگان کسی ایک مسجد میں سال میں کم از کم تین یا چار بار یکجا ہوں۔ اپنے مسائل پیش کرنے کے علاوہ اتحاد بین المسلمین اور مسلمانوں کی ترقی کے پیش نظر تجاویز اور اس سے متعلق منصوبہ بندی اور متفقہ حل کے اجراء پر مفصل گفتگو کریں۔ اس میں دیہی علاقوں کے لوگوں کو بھی شامل کیا جائے۔ یہاں کے فیصلے محلے کی مسجد کمیٹیوں کو ضرور بھیجے جائیں' اسلئے کہ اصل میدانِ عمل تو وہیں ہے۔ وہ مسائل جو اس کمیٹی کے امکان سے باہر ہوں انہیں جب ملکی مسجد کمیٹی کا اجلاس منعقد ہو وہاں پیش کیا جائے۔

ملکی مسجد کمیٹی

ملک کی سطح پر سال میں دو یا تین جلسے منعقد ہوں' جن میں سے ایک حج کے قریب قرار پائے۔ یہاں شہری مسجد کمیٹیوں کے نمائندوں کے علاوہ مدبرین ملک' وزیر خارجہ و داخلہ' وکلاء' تجار' مالکانِ کارخانہ جات' ٹرانسپورٹرز' مختلف شعبوں کے کنسلٹینٹ' یونیورسٹی کے وائس چانسلرز' طلباء جماعتوں کے نمائندے وغیرہ مدعو کئے جائیں۔ یہاں بھی مفکرین کے ایک حصے کا موجود ہونا ناگزیر ہے۔

ان کمیٹیوں میں مدرسوں کی نمائندگی کا تذکرہ نہیں آیا کہ اس وقت ساری دنیا کی دانشگاہیں

تحقیقات و تجربات میں مشغول ہیں، دینی تعلیمات کا شعبہ بھی اس میں شامل ہو جانا چاہئے تا کہ اس میں بھی تحقیقات کے ذریعے واحد اسلام کو رائج کیا جائے۔ اس طرح دانشگاہوں کے ساتھ مدرسوں کی بھی نمائندگی ہو جائے گی۔

اس جلسے کے لئے ایجنڈا ملکی مسجد کمیٹی کے ارکان (جس میں تھنک ٹینک کی ایما شامل ہو) کی ذمے داری ہوگی، جسے وہ پہلے سے پورے غور و خوض کے بعد تیار کرلیں۔ اس میں مرکزی فکر مسلم امہ کی جلد از جلد بحالی اور اسکی پیش رفت کے لئے منصوبہ بندی مقدم ہو۔

ان جلسوں سے خطاب کی دعوت جن حضرات کو دی جائے، موضوع سخن ان سے فون یا کمپیوٹر کے ذریعے طے کرلیا جائے۔ اسکا متن وہ کمیٹی کو ای میل کردیں، جسے تھنک ٹینک ایڈٹ کر کے انھیں واپس کردے، تا کہ مقصد کے حدود قائم رہیں اور وقت بھی ضائع نہ ہو۔

مندرجہ ذیل تجاویز ایجنڈے کے لئے کم و بیش راہ کے تعین کے لئے بطور خاکہ ہیں۔ ضروری نہیں کہ مفکرین اسے جزوی یا کلی طور پر اختیار کریں، اتفاق لازم ہے۔

☆۔۔ ہر شعبۂ حیات سے متعلق تحقیقاتی کونسل کی تشکیل، جو مسلم امہ میں موجودہ خامیوں کو تلاش کرے اور ان سے نجات کے لئے منصوبہ بندی کرے۔

☆۔۔ دیگر ممالک میں موجود مسلم اداروں کو ان پر مسجد کمیٹی کے مقاصد روشن کر کے حج کانفرنس میں شمولیت کی دعوت دی جائے۔

☆۔۔ حل طلب امور جو دیگر مسلم ممالک یا کسی ایک مسلم ملک سے مربوط ہوں، اور جو حج کانفرنس میں پیش کرنے کے لئے مناسب سمجھے جائیں، انھیں پوری طرح غور کر کے قلم بند کرلیا جائے۔

☆۔۔ ملک کا ہر بچہ کم از کم پوسٹ گریجوئٹ ہو۔ اسکے لئے انتظامات۔

☆۔۔ ہونہار طلبہ/طالبات کے لئے ڈاکٹریٹ اور ریسرچ کا انتظام۔

☆ ۔۔ملک کے چپے چپے پر تجربہ گاہوں کی تعمیر۔

☆ ۔۔مدرسہ و دانشگاہ کی تعلیمات کو آپس میں ضم کر دیا جائے' تاکہ تعلیمات رو بہ ترقی ہوں۔

☆ ۔۔مذہبی تعصب جو مسلمانوں کو بکھیر کر رکھے ہوئے ہے' اس سے نجات کی تدابیر تلاش کی جائیں۔

☆ ۔۔عربی زبان کی تعلیم نرسری کی سطح سے شروع کی جائے' تاکہ ملک کا ہر شخص عربی داں ہو جائے۔

☆ ۔۔قرآن وسنت کی روشنی میں اقتصاد و معاشرت کی تعمیر نو کی جائے۔

☆ ۔۔امداد باہمی کو بروئے کار لایا جائے۔

☆ ۔۔فقراء اور نشے کے عادی لوگوں کو اصلاحی زندان میں رکھ کر ان کی بحالی کا کام کیا جائے اور ان کے روزگار کا بندوبست کیا جائے۔وغیرہ وغیرہ

مندرجہ بالا تجاویز میں سے بیشتر ممکن ہے کہ استعمار کی منشاء سے مطابقت نہ رکھتی ہوں' بلکہ وہ اس اتحاد کو کسی صورت پسند نہیں کرے گا۔اس پر بھی غور کیا جائے کہ اس کی مداخلت سے کیسے بچا جائے۔اس کے علاوہ جو فیصلے ہوں ان کے اجراء کے لئے وسائل پر بھی نظر رکھی جائے کہ ان کی کفالت کیسے ہوگی۔وغیرہ

حج کانفرنس

مسلمان ممالک کے سربراہان و مقتدر حضرات دوران حج مکہ مکرمہ کے قریب منیٰ میں سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنے مسائل' دکھ و درد کی باتیں کریں۔خصوصاً اپنی تنزلی' گلے میں غلامی کی زنجیر کی

وجوہات اوران سے نجات حاصل کرکے دوبارہ آزاد فضا میں سانس لینے اور ترقی کی فکر کریں۔

ملی مسجد کمیٹی نے حج کانفرنس میں پیش کرنے کے لئے جو تجاویز طے کی تھیں کانفرنس کی مجلس عمل کے سامنے رکھی جائیں اوران کا جائزہ لیا جائے۔اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تعلیمی' اقتصادی' دفاعی' تجارتی' تحقیقاتی' اخلاقی' سیاسی' تمدنی' امدادی' اتحاد بین المسلمین وغیرہ سے متعلق امور پر غوروفکر اور عمل درآمد کی باتیں ہوں اور آپس میں معاہدے کئے جائیں۔کچھ مسلم حلقے نادانی کی بنا پر تخریب کاری میں مبتلا ہیں ان سے متحدہ طور پر رابطہ قائم کرکے اجتناب کی تلقین کی جائے اوران کی بحالی کی صورت تلاش کی جائے۔

دور حاضر میں مسلمانوں کی زبوں حالی سوہان روح بنی ہوئی ہے۔یہ ہمیں باور کر لینا چاہئے کہ جو قومیں تفکر وتدبر کے میدان میں مسابقت چھوڑ بیٹھتی ہیں' کثر ذہنی انحطاط کے ساتھ مادی تنزلی میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔یہ ایک فطری عمل ہے جو ہمارے مشاہدے میں ہے کہ غلبہ نتیجہ ہے قوت کا اور مغلوبیت نتیجہ ہے ضعف یا کمزوری کا، گویا کہ ذہنی اور مادی حیثیت سے گراوٹ میں مبتلا ضعیف قومیں جس قدر اپنی بے حسی اور کمزوری کی طرف بڑھتی جاتی ہیں اسی تناسب سے مغلوبیت اور غلامی کے جال میں پھنستی چلی جاتی ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوراندیش اور مادی طور سے مستحکم قومیں اپنے علم وتدبر کی بناء پران کے دل ودماغ پر چھا جاتی ہیں۔وہ جسے حق کہہ دیں وہ حق بن جاتا ہے اور انکا بتایا ہوا باطل خارج از حق سمجھ لیا جاتا ہے۔وہ جدھر چاہتی ہیں جاہل اور کم عقل قوموں کا رخ موڑ دیتی ہیں۔مسلمانوں کے سر پر یہ مصیبت فرسودہ رہنمائی کی بناء پر آن پڑی ہے۔جناب امیر علیہ اسلام نے اسکے لئے ایک رہنما حل مسلم امۃ کے لئے پہلے ہی سے بتا دیا تھا کہ حق کی تلاش کرو حق والے خود مل جائیں گے۔

اس فکر کی رہنمائی میں محکم دائرۂ کار کے لئے ایک متحدہ محاذ کی اشد ضرورت ہے' جسے مجوزہ حج کانفرنس کو ہاتھ میں لینا چاہئے۔اس پر زور دیا جائے۔

اگر ہم غور کریں تو بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حج کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ مسلم امۃ

اس موقع پر متحدہ طور پر مناسک حج ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مسائل حل کرے۔ اسی لئے صرف صاحبانِ استطاعت پر حج واجب کیا گیا ہے' جو ایثار کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

دورانِ حج اللھم لبیک' یعنی تیری اطاعت کے لئے حاضر ہوں کے ورد کا مقصد اسی وقت پورا ہوگا جب ہم مسلم امہ کے دکھ درد اور مسائل کو وحدانیت کے اس مرکز پر لا کر حل کریں گے۔ حج پر مسلمانوں کا طلب کیا جانا اسی لئے ہے۔ ورنہ کتنا ہی کیوں نہ چیختے رہیں بے سود ہے۔ نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

حج کے اس موقف کو چونکہ تحریف کے حوالے کر کے کال کوٹھری میں ڈال دیا گیا تھا' اسے دوبارہ اس کے مقام پر لا کھڑا کرنا آسان بات نہ ہوگی۔ سب سے پہلے تو ہمارا مولوی رخنہ انداز ہو گا۔ اس کے بعد ان کی مزاحمت ہوگی جن کی مغلوبیت میں ہم دبے پڑے ہیں۔ مگر جب نیت میں خلوص ہوتا ہے اقبال کا عزمِ محکم اور عمل پیہم تیشۂ فرہاد بن جاتا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ کے مفکرین و مدبرین کی ثابت قدمی یہ کام آسان کر دے گی۔

نفسیاتِ انسانی میں حکمت

حکمتِ الٰہی میں قرآن حکیم اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل اطہار علیہم السلام کا کردار نفسیاتِ انسانی کے مرجع ہیں۔ دنیا میں کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے ہر دو بہترین نمونہ ہیں۔ مشہور اور مصدقہ حدیث' حدیثِ ثقلین ہے:

> ''تم میں دو ثقیل چیزیں چھوڑ رہا ہوں' کتابِ خدا اور اپنی عترت (اہلِ بیت) جب تک تم لوگ ان دونوں سے متمسک رہو گے میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔'' ترمذی ج ۵۔ ص ۳۲۹ وغیرہ

کتاب خدا یعنی قرآن کہ جو پوری کائنات اور اس میں جو کچھ موجود ہے ان کی تخلیق سے جو رموز حکمت وابستہ ہیں اللہ کے اپنے کلام میں تذکرے کی کتاب ہے۔ نفسِ انسانی ان ہی رموز میں سے ایک رمز ہے جو اس کی فطرت کا جزو ہے۔ اس فطرت کے لئے قرآن خود کہتا ہے۔

''یہ فطرتِ الٰہی ہے جس پر اُس نے انسان کو پیدا کیا۔'' ۳۰:۳۰

انسان کی ان نفسیاتی کیفیات کا بیان اور انسان سے اس کی بابت مخاطبت قرآن میں عام ہے۔ قرآن میں اللہ کی ہدایات' نفسیاتی کیفیاتِ انسانی کے مطابق جاری کی گئی ہیں' نفس کو اگر خارج کر دیا جائے تو انسان فقط گوشت و پوست رہ جاتا ہے۔ اس کا علم انسان کے لئے بہترین عطیہ ہے' ایک دوسرے کی شناخت کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی علم کے ذریعے انسان اپنی شناخت کر کے اللہ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

رسول کی نفسِ قرآن کی معرفت' اس پر مبنی انکا حسن عمل اور مکارمِ اخلاق' ان سب کی روشنی میں ان کی تبلیغات نے نفوسِ عرب وعجم پر دین اسلام وارد کیا اور اس نے آفاقیت اختیار کر لی کہ پوری انسانیت اس سے استفادہ کرے۔ مگر جن کو اس علمِ خداداد کی چاشنی کا ادراک نہیں تھا' انہیں دین کی صحیح معرفت حاصل نہ ہو سکی' انہوں نے تحریفات کا سہارا لیکر تعلیماتِ اسلامی کے چہرے کو مسخ کیا اور مسلمانوں کی گردنوں میں غیروں کی غلامی کی زنجیر ڈلوادی۔ چونکہ علمِ نفسیات کی چاشنی کا ذکر آن پڑا ہے لہٰذا ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔

''دروازے پر کسی نے دستک دی' آواز سنتے ہی امامِ وقت نہایت سادہ لباس میں ملبوس مصاحبین کے درمیان سے بلا تاخیر اٹھ کھڑے ہوئے' دروازہ کھول کر دیکھا' ایک سائل تھا' اسکی حاجت روائی کر کے اسکا ہاتھ چوم لیا اور واپس آ کر مصاحبین کے درمیان بیٹھ گئے۔ مصاحبین ششدر رہ گئے۔''! (انعکاسی جائزہ)

سائل کے تاثرات:

میں فقیر آدمی ہوں' ہر شخص مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔
جب کوئی مجھے بھیک دیتا ہے تو دور سے میرے ہاتھ پر گرا دیتا ہے کہ اگر انکا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھو گیا تو گندا ہو جائے گا۔
امام نے مجھ حقیر کی حاجت روائی کی اور میرا ہاتھ بھی چوم لیا۔۔کیوں؟
اف! میں کتنا شرمندہ ہوں مجھے ان کے ہاتھ کا بوسہ لینے میں پہل کرنا چاہئے تھا۔
عجیب بات ہے' انہوں نے مجھے قابل احترام سمجھا۔ کیا میں اس قابل ہوں؟

سائل پر ان تاثرات کا ردعمل:

امام نے مجھے گھٹیا انسان نہیں سمجھا۔ میں حقیر آدمی نہیں ہوں۔ میں بھی تو آخر انسان ہوں۔
امام کے سامنے مجھے سرخ رو ہونا ہے۔
کوشش کر کے میں اپنا ایک مقام پیدا کروں گا۔
اپنی حالت' ہر صورت میں بہتر بناؤں گا۔ ہر رکاوٹ کو عبور کرونگا۔ مجھے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔احساس کمتری نے مجھے گھیر رکھا تھا۔
لگاتار اور انتھک محنت میرا شیوہ ہو گا۔امام سے بھی مشورہ کروں گا۔انہوں نے میرے کمزور و ناتواں دل کو شیر بنا دیا ہے۔ان کی اتباع کروں گا۔

اصحاب کے تاثرات:

امامؑ ہم میں سے کسی کو بھی حکم دے سکتے تھے کہ جاؤ دیکھو کون بے وقت آ پہنچا ہے؟۔وہ

ہمارے ساتھ مشغول گفتگو تھے' اس کے حارج ہونے پر انہیں ذرا سا بھی غصہ نہیں آیا' خود ہی اٹھ کھڑے ہوئے' ہم ان کی جگہ ہوتے تو خود نہ اٹھتے۔ کسی غلام کو بھیج دیتے۔

عجیب بات ہے!! ایک فقیر کو انہوں نے محترم سمجھا اور اتنی برتری دی کہ اسکا ہاتھ چوم لیا۔ امام نے یہ بھی نہیں کہا' دیکھو ہمارے اعمال ایسے ہوتے ہیں' جیسے اس بات کی ان کی نظر میں کوئی خاص اہمیت ہی نہیں تھی۔ کچھ متفکر ضرور نظر آرہے تھے۔ شاید فقراء کے فقر کے اندیشے نے انہیں مضمحل کر دیا تھا۔

امام نہایت سادہ لباس میں ملبوس تھے' ان کے سامنے ہمیں اپنے لباس (فاخرہ) میں بیٹھے ہوئے شرم محسوس ہو رہی تھی۔ یہ باتیں ہمارے لئے سبق آموز ہیں۔ یہ باتیں ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہیں۔ ہم اپنے بیوی بچوں' خادموں یا دوسروں سے ہر حال میں تحکمانہ انداز میں بات نہیں کریں گے اور مفاخرت سے پرہیز کریں گے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں کشت و خون' اخلاقی گراوٹ' معاشرتی بدنظمی' معاشی بدحالی وغیرہ ذہنی انتشار کی بناء پر وجود میں آتے ہیں اور ان کو انسانی فطرت سے دور کرنا آسان کام نہیں۔ جب کہ ذہنی دباؤ کی بہت سی اور دوسری وجوہات ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ اصول سے سیکھی ہوئی مندرجہ بالا برائیوں کو دور نہ کیا جاسکے۔ اسکی اصل جڑ خود بنی [illegible] بچپنے کے خود خواہ ماحول اور غلط تربیت میں ملتا ہے۔

معقول ہدایت' تعلیم و تربیت' معاشرتی زندگی میں ہمواری ایسی حقیقتیں ہیں جو کروڑوں معصوم زندگیوں کو جنگ و جدال جیسی مشکلات سے نجات دلا سکتی ہیں۔ صدیوں پہلے سے انبیاء' مرسلین' آخری پیغامبر بمعہ ان کی آلؑ ان سے مربوط مسائل کا حل عملاً بتاتے چلے آئے ہیں۔ یہ ہماری بدبختی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے ہم نے اپنے آپ کو دور رکھا۔ ان کی معرفت حاصل نہ کی۔ حالانکہ حکمتِ الٰہی میں بڑے اہداف موجود ہیں۔

''اگر تم پر خدا کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی پاکباز نہ ہوتا۔ لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاکباز بنا دیتا ہے۔'' نور۲۴: ۲۱

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کی نشاندہی کر رہی ہے' اسمیں رحمت کا تعلق چھپی طاقت'

115 صفحة ملاحظة فرحات

انسانی ضمیر (نفس لوامہ) سے مربوط ہے۔ یعنی قدرت نے پاکبازی اس کی گھٹی میں ڈال دی ہے جو اسے برائیوں سے روکتی رہتی ہے۔ مگر جو ضمیر کو دبا دیتا ہے وہ بدکاریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ البتہ اللہ جنہیں پاک باز بنا کر بھیج دیتا ہے ہمارا فرض ہے کہ ان سے ہدایت حاصل کر کے برائیوں سے باز رہیں تاکہ ظلم سے پاک معاشرہ قائم ہو۔ انہی پاک ہستیوں کی بدولت ہم اپنے ضمیر کو زندہ رکھ سکتے ہیں۔ نماز ہمیں ان ہستیوں سے ہدایت حاصل کرنے کی تاکید کرتی ہے بشرطیکہ اس کے کلمات کو سمجھ کر اور غور کر کے ادا کریں۔ (جو انکا راستہ ہے جن پر تو نے نعمتیں نازل کی ہیں.... حمد ۱:۷)

اگر ہم اپنے اطراف نظر ڈالیں تو صاف نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق حیوانات و نباتات و جمادات کو جو نظم عطا کیا ہے اسمیں (مختصراً) عام طور پر خیر خواہی فیض رسانی ہمدردی وسعتِ قلب دوستی شفقت یگانگت رواداری بے لوثی، خیر اندیشی تواضع مروت لحاظ خدمت صلح و آشتی توازن وغیرہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ انسان کو اللہ نے عقل اور علم و ادراک کی نعمت عطا کر کے ان کی کم و کاست اسکے لئے اختیاری قرار دے دی مگر ضمیر کو اسکا پاسدار و محافظ بنا کر قائم کر دیا۔

احکام الٰہی کا فطرتِ انسانی کے ساتھ ہم آہنگ ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت اور انسان کے لئے بیش بہا عطیہ ہے۔ اس طرح اگر ہمارے اعمال احکامِ الٰہی سے دور ہوئے تو فطرتِ انسانی سے بھی دور ہوں گے اور ضمیر رطبیعت سے موافقت نہیں کرے گی۔ اس کشمکش کی بناء پر ذہنی تناؤ پیدا ہوگا جو بیشتر بیماریوں کی جڑ ہے۔ دنیا قفس بن کر قابلِ زیست نہیں رہے گی اور عقل سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔

علمِ نفسیات یا علمِ روشِ انسانی اپنی شناخت کے ساتھ قرآن کریم و سنتِ رسول کو سمجھنے میں مدد کرتا ہے اور عبودیتِ الٰہی (صرف اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا) آسان بن جاتی ہے۔ ان میں جو حکمتیں پنہاں ہیں انکا علم حاصل کر کے اخلاق کی چوٹیوں کو سر کیا جا سکتا ہے۔ اور انسانیت کی بحالی کیلئے اسلام کی تعمیرِ نو میں معاونت حاصل کی جا سکتی ہے۔

خوفِ خدا میں حکمت

ابھی ہم نے اندازہ لگایا کہ احکامِ الٰہی پر عمل پیرا ہونے سے گریز انسان کے لئے کس طرح عقبی سے محرومیت کا باعث بنتا ہے۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بنیاد رحم پر قائم کی ہے۔ اس سے ایک عندیہ ملتا ہے کہ باریٔ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا قرین قیاس نہیں۔ مگر اس سے ڈرتے رہنے کی جو تاکید کی گئی ہے اسمیں بھی ضرور کوئی حکمت ہے۔

یہ دونوں باتیں اپنی جگہ درست معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اگر انسان احکامِ الٰہی پر پوری طرح عمل پیرا ہوتا ہے تو رحمِ الٰہی کا ضرور حقدار ہوگا' اسے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بصورتِ دیگر اسکی نافرمانی اللہ کی خوشنودی کی مستحق نہیں ہوسکتی نہ رحم کی۔ اس طرح خوفِ خدا سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو برائیوں سے بچا کر زندگی بسر کرنے کی تنبیہ کرتا رہے' تاکہ اسکے اعمال درست رہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے رحم کا حقدار بن سکے۔

عام طور پر لوگ دیکھا دیکھی برائیوں میں مبتلاء ہو جاتے ہیں' اگر ہم اس حکمت الٰہی یعنی خوفِ خدا کا پاس رکھیں تو ہمارا یہ عمل ہمارے حقوق کو محفوظ رکھے گا اور دوسروں کے حقوق بھی تلف نہ ہوسکیں گے۔

چونکہ بیشتر ماحول طاغوتی ہے۔ لہٰذا انسان کے راہِ راست سے بھٹک جانے کا احتمال زیادہ ہے۔ اس سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی مستقل طور پر یاد بڑی حکمت کی مالک ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل کلمات کا موقع ومحل کے لحاظ سے ورد بڑا کارگر ثابت ہوتا ہے۔ ان کے معنی کو سمجھ کر ادا کرنے سے دل گرفتگی پیدا ہوتی ہے' اس طرح سے ابھرے جذبات اللہ تعالیٰ سے قربت کی ضمانت بن جاتے ہیں۔ ان کی تشریح اور ان میں جو مقاصد واقع ہیں باب کلماتِ نماز میں ملاحظہ فرمایئے۔ اسلئے کہ ان میں جو حکمت پنہاں ہے وہاں انکا امکان کی حد تک تذکرہ موجود ہے۔ آسانی کے پیش نظر خلاصتاً فوری استفادے کیلئے یہاں بھی پیش کیا جارہا ہے۔

کوئی استعجاب کا موقع ہو یا اللہ تعالی کی بڑائی منظور ہو: ''اللہ اکبر''

(اسکی کبریائی اور اسکا سب کی حاجات کو پورا کرنا' [اپنی پیدائش و دورِ طفلی کی ناتوانی' دورِ توانائی' بر مقابل انسان اپنے اعمال اور آخر میں قبر میں اتارے جانے کی بے بسی کے منظر پر نظر دوڑائے] اس کا متقاضی ہے کہ ہم اسکی ہدایات پر چلیں' منکسر المزاجی پیدا کریں' غرور و گھمنڈ سے بچیں)

ہر کام کو شروع کرنے سے پہلے: ''بسم اللہ الرحمن الرحیم''

(اس دنیا میں وہ سب پر رحم کرتا ہے' اگر ہمارے اعمال یہاں اسکے احکام کے مطابق رہے تب ہی عقبیٰ میں وہ ہم پر رحم کرے گا۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنے اعمال کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھتے رہیں)

اگر گناہ پر طبیعت راغب ہو جائے: ''مالک یوم الدین''

(اس جہان میں ہمیں جو خود مختاریاں حاصل ہیں' دوسروں پر ظلم کے ساتھ حاکم بنے ہوئے ہیں' یومِ جزا پر باقی نہ رہیں گی۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ اللہ کی عدالت میں رتی برابر بھی فرق نہیں آئیگا۔ بڑی کسمپرسی کا عالم ہوگا۔ جہنم کی آگ سامنے ہوگی۔ اسلئے لازم ہے کہ گناہوں سے کنارہ کش رہیں)

شکر گزاری کے موقع یا اچھا کام انجام دینے پر: ''الحمدللہ''

(پروردگار میں مفاخرت سے بچتا ہوں' عجز کے ساتھ تیرا شکر گزار ہوں، تیری ہی بتائی ہوئی راہ پر گامزن ہوں۔ فقط تیری ہی پرستش کرتا ہوں)

جب اللہ کی پاکیزہ خلقت پر نظر ڈالے یا اسکی پاکیزہ ہدایات کا تذکرہ کرے یا سنے تو:

''سبحان اللہ''

(پروردگار تیری ہر خلقت میں کھلی ہم آہنگی' پاکیزگی و توازن برسرِ کار ہے۔ میں تیری بندگی

میں تیری پاکیزہ ہدایات پر عمل پیرا ہوں اور رہوں گا)

جب محمد و آل محمد علیہم السلام کا تذکرہ آئے: ''اللھم صل علی محمد و آل محمد''

(یا اللہ محمدؐ اور ان کی آل پاکؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے ان کی اتباع کی توفیق عطا فرما' تا کہ میں ان کی ہدایات جو انسانیت کی بہتری کیلئے دراصل تیری ہی ہدایات ہیں۔۔ ہمہ وقت بفکر خدمت انسانیت اپنے آپ کو مشغول رکھوں)۔ جب سارے مسلمانوں کی سوچ میں ان کی اتباع جاگزیں ہو جائے گی' تو جنت فردوس زمین پر خود بخود اتر آئے گی۔

بغیر سوچے سمجھے یا بنا غور و فکر کے ان کلمات کا ورد بے سود ہے۔ بلکہ خود فریبی ہے۔ انسان کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ فقط اعمال کے درست ہونے سے اللہ کی خوشنودی اور دونوں جہاں میں سلامتی حاصل ہو سکتی ہے' جس کے لئے انہیں سمجھنا اور اُن پر غور و فکر کر کے ان میں جو ہدایات مضمر ہیں ان پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف اعمال کی جزا ہے۔

بچوں کو اُن کی صغر سنی ہی سے اس عمل صالح پر ڈالنا اشد ضروری ہے۔ ان میں اسکی عادت ڈال دی جائے اور ان کی سمجھ کے مطابق (چیخ و پکار یعنی تحکمانہ انداز چھوڑ کر۔ محبت بھری مدہم و دل آویز آواز کے ساتھ) خوش اسلوبی و خوش مزاجی کے ساتھ ان کلمات کے مطالب سمجھائے جائیں جیسے جیسے ان کی عمر بڑھتی جائے اس کی مزید وضاحت جاری رکھی جائے۔

بطور یاد دہانی عرض ہے کہ پروردگار عالم اپنی مخلوق کے لئے جس تیزی سے دنیا کو ترقی عطا کرتا جا رہا ہے' انسان کو اس میں جو حکمت کام کر رہی ہے وہ کا مہائے ترقی سے چند قدم آگے بڑھ کر حاصل کرتے رہنا ہوگا' ورنہ وہ معدومیت کا شکار ہو جائے گا۔ (جیسا کہ مسلمانوں کی اس وقت حالت ہے)

اس عمل حکمت کو سمجھنے کیلئے عقل بڑھانے کی رفتار میں مستقل طور پر اضافہ قائم رکھنا اس کا لازمہ ہے۔ حکمت کی باریکیوں کو سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہوگی۔ اسلئے اشد ضروری ہے کہ کوئی لمحہ ایسا نہ ہو کہ حصول علم کے عمل سے روگردانی رہے۔ تقویٰ کی بلندیوں کے ہمراہ' سود مند اعلیٰ

وارفع علوم کی تحصیل۔

قیام نماز میں جو حکمت پنہاں ہے اسے ہم نے مختصراً سمجھنے کی کوشش کی۔ آئندہ باب میں قیام میں جو رموز واقع ہیں اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان کا ایک جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

✿✿✿✿

باب۴

قیام

بسمہ سبحانہ

قیام

''ان لوگوں کو اگر ہم زمین میں اقتدار دے دیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔''

حج ۴۲:۲۲

''اور نماز قائم کرو مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔'' روم ۳۱:۳۱

''اور بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے' تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں۔'' حدید ۲۵:۵۷

قاموس قرآن جلد ۶ صفحہ ۴۷ تا ۵۳ آیات قرآن کے ذیل میں قیام کے وسیع معنی درج کئے گئے ہیں' ان میں سے اٹھ کھڑے ہونا' عزم و ارادہ' ایفائے حق' بطور ملازم رخ دین کی طرف رکھنا' ثابت قدم رہنا' سرپرستی' پیوستہ بہ عدالت' اصلاح' حفاظت' استقامت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بطور خلاصہ اللہ کی راہ میں باطل کے سامنے سینہ تان کے کھڑے ہو جانا اور فلاح انسانی کے لئے اجتماعی کوشش وغیرہ ہے۔ (چونکہ شیطان کی راہ اختیار کرنا اللہ کے مقابلے میں دوسری قوت

کے سامنے تسلیم ہو جاتا ہے' یہ عمل تقریباً شرک کے خانے میں جا پڑتا ہے۔ قطعی طور پر اس سے دوری اختیار کرنا اسی دائرے میں آتا ہے)

قیامِ نماز انسان ساز ہے' یہ انسان کو اللہ کا مطیع عبد بناتا ہے' اسے طاغوتی بداعمالیوں سے دور رکھتا ہے' اللہ کے راستے پر عمل پیرا رکھتا ہے' اور حفاظت کے ساتھ دنیا کے شب و روز کی مسافرت طے کرتے ہوئے اسے اس کے مالک سے ملا دیتا ہے۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ جب معاشرے میں ابتری آ جائے تو حق سے پیوستہ رہ کر اس کے ہر پہلو علمی' دینی' معاشرتی' اقتصادی' ثقافتی' اخلاقی وغیرہ پر نظر رکھتے ہوئے پوری کوشش کے ساتھ اصلاح میں مشغول ہو جایا جائے۔

اس اجتماعی کوشش میں حصہ لینے والا مجاہد قرآن و سنتِ رسول و آلِ رسول کے احکام کے مطابق مہر و محبت کا دلدادہ' سب کا خیر خواہ' دشمن پر بھی بزم و رزم میں مہربان' کسی سے پرخاش نہیں رکھتا' نہ انتقام کا طالب ہوتا ہے۔ وہ شورش و ستمگری' تعصب و نژاد پرستی' جبر و مال و اقتدار کے لالچ سے اجتناب کرتا ہے' طبقاتی نظام کو ختم کر کے عدل و انصاف' مساوات و برابری کو فروغ دیتا ہے' بلند اخلاق کو اپنائے ہوئے' ذلیل و خوار کو باوقار کمزور کو توانا بننے میں معاون ثابت ہوتا ہے' دل بستگی کے ساتھ انسانی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

باوجود اسکے کہ اس کوشش کی انجام دہی میں وہ رنج والم میں بھی گرفتار ہوتا ہے ہمت نہیں ہارتا' ساری مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔

وہ اپنی عقلی' فکری' مالی' سطح کو بلند کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو نادانی و جہالت' تنگ دستی سے دور رکھنے کے لئے اپنی سعی کو مستقل طور پر جاری رکھتا ہے۔ صلح صفائی' اتحاد کا دامن ہمیشہ

ہاتھ میں رکھتا ہے۔ اس طرح یہ بات سامنے آتی ہے کہ:

''باطل کی نابودی اور حق کا استحکام' قیام نماز کا ہدف ہے۔''

سورۂ حدید کی پچیسویں آیت واضح طور پر نشاندہی کر رہی ہے کہ قیام معاشرے میں اللہ کی ہدایت کے مطابق عدل وانصاف کے ساتھ متوازن حالت میں قائم رہنے کے لئے ہے۔

قیام کی ہر زمانے میں ضرورت رہی ہے۔ تاریخ عالم جلی الفاظ میں نشاندہی کرتی ہے کہ لوٹ پھوٹ اور مستکبرین کے ظلم وستم سے کوئی زمانہ خالی نہیں تھا۔ قرآن مجید بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

اس سلسلے میں قدرت کی طرف سے ہدایت کا مستقل انتظام رہا ہے۔ انبیاء' مرسلین وائمہ جان جوکھوں میں ڈال کر خود اور عوام کو بھی قیام کی ترغیب دے کر اس کام کو انجام دیتے رہے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ ایک فطری وغیر ارادی عمل بھی ہے کہ ظلم وجور کی جب کہیں زیادتی ہو جاتی ہے' انسان اسکے خلاف خم ٹھونک کر مقابلے میں کود پڑتا ہے' بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

آیات قرآنی میں نماز قائم کرنے کا جہاں کہیں بھی تذکرہ آیا ہے' قطعی اور نہایت نمایاں صورت لئے ہوئے ہے۔ کچھ حوالے درج ذیل ہیں جن سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ نماز کا قیام ایک اجتماعی فریضہ ہے۔ روم: ۳۱' نور: ۵۶' حج: ۷۸' بقرہ: ۱۱۰' بقرہ: ۸۳' ابراہیم: ۳۱' بینہ: ۵' مزمل: ۲۰ وغیرہ

نماز مکتبِ الٰہی برائے قیام

نماز اسی قیام کو جاری رکھنے کے لئے قدرت کی طرف سے انسانی تربیت کا ایک مستحکم مکتب ہے۔ یہ تربیت گاہ روزانہ پانچ مرتبہ قیام کی تعلیم کے لئے ترتیب دی گئی ہے' تاکہ اسلام کے شیدائی

اسکی طرف مستقل طور پر راغب رہ کر مظالم کا قلع قمع کرتے رہیں۔

اسکے برخلاف امر الٰہی کا یہ مکتب ایسوں کے ہاتھ جا لگا جو ظالم مستکبرین کے ساتھی تھے۔ انھوں نے اسکے مقاصد کو تحریفِ معنوی کے ذریعے مسخ کر دیا۔ اسکی قوت سلب کر کے اسے ناکارہ بنا دیا۔ اب یہ ایک رسم ہے جو روزانہ پانچ مرتبہ مقصد سے بے تعلق ادا ہو رہی ہے۔ اس طرح قیام نماز اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھا ہے۔

مسلمان امتِ وسط

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اے میرے معبود! میرے ظاہر کو اپنی اطاعت سے، میرے باطن کو اپنی محبت سے، میرے قلب کو اپنی معرفت سے، میری روح کو اپنے جمال کے مشاہدے سے اور میرے دل کی گہرائی کو اپنی حضوری سے منور فرما۔''

موتیوں سے جڑی ہوئی جناب امیر علیہ السلام کی یہ حسین و انوکھی دعا دیکھیے۔ کسی اور کے کلام میں طاقت نہیں کہ اپنی وارفتگی کا اس طرح سے اعتراف کرے۔ عجب پرستاری و اظہار عبودیت ہے کہ جس میں بندہ ہمہ تن اپنے مالک حقیقی کا گرویدہ ہو کر رہ جائے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ کے اس کلام کی تفسیر ہے جہاں مسلمان کو ''امت وسط'' کہا گیا ہے۔ یعنی متوازن اور اعتدال پسند امت جو کاملاً اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ، ہمہ تن دست بہ حلم و سنجیدگی احکام باری تعالیٰ پر عامل ہو۔

باری تعالیٰ سورہ شمس ۹۱ آیت ۹ اور ۱۰ میں گیارہ بڑی قسمیں کھا کر فرماتا ہے:

''یقیناً بامراد ہو گیا جس نے اپنی جان کو پاک کر لیا اور یقیناً وہ نامراد رہا جس نے اسے آلودہ کر دیا۔''

اللہ تعالیٰ کا اس طرح قسم کھانا کسی اور بات کی نشان دہی نہیں کرتا سوائے اس کے کہ جو بات کہنا مقصود ہے وہ بڑی عظمت کی مالک ہے۔ مختصراً یہ ایک دعوت ہے کہ انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے' آیا اس کے اعمال خلوص کے ساتھ حسب فرامین خدا اور رسول ہیں؟؟ تا کہ اسکی طرف متوجہ رہ کر رضائے الٰہی حاصل کر سکے۔ جب کہ حصولِ رضائے الٰہی خلوص و سچائی کے ساتھ نیک اعمال پر جمے رہنے یا نیکی کرنے میں ہے۔

قرآن میں نیکی کی وضاحت متعدد جگہوں پر ملے گی' ایک مشہور آیت ہے:

''نیکی یہ نہیں کہ اپنا رخ مشرق و مغرب کی طرف کر لو' بلکہ اس شخص کا حصّہ ہے جو اللہ و آخرت' ملائکہ و کتاب و انبیا پر ایمان لائے اور محبت خدا میں قرابتداروں' مسکینوں' غربت زدہ مسافروں' سوال کرنے والوں اور غلاموں کو مال دے اور نماز قائم کرے زکواۃ ادا کرے اور جو بھی عہد کرے پورا کرے اور فقر و فاقہ اور پریشانیوں اور بیماریوں اور جنگ کی حالت میں صبر کرنے والا ہو۔ تو یہی لوگ اپنے دعوائے ایمان و احسان میں سچے اور یہی لوگ صاحب تقویٰ اور پرہیزگار ہیں۔'' بقرہ ۲: ۱۷۷

خلاصہ یہ کہ:

قیام' برائے حصولِ خوشنودیٔ خدا اس سے محبت ہے' جس میں اللہ کی راہ میں اجتماعی طور پر مالی ایثار' معاملات میں اخلاقی طور پر صبر و استقامت کے ساتھ وعدوں کا پورا کرنا صاف

ظاہر ہے۔

قیام برائے تبلیغ و ترویج اسلام ہے۔ اسلام صلح و آشتی کا مذہب ہے۔ وہ انسانیت کو بلا تفریق مذہب و ملت ضعیف کو ظالم کے ہاتھوں پامال ہوتا نہیں دیکھنا چاہتا۔

یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ دنیا کے تمام افراد سوائے انسانیت کے کسی چیز میں برابر نہیں ہیں۔ ہر ایک کی فکری، عقلی، نفسیاتی اور حیاتیاتی صلاحیتیں الگ ہیں، ہر ایک کی ظاہری و باطنی قابلیتیں جدا جدا ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی اور دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کی صلاحیتیں بھی علیحدہ علیحدہ استعداد کے مطابق ہیں۔

اجتماعی نظام میں مسئلہ صرف فرد یا اسکی ضروریات کو پورا کرنا نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ پورے معاشرے کی ضروریات کے درمیان کیونکر توازن پیدا کیا جائے؟ یہ پیش نظر رکھتے ہوئے کہ دنیا میں لوٹ کھسوٹ کا نظام جاری ہے، وہ کیسے روابط و تعلقات ہوں جن کی بنیاد پر تمام افراد کی ضرورتیں پوری ہو سکیں؟ یہی وہ مقام ہے جہاں قیام لازمی امر بن جاتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں اسلام اپنے دامن میں اس مسئلے کا کیا حل رکھتا ہے۔ مشہور و معروف حدیث رسولؐ ہے: (مفہوم)

''اپنے مکان کی دیوار ہمسائے کی دیوار سے اونچی نہ اٹھاؤ۔''

یہ حدیث عظمتِ اخوتِ اسلامی کی علم بردار ہے۔ اپنے دستِ شفقت کو ہمسایوں خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے متعلق ہوں، دست بدست زنجیر کی کڑیوں کی طرح جوڑ کر ساری دنیا کو اپنے دامن اتحاد و معاونت میں سمیٹ لینے کی سبیلِ بے کراں بن جاتی ہے۔ بات دیوار کی حد تک محدود نہیں، دیوار فقط اشارہ ہے۔

حقیقت میں یہ حسن اتحاد و اخلاق کے ساتھ اقتصاد اسلامی کی لامتناہی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، جو ہمیشہ جاری رہے۔ یہ حدیث فقط مسلمانوں کی حد تک قانع نہیں بلکہ

پورے انسانی معاشرے کا بلا قیدِ مذہب وملت اس سے مستفید ہونا مراد ہے۔

اسکا مقصد امداد و باہمی ہے۔جس میں شغل برائے حصولِ معاش' صحت' رہائش' سماجی' فکری' روحانی' ثقافتی اور عملی معاملات آجاتے ہیں۔اس طرح بھوک و ننگ' فقر و جہل' بیماری و بے سرو سامانی' ظلم و ناانصافی' حرام و بد اخلاقی سے پاک ایک معاشرہ وجود میں آجاتا ہے اور انسانیت سسکنے سے بچ جاتی ہے۔

ایک اور حدیثِ رسولؐ ملاحظہ فرمائیے:

''وہ جو صبحگاہی بغیر اس عزم کے بیدار ہوتا ہے کہ اپنے ساتھی مسلمانوں کی مدد کرے گا' مسلمان نہیں۔''

یہ حدیث بھی مذکورہ بالا حدیث کی معاونت کرتی ہے۔ہوسکتا ہے کہ انسانوں کی جگہ مرورِ زمانہ کے ساتھ مسلمانوں کا لفظ آگیا ہو۔مگر مقصد انسانیت کی سلامتی کی جانب ذہنوں کو راغب رکھنا ہے۔یعنی جو بھی کام انسان انجام دے اس میں فلاحِ انسانی ملحوظِ خاطر ہو۔

ایک روایت جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے منسوب ہے: (مفہوم)

''امام حسن علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کو اللہ سے دعا کرتے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی دعاؤں میں جو کچھ بھی مانگتی ہیں وہ دوسروں کے لئے ہوتا ہے۔دریافت کرتے ہیں: مادرِ گرامی! آپ دوسروں کیلئے دعائیں کرتی ہیں' اپنے لئے کچھ بھی دعا نہیں کرتیں! جناب سیدہ جواب دیتی ہیں: بیٹے! پہلے دوسرے پھر ہم۔''

اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف جناب سیدہ بلکہ خاندانِ اہلِ بیتِ عصمت

وطہارت کے تمام افراد ہمیشہ دوسروں کی بھلائی کی فکر میں رہتے تھے۔ اپنے سے پہلے دوسروں کی بہتری کے بارے میں سوچتے تھے۔ اپنے سے پہلے دوسروں کی بابت فکر کرنا ایک ایسی فداکاری و ایثار ہے جو انسان کو انسانیت کی معراج پر پہنچا دیتا ہے۔

یہ ایک ایسی اچھوتی فکر ہے جو بنی نوع انسان کے ہر فرد کو ہمدردی ومحبت کے بندھن میں تسبیح کے دانوں کی طرح ایک دوسرے سے پیوست کر کے دنیا کو جنت نما بنا دیتی ہے۔ گویا حضرت آدم دوبارہ جنت میں گدی نشیں ہو گئے۔

یہ اجرائے قیام کے سلیقے ہیں جو ہمیں درگاہ محمد وآل محمد ہی سے موصول ہوئے ہیں۔

ایک عورت گلی سے گزرتے ہوئے اللہ کے رسول کو حجرے میں زمین پر بیٹھا دیکھ کر تعجب کرتی ہے اور فرش خاک پر بیٹھنے کا سبب دریافت کرتی ہے۔ آپ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

مجھ سے بڑھ کر اللہ کا ادنیٰ غلام کون ہو سکتا ہے؟

عورت رسول کی مادی عظمت کی تلاش میں تھی۔ مٹی کے فرش پر رسول کا بیٹھا ہونا اس کے لئے اچنبھے کی بات تھی۔ اس کے خیال میں انہیں اللہ کا رسول ہونے کی حیثیت سے زرق برق مسند پر بیٹھا ہونا چاہئے تھا۔

رسول کے جواب نے امارت وفخر ومباہات اور خودخواہی وخود پرستی کو مٹی میں ملا دیا۔ بندگیٔ خدا میں مٹی سے پیوست ہو کر (جسے حقیر سمجھا جاتا ہے) انکساری وخشوع وخضوع کو فضیلت وبلندی عطا کر دی۔ جو اللہ کے بلند ترین بندے کا شیوہ قرار پایا' جو اسکے پیروکاروں کے لئے نمونہ بن گیا۔ اگر رسول فقیر ترین لوگوں کی جگہ پر بیٹھنے میں بلندی محسوس کرتے ہیں' مسندِ خاکی پر نشست و

برخاست سے ہی دکھی وفقر زدہ انسانیت کے لئے خدمت کے منصوبے بناتے ہیں' اپنے آپ کو: ''مجھ سے بڑھ کر اللہ کا ادنیٰ غلام کون ہو سکتا ہے؟'' کہہ کر فخر محسوس کرتے ہیں' تو پھر آسمان سے باتیں کرتے ہوئے محلوں کے مکینوں کا کیا مقام ہوگا۔ حضرت موسیٰ کے مقابلے میں فرعون کا حشر دنیاوالوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا!!

اس ترقی یافتہ زمانے میں بھی جب کہ علم وحکمت اور ٹیکنالوجی آسمان سے باتیں کررہی ہے' ہر چیز کی فراوانی ہے ایک جمع غفیر ہے جس کا اوڑھنا بچھونا مٹی ہے۔ جہالت و پسماندگی ان کی قسمت بنی ہوئی ہے۔ فراوانی میں غرق شقی القلب قوم ایک لمحے کے لئے بھی ان کی بھوک وافلاس کا احساس نہیں کر پاتی۔ ان پر کیا فرض ہے؟ انسانیت کیلئے قیام!!

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مدعا چاہے

علم کے اعلیٰ مقامات حاصل کریں تا کہ انسان کی حقیقت روشن ہو جائے' خود اور دوسروں کو روشن فکر بنائیں۔ اپنی گاڑھی کمائیوں میں سے جو بچے اسے مفلس ونادار افراد کی بحالی کے لئے خرچ کریں' یہی رسول کی تمنا تھی۔ اگر انہیں اپنا ہادی مانتے ہیں' تو ان کی پیروی کیجئے' ورنہ شیطان کی پیروی تو ہو ہی رہی ہے۔

ہمارے علم میں ہے کہ رسول کو رسالت کا کام ترک کرنے کے بدلے بڑے بڑے لالچ دیئے گئے تھے۔ چونکہ یہ بات اطاعت الٰہی کے منافی تھی لہٰذا انہوں نے امارت کی تمنا نہیں کی' آرام وآسائش کی پیشکش قبول نہیں کی اور جس ہدایت کے لئے اللہ نے انہیں بھیجا تھا تنگی ومشکلات کا سامنا کرنے کے باوجود اس ہدایت کا کام جاری رکھا' اف تک نہ کی' پھر بھی نافرمان قوم کے لئے اللہ سے دعا ہی کرتے رہے۔ ایک جملہ لب رسول پر آیا اور طاغوت کے خلاف قیام کا درجہ اختیار کر گیا کہ: مجھ سے بڑھ کر اللہ کا ادنیٰ غلام کون ہو سکتا ہے؟!!

اسلامی نظامِ اقتصاد

دنیا میں رائج اقتصادی نظام دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے کا نظام ہے اور کسی نہ کسی شکل میں سرمایہ داری ہے۔ امداد کا خفی طور پر نام سود در سود پر کمر توڑ قرضہ ہے۔ تیسری دنیا جس میں بیشتر (دین سے کنارہ کش) مسلم اکثریتی ممالک ہیں اس قسم کے قرضوں کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ ان قرضوں کا نظام اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ یہ تاتواں امداد دینے والوں کے غلام ممالک اس بارگراں کو کبھی بھی اتار نہ پائیں' ہمیشہ تیسری دنیا کے نام سے پکارے جائیں اور تنزلی ان کی قسمت بنی رہے۔

اسلامی نظامِ اقتصاد سود کو حرام قرار دیتا ہے جو فقر کی اصل جڑ ہے۔ اس کی اصل و مرکزی خوبی مل بانٹ کے کھانا ہے۔ جسے انگریزی میں ''شیئرنگ'' کہتے ہیں۔

''اے پیغمبر! یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں۔ فرما دیجئے جو ضرورت سے بچ جائے۔'' بقرہ ۲:۲۱۹

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہمارے پاس جو دولت ہے وہ اصل میں اللہ کی ہے۔ ہم نے اسے اسی کے دیئے ہوئے علم' عقل' سمجھ بوجھ اور جسمانی قوت سے کمایا ہے۔ گویا جہاں دنیا کی دوسری بے انتہا چیزیں ہمارے معبود نے ہمارے عبد (یعنی اللہ کے غلام) کے مصرف کے لئے ہم کو عطا کی ہیں' وہیں مال و دولت بھی اسی کی عطا ہے۔ ہم اسے صرف اپنے آقا یا معبود کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق خرچ کرنے کے حقدار ہیں۔

''اے ایمان والو! تمہیں جو رزق دیا گیا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرو

اس سے قبل کہ وہ دن آ جائے جس دن نہ تجارت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش۔اور کفار ہی اصل میں ظالم ہیں۔'' بقرہ۲:۲۵۴

بجائے اسکے کہ تجوری ایک خطیر رقم سے ہمیشہ بھری رہے' اگر اسے عوام کی بہبود کے لئے' تعلیم وتربیت' تحقیقات واختراع پر خرچ کر دیا جائے' تو پسماندگی دانشمندانہ منصوبہ بندی کے ذریعے ترقی کا رخ اختیار کرلے گی۔ ہر فرد کی کارکردگی بہتر صورت اختیار کر کے خوش حال معاشرہ وجود میں لے آئے گی۔اس امر ربی کے لئے قیام کی ضرورت ہے' اسلئے کہ معاشرے کو اس قسم کے طرز معاشرت کی پہچان نہیں۔

خداوند کریم روشن فکر لوگوں کو اسی لئے پیدا کرتا ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور انسانیت کو جہل وناعاقبت اندیشی اور بے فکری سے نجات دلائیں۔اس خداداد صلاحیت کو اگر وہ اللہ کی مرضی کے مطابق مصرف میں نہ لائیں اور اس امر میں تساہل سے کام لیں' بے حسی میں مبتلا رہیں' تو ان کی گردن نار جہنم سے بچ نہیں پائے گی۔نجات اسی میں ہے کہ اس الٰہی امر کے لئے قیام کریں اور خوشنودئ خدا حاصل کریں۔

قیامِ امام حسین علیہ اسلام

جب کربلا میں حسین ابن علی' ان کا پورا خاندان اور ان کے انصار یزیدی لشکر کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے' تو اس موقع پر امام حسین علیہ السلام نے اپنے خطبے میں بتایا تھا کہ ان کا قیام اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لئے ہے' جو یزید جیسے ظالم' غاصب' فاسق وفاجر کے زیر حکومت تباہ حال ہے۔

سارے انبیاء نے اپنے زمانے کے متکبر و جابر حکمرانوں کے خلاف قیام کیا۔امام

عالیمقام کا یہ قیام منشائے قرآن وقیامہائے حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، رسالت مآب اور دیگر انبیاء ومرسلین جو ظلم وتعدی کے خلاف تھے، ان کے اس نظریئے کی حفاظت کے لئے تھا۔ ان کے اس قیام نے دین اسلام کو دوبارہ زندگی بخشی، جسے اموی خاندان یکسر نابود کرنے کے لئے کوشاں تھا۔

اصلاح اور ترویجِ اخلاق اسلامی کے لئے قیام میں اگر جان بھی کام آجائے تو رائیگاں نہیں جاتی، زندۂ جاوید بنادیتی ہے، وہ شہادت کا درجہ اختیار کرلیتی ہے۔ لوگ مظلوم پر ظلم ہوتا دیکھیں اور خاموش بیٹھے رہیں، تو ایسے لوگ ظالم کے خانے میں آن پڑتے ہیں۔ ان کا اللہ کے غضب سے بچنا محال ہوگا۔ اس دنیا میں بھی مظالم کے اثرات ایسے لوگوں کو کسی نہ کسی وقت اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

انعقادِ عاشورہ

عاشورہ برپا کرنے کا مقصد امام حسین علیہ السلام کے مشن کو زندہ رکھنا ہے۔ مجالس، جلوس اور جلسے پیغامِ حسینی کو دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچا کر اسلام کی صداقت کو اجاگر کرکے ذہنوں کو اس کی حقیقتوں کی طرف متوجہ رکھنے کے لئے ہیں، جو اسلام وانسانیت کی بقا وسلامتی کے مرادف ہے۔

کیا یہ مجالس اور جلوس صراطِ مستقیم کے مظہر ہیں؟

کربلا مسلمانوں کا جزوِ ایمان ہے۔ عاشورہ قربانی کا حوصلہ اور ہمت کی تجدید کا موقع ہے۔ جہاں روحِ عاشورہ کارفرما ہو اور انسان دامے، درمے، سخنے، قلمے عاشورہ کی یاد منانے میں شریک ہو تو اس میں جذبۂ قیام وقربانی بیدار ہو جائے گا، وہ عبدیت باری تعالیٰ سے قریب تر ہو جائے گا۔ اس کے دل ودماغ میں اسلامی تعلیمات پیوست ہو جائیں گی۔ وہ اپنے وجود کو اسلامی

سانچے میں ڈھال لے گا۔

نوحہ و ماتم' نالہ وشیون کے ذریعے مظلوم کی حمایت کا اعلان کر کے ظلم کو بے نقاب کیا جائے' مگر دوسروں کی دل آزاری سے گریز لازم ہے۔ دل آزاری نفرت کو جنم دیتی ہے۔ جڑے ہوئے دلوں کو منتشر کر دیتی ہے۔ جب مقصد قوانین اسلامی کے نفاذ کے ذریعے امت کی اصلاح ہے' تو ایسے طریقے اختیار کرنا ہوں گے جو اس کی طرف رغبت پیدا کریں' نہ کہ اس سے نفرت۔

ان دنوں جس طرح عاشورہ منایا جا رہا ہے' بیشتر بے جان رسموں کی آماجگاہ بن گیا ہے' جس میں مقصدِ عاشورہ کا سراغ نہیں ملتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے امام نے جس مقصد کے لئے بے مثال قربانی پیش کر کے قیام کیا تھا' اس میں سے مقصد کھینچ کر باہر نکال دیا گیا ہے اور سینے کی تھاپ پر حسین حسین کا راگ الاپا جا رہا ہے۔

اگر مسلمان بن کر رہنا ہے تو اس کی تجدید کرنا ہوگی۔ اسکے لئے عاشورہ کے مراسم کو امام کی تعلیمات پر مبنی دروس کی تبلیغ کا مظہر بنانا ہوگا۔ خصوصاً یہ کہ انہوں نے اپنے قیام کے ذریعے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تفسیر پیش کی کہ مسلمان اسے اپنا کر دنیا کو امن و آشتی کا گہوارہ بنا دیں۔

ٹوٹ پھوٹ کی باتوں کو منبر سے دُھراتے رہنا ملت کا وقت اور اسکی گاڑھی کمائی ضائع کرنا ہے' وحدتِ ملی کو پارہ پارہ کر کے امت محمدی کو شکاریوں کا آسان نشانہ بنانا ہے۔ آج اس طرز تبلیغ کا دَور دَورا ہے جو شہادتِ عظمیٰ کے مقاصد پر پانی پھیر رہی ہے۔ چونکہ اسکی اصلاح اشد ضروری ہے' لہٰذا اسکے خلاف قیام لازم ہو جاتا ہے۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے منبر ہی پر بیٹھ کر لوگوں کو مخاطب کیا تھا۔ نہج البلاغہ میں درج خطبات انہوں نے منبر سے جاری کئے تھے۔ یہ مسلمانوں کی اصلاح اور ترویج اخلاق اسلامی کے لئے تھے' ان میں دنگا و فساد نام و نشان کے لئے بھی نہیں۔ ان کی قبل از خلافت زندگی بھی اتحاد بین المسلمین کا مرقع ہے۔

نماز کے کلمات پر غور، فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذریعے ہم اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اسکی مخلوق کو مظالم سے بچانے اس کے آرام و آسائش، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے اسکی اصلاح اور ترقی وغیرہ کے لئے ہمہ وقت ایثار و قربانی کے ساتھ مشغول رہیں گے۔ یہی وہ قیام ہے جس پر نماز دن میں پانچ مرتبہ وقفے وقفے سے یاددہانی کرا کے ہمیں آمادہ کرتی ہے۔ اسلئے لازم ہے کہ ہم اتحاد کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ جو علماء یا ذاکرین منبر سے تعصب بھرے مناظرے بیان کرتے ہیں، تبلیغ دین نہیں کرتے، ان کے خلاف متحد ہو کر قیام کریں۔ نماز اسی لئے باجماعت ہے۔ یہ ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے لئے ایک ذریعہ ہے اور امور مسلمین کو درست حالت میں رکھنے کے لئے قیام میں بدرجۂ اولی مددگار ہے۔ قیام و نماز ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔

اسلام کسی بھی صورت میں مسلمانوں کی صفوں میں شکست خوردگی قبول نہیں کرتا۔ ایسا کوئی بھی قدم نہیں اٹھنا چاہئے جو محمد و آل محمد علیہم السلام کے ماننے والوں کے دامن پر دھبہ بن جائے۔

انتظارِ قائم علیہ السلام

ہمیں اس عظیم و اہم قیام کی طرف اپنے ذہن کو مبذول رکھنا ہے جس کا ہمیں انتظار ہے۔ یہ انتظار بھی اسی طرح معطل ہے، جس طرح ہمارے دوسرے فرائض، جن کا تذکرہ ہم کرتے چلے آئے ہیں۔ یعنی مفاد پرستوں اور استعمار کی سازشیں جنہوں نے اسلام کے تمام مثبت مفاہیم کو منفی بنا کر رکھ دیا ہے اور غیبت امام کو معاشرے سے قطع تعلقی اور بے خبری باور کرا دیا گیا ہے۔ جبکہ اسلام کے ہر نظریئے اور عقیدے میں عملی تحریک پائی جاتی ہے۔

انتظار امام کا تذکرہ تو ہم کرتے رہتے ہیں مگر اسکے مقاصد سے ناآشنا ہیں۔ انتظار امام زمانہ علیہ السلام، جن کا نام لیتے وقت 'فرض' سمجھ کر ہم کھڑے ہو جاتے ہیں' سر پر ہاتھ رکھ لیتے

ہیں اور بس۔ جبکہ یہ امام سے ہمارا ایک اقرار ہے! یہ سر حاضر ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں' ہمارا سر بھی کٹ جائے تو کوئی پروا نہیں' مگر ہمیں ظلم کے خلاف قیام سے غفلت گوارہ نہیں۔ امام رضا علیہ السلام' امامِ زمانہ کو قائم کہہ کر یاد کرتے تھے۔ جب بھی ان کا نام زبان پر آتا' ان کے احترام میں سر پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔

غیبت و انتظارِ امامؑ

امام کی حیثیت آفاقی ہوتی ہے۔ دوسرے ائمہؑ کے ادوار میں بھی لوگ ان کی زیارت کے لئے حاضری نہیں دے پاتے تھے' اسلئے کہ عام طور پر حکمران انہیں لوگوں سے دور رکھنے کے لئے زندان میں رکھ چھوڑتے تھے۔ ایسا نہیں ہے کہ امامِ زمانہ کہیں چھپے بیٹھے ہیں۔ آپ معاشرے میں رہتے ہیں۔ اکثر اوقات لوگوں کے سامنے آتے رہتے ہیں۔ ان کی مدد کرتے ہیں۔ چونکہ ان کی شخصیت کا ہمیں پتہ نہیں ہے۔ ان کی معرفت نہیں ہے۔ جب مشکل مراحل میں لوگوں کی امداد کے بعد وہ خاموشی کے ساتھ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں' تب انہیں احساس ہوتا ہے کہ بلا شبہ یہ امام ہی تھے۔ اسلئے کہ جن حالات اور ضروریات کے تحت انہوں نے بے لوث امداد فرمائی تھی' ان کی موجودگی یقین پیدا کر دیتی ہے۔

ان کی حفاظت چونکہ قدرت کو مقدم ہے' وقت کا تقاضا ہے کہ وہ نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ قرآن میں اسکی پیشین گوئی موجود ہے: یہ لوگ نورِ خدا کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں' جبکہ خدا اپنے اس نور کو اپنے منصوبے کے تحت بہر حال قائم رکھنے والا ہے' چاہے کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

امام کے ظہور کا مقصد ظلم و جور سے بھری دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دینا ہے۔ اسلئے انتظار کرنے والوں کا فریضہ ہے کہ تقیہ کا دامن ہاتھ میں رکھ کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر (کو شجر

ممنوعہ نہ سمجھتے ہوئے) کے ذریعے ظلم کی نابودی میں مشغول رہیں اور عدل و انصاف کے لئے راہ ہموار کرتے رہیں۔

کسی مشکل کام کو انجام دینے کیلئے رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔امام نے عوام کیلئے اپنے دورِ غیبتِ صغریٰ کی سفارت اور دورِ غیبتِ کبریٰ کی نیابت ایسے علماء کے حوالے کی ہے جو امام کی وفاداری اور اطاعت کے ساتھ اپنے نفس کی حفاظت کرنے والے اور دین کو خطرات سے بچانے والے ہوں' تا کہ اُن پر مسلمانوں کا اعتماد و اعتبار قائم رہے۔

یہ علماء کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو ظلم کے خلاف وقتاً فوقتاً دور اندیشی کے ساتھ چھوٹے موٹے انقلاب یا قیام کی عملاً تربیت دیتے رہیں' تا کہ یہ امران کی عادت میں شامل رہے (جیسا کہ ہم دعا کرتے رہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں امام کے اعوان و انصار میں شامل کر لے) اور ہر زمانے میں امام کے ظہور کے واسطے ایک چاق و چوبند فوج پہلے سے تیار رہے۔ایسا نہ ہو کہ امامِ زمانہ کے قیام کے وقت ان کے نام کا دم بھرنے والے ٹال مٹول میں مبتلا ہو جائیں اور تربیت نہ ہونے کی وجہ سے یہی سوچتے رہ جائیں کہ کیا کیا جائے۔

دورِ حاضر میں ہمیں یہ معلوم کرتے رہنا چاہئے کہ معاشرے میں کہاں اخلاقِ حمیدہ سے روگردانی ہو رہی ہے کہ اس سے اثر انداز ہو کر انسانیت پامال ہے۔ یہی وہ مقامات ہیں جہاں مسلمانوں کو قیام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔امام کے دورِ غیبت میں قیام کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جہاد کے لئے تلوار کھینچ لی جائے۔ذیل میں ایسے امور کی ایک سرسری سی فہرست پیش کی جارہی ہے جن کے خلاف قیام لازم ہے۔

جہالت: یہ ایک بڑا مسئلہ ہے، جس پر قابو پانے سے مسلمان ہمیشہ قاصر رہا ہے۔

بے حجابی: جس نے تقدسِ اسلامی کو پامال کر دیا ہے' بے حیائی کو فروغ دیا ہے۔

بے شرمی: معاشرے میں ننگا پن بڑھتا جا رہا ہے۔

آوارگی: سے نوجوانوں کو بچانے کی ضرورت ہے جو بڑھتی جارہی ہے۔
تعصب: مسلمانوں کے اتحاد میں بڑا رخنہ ہے جس نے ان کی گردن میں غلامی کی زنجیر ڈال دی ہے۔
بے دینی: علمائے سو کی تفرقہ اندازی کی وجہ سے بے دینی پھیل گئی ہے۔
منشیات: افرادی قوت کی ایک بڑی تعداد اس میں مبتلا ہے جو ملت پر بڑا بوجھ ہے۔
دکھاوے کی بے مقصد رسومات: جن پر ایک کثیر رقم اور بے تحاشہ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ اس مال کو انسانیت کی بحالی پر صرف ہونا چاہئے۔
تخریب کاری: نے مسلمانوں کی ترقی کی راہوں کو مسدود کر دیا ہے۔ اس سے نجات۔
ظالموں سے انسانیت کو محفوظ رکھنا۔
فقر و ناداری: سے نجات دلا کر فقرا کی بحالی۔

انقلابِ اسلامی ایران میں لوگ تنخواہ دار پہلوی فوج کے سامنے تخریب کاری سے اجتناب کرتے ہوئے سینہ تان کے کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ مخلص علماء کی برسہا برس کی تربیت کا نتیجہ تھا جو ثمر لایا' استعمار کے ساتھی شاہ کو فرار کے علاوہ کوئی صورت نظر نہ آئی۔ دنیا حیران و پریشان تھی کہ یہ قوت لوگوں میں کیسے اور کہاں سے آ گئی۔

قیام و نماز لازم و ملزوم ہیں۔ نماز' قیام کیلئے قوت کا سرچشمہ ہے۔ مندرجہ بالا مقالہ اس قوت کا پوری طرح احاطہ کرنے سے قاصر ہے' یہ فقط اسکی معمولی سی جھلک ہے۔

قیام کس طرح اپنے سرچشمے سے قوت حاصل کرتا ہے؟ یہ وہ کلمات ہیں جو نماز میں ادا ہوتے ہیں۔ یہ اسمِ اعظم کی قوتوں کے مالک ہیں۔ جب ہم ان کے باطن میں غوطہ زن ہوں گے' قوتوں کا ذخار سمندر قیام کو سہارا دینے کیلئے آمادہ نظر آئے گا۔ یہ کلمات بے حساب حرکت دینے کی استعداد رکھتے ہیں۔ ان سے استفادہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب قرآن اور سچی احادیث مستقل طور

پر ہمارے مطالعے میں رہیں۔ باب کلماتِ نماز ملاحظہ فرمایئے جہاں ان پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ امید ہے کہ قیام کو سمجھنے اور اس کی جانب رغبت پیدا کرنے میں مفید و معاون ثابت ہو گی۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی سمجھنے کی کوشش کی ہے' اس امر کا آغاز ہمیں اپنے بچوں کے ہمراہ کرنا ہو گا' تا کہ وہ ہمیں عمل قیام کو انجام دیتا دیکھیں اور انہیں یقین ہو جائے کہ اس کا انجام دینا لازم ہے۔ ان میں اس کا جذبہ پیدا ہو جائے اور عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد یا بالغ ہو کر اس سے کترائیں نہیں۔

✿✿✿✿

باب۵

تحریفات

بسمہ سبحانہ

تحریفات

''وائے ہوان پر جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تا کہ اسے تھوڑے دام میں بیچ لیں' ان کے لئے تحریر پر بھی عذاب ہے اور اسکی کمائی پر بھی۔'' بقرہ ۹:۲

تحریفات کے غلبے اور ان کے اثرات پر ایک سرسری نظر ڈالنے کی ضرورت اسلئے محسوس ہوئی کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس نے دین حق کو مسخ شدہ دوسرے ادیان کے پہلو میں لا کھڑا کیا ہے۔ تکبر اور انانیت نے انہی (تحریفات) کے بل بوتے پر وحدانیت پرستوں کو بے راہ کر کے ان پر اپنا سکہ جما لیا ہے۔

اسلام کی عالمگیر قوت و توانائی جو رسول اللہ کے زمانے میں دیکھنے میں آئی۔ زیادہ مزاحمت اور جنگ وجدال کے بغیر' تھوڑے عرصے میں اللہ کا دین لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتا ہوا عرب کی سرحدیں پار کر کے وسیع تر علاقے میں اپنی برکتیں نچھاور کرتا چلا گیا۔ لکڑی و پتھر کے خود ساختہ خداؤں کو ڈھا کر لوگوں نے خدائے واحد رحمان و رحیم کے حضور اپنی پلکیں بچھا دیں اور محبت واخوت کی شمع ہاتھ میں لے کر ترقی کی راہوں پر گامزن ہو گئے۔

پچھلے ابواب میں جو ماجرا بیان ہوا ہے' اگر دینی معاملات میں تحریفات نہ ہوئی ہوتیں تو اس میں ملوث لوگ اس بپتا میں نہ جا پڑتے جس سے اس وقت وہ دوچار ہیں۔

تحریف کی عملداری

کسی چیز یا فکر کی ابتدائی روش یا اسکی حالت جو تھی یا ہونا چاہئے تھی' اسے اس سے ہٹا دینا تحریف کہلاتی ہے۔ تحریف کیوں کی جاتی ہے؟ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ جب کوئی فکر کسی فرد یا متعدد افراد کے مقاصد یا مفادات سے ٹکراتی ہے اور ان کے خیال میں ان کو اس سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے' تو وہ لوگ تحریف کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ حتیٰ ضعیف قوت ارادی کے مالک اہل علم بھی خوفِ خدا سے بے نیاز ہو کر اس میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ حکمرانوں سے تقرب کی طمع ان کو ان کی غلامی کی طرف کھینچ لاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جہاں خوفِ خدا ہو گا وہاں ظلم نہیں ہو گا۔ اس حقیقت کے ساتھ یہ ایک المیہ ہے کہ ایک مختصر زمانے کے سوا کسی دور میں بھی خوف الٰہی لوگوں کے دلوں میں جاگزیں نہ ہو سکا' جس کی بناء پر مفاد پرست افراد ہر سطح پر تفسیر کلام الٰہی اور احادیث رسول میں تحریفات کرتے رہے۔ اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے انبیاء و مرسلین اور ائمہ کو ڈھال بنا کر ہوس کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرتے رہے۔ حب نفس انہیں اس قدر گھیرے ہوئے تھی کہ باوجود اسکے کہ انہیں اپنے سے پہلے کے ظالموں کا حشر معلوم تھا' ان پر کچھ بھی اثر نہ ہوا اور انہی کی طرح وہ بھی ظلم ڈھاتے ہوئے دنیا سے خالی ہاتھ کوچ کر گئے۔ مندرجہ ذیل آیت یہودیوں سے متعلق ہے' انہوں نے کتابِ خدا کے الفاظ بدل دیئے اور معنی میں بھی تحریف کی:

''پھر ان کی عہد شکنی کی بناء پر ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا'

وہ ہمارے کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں' انہوں نے ہماری یاد دہانی کا اکثر حصہ فراموش کر دیا اور تم ان کی خیانتوں پر برابر مطلع ہوتے رہو گے' علاوہ چند افراد کے' لہٰذا ان سے درگزر کرو اور ان کی طرف سے کنارہ کشی کرو کہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' مائدہ ۵: ۱۳

تحریف عربی زبان کا لفظ ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا' اس کا مفہوم انحراف سے متعلق ہے۔ ایک مثال کے ذریعے اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں: آپ نے کسی شخص کو ایک بات بتائی' اس نے وہی بات ایک دوسرے شخص کو بتا دی۔ جب وہ شخص جسے آپ کی بات بتائی گئی تھی آپ کے سامنے آ کر وہ بات دہراتا ہے' تو آپ کہتے ہیں کہ میری بیان کی ہوئی بات کا یہ مفہوم نہیں تھا' اس میں وہ بات جو مفید تھی موجود نہیں ہے۔ اس شخص نے جس سے میں نے اوّلاً تذکرہ کیا تھا' اس نے اس میں سے کام کی بات نکال کر اپنی طرف سے گھڑ کر دوسری باتیں شامل کر دی ہیں۔ اسے تحریف کہتے ہیں۔

اسی طرح اگر کسی لکھی ہوئی عبارت میں ردوبدل کر دیا جائے تو وہ بھی تحریف ہو جاتی ہے۔ ایسی تحریف کو تحریف لفظی کہتے ہیں۔ اس کتاب میں جس تحریف کا بیشتر ذکر آئے گا وہ تحریف معنوی ہے۔ یعنی الفاظ کہنے یا لکھنے میں زیادہ تبدیل نہیں کئے گئے' عبارت تقریباً وہی رکھی گئی جو پہلے تھی' مگر سفاکی کے ساتھ غیر مرئی طور پر متن کے مفہوم و معنی کو اس کے اصل مقاصد سے ہٹا کر اپنے مقصد کے تحت بیان کر دیا گیا۔

چونکہ تحریفات عوام کو بہکانے کے لئے کی جاتی ہیں' اس سلسلے میں جو تبلیغ کی جاتی ہے اسکے جوانب پر ایک نظر اہم ہے' تاکہ اس کی خرابیوں سے معاشرے کو آگاہ رکھا جا سکے۔

تبلیغ میں تحریف

اس دور میں تقریباً ہر معاملے میں تبلیغ کا عمل دخل ہے، خصوصاً دین میں۔ یہ بات چھپی نہیں ہے کہ جس پہلو سے بھی اس پر نگاہ ڈالی جائے نظر آئے گا کہ تحریف نے چاروں طرف اپنے قدم جما رکھے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاطر مفاد پرستوں نے تحریف کے لئے مستقل کارخانہ کھول رکھا ہے۔ تا کہ اسلام کی بنیادیں اپنی جگہ پر قائم نہ رہنے پائیں۔ چونکہ مسلمانوں کے لئے دین مقدم ہے، ضرورت ہے کہ اس سلسلے میں جو کچھ بھی بیان کیا جائے یا کتابی صورت میں پیش کیا جائے تحریف سے پاک ہو اور بیان کا مقصد لوگوں کے دلوں میں گھر کر لے تا کہ احکام الٰہی پر صحیح طریقے سے عمل درآمد ہو اور لوگ بداعمالیوں سے بچے رہیں۔

اسکے علاوہ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ عام کتابیں، مجلّے، اخبارات یہاں تک کہ لوگوں کی گفتگو اور انبیاء و مرسلین کے ذریعے بھیجی ہوئی اللہ کی کتابیں، سب کے سب تبلیغ سے مربوط ہیں۔

تبلیغ کے لغوی معنی ہیں پہنچانا، جو وسیع مطالب کا حامل لفظ ہے اور مختلف امور کے سلسلے میں بولا جا سکتا ہے۔ جیسے کسی سامان کا کہیں پہنچانا، امانت کا پہنچانا، کہ [illegible] ہنا۔ فارسی یا اردو زبان میں یہ لفظ مخصوص مقصد کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

تبلیغ کا تعلق کسی مادّی چیز سے نہیں بلکہ کسی فکر یا پیغام کو کسی فرد یا متعدد لوگوں کی روح یا قلب و ضمیر کو منقلب کرنے، احساس کو جگانے، ایک مخصوص جذبہ پیدا کرنے وغیرہ جیسے امور کے لئے ہوتا ہے۔ (شہید مطہری)

تبلیغ کے معاملے میں تحریفات کی اس قدر بھرمار کر دی گئی ہے کہ بیشتر حقیقتوں کو اگر بیان کیا

جائے تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد انہیں ماننے کے لئے تیار نہ ہوگی' اسلئے کہ تحریف شدہ تبلیغات ایک عرصے سے سنتے سنتے ان کے ذہنوں میں جم کر بیٹھ گئی ہیں۔

اوصافِ مبلغ

عام طور پر ذاکر حضرات اصلاحی باتوں کے تذکرے کو اپنی تقریر کا حصہ نہیں بناتے۔ ان کی جگہ تفرقہ و پھوٹ ڈالنے والی باتوں کو طرح طرح سے پیش کرتے ہیں' جو اسلامی موقف تبلیغ اور اخلاق اسلامی سے گریز یا انحراف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان درماندگی کا شکار ہیں اور ترقی کی راہوں پر گامزن نہیں ہو سکے۔

مقصد جب پیامِ الٰہی کی تبلیغ ہو تو جو بھی طریقہ کار اختیار کیا جائے اسے شرع مقدس کی ہدایات سے ہٹ کر نہیں ہونا چاہئے۔ یعنی:

☆ ہدف یا نتیجے پر نگاہ رکھ کر اسکے مقدمات و مطالب کو تجویز کیا جائے۔

☆ بیان میں سادگی ہو۔

☆ فصاحت و بلاغت کے ساتھ نفسیاتی طور پر اس میں اتنی قدرت و جاذبیت پیدا کی جائے کہ اس کے مطالب لوگوں کے دلوں پر گہرے اثرات مرتب کریں۔ تاکہ وہ اس کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے میں قباحت محسوس نہ کریں اور اپنے اعمال کا جزو بنالیں۔

مبلغ کی ذاتی شخصیت بڑا اثر رکھتی ہے۔ اس کی خوش الحانی' دل آویز طرز بیان' علم' عقل' خلوص اور اخلاق حمیدہ سے مرصع ہونا جاذبیت پیدا کرتا ہے اور لوگ اسے غور سے سنتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ لوگ اسے مشکوک نگاہوں سے نہ دیکھیں۔ وہ حب نفس اور ریا سے پاک ہو' اسکی

فکر دین شناس' قرآن شناس' اسلام شناس اور مسلم امہ و معاشرہ شناس ہو۔وہ اسوہ' (نمونۂ زندگی) ذواتِ مقدسۂ محمد و آلِ محمد پر لوگوں کو خوش اسلوبی سے چلنے کی ترغیب دلانے والا ہو۔توحید سے لیکر معاد تک سے (عقائد یا مکتبِ دین اسلام سے) گہری واقفیت رکھتا ہو کہ اپنے بیان میں اس سے استفادہ کر کے لوگوں کو اس کی طرف رجوع کرے۔قرآن و (اصل و نقل) حدیث پر اتنا عبور ہو کہ تحریفات کا پتہ لگا لے' ان کی اس قدر معرفت رکھتا ہو کہ قدم نہ ڈگمگائیں اور اس سے بچ کر بات کرے۔

اسکے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ افراط (شرعاً حرام وسائل سے استفادہ کہ وہ برعکس نتیجہ دیتی ہیں) و تفریط (شرع کے معاملات میں کوتاہی سے کام لینا) سے پرہیز کرتا ہو۔اسلئے کہ ہر نظام کو ایک فکری و عقیدتی نظم کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس پر تکیہ کر سکے جو اس سے متعلق مخصوص فلسفے کا حامل ہو۔اسلئے کہ اس کے بغیر نظام پنپ نہیں سکتا۔

مبلّغ کیلئے اشد ضروری ہے کہ اس کا رخ اللہ کی طرف سے ہٹنے نہ پائے' وہ خود خواہ نہ ہو' اپنے علم اور خوش بیانی کی تعریف نہ کرے اور نہ ہی اس کا خواہاں ہو۔فقط تسلیم و رضائے الٰہی پر اس کی نگاہ ہو۔لوگوں کے ساتھ انکساری سے پیش آئے۔دلوں میں خوفِ خدا جاگزیں کر سکے۔

اسے جو پیام پہنچانا ہو اس موضوع سے متعلق احکام و مقررات' اخلاق و نفسیات' اقتصاد و سیاست وغیرہ کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کر کے پہلے سے اسکی فطرت سے اچھی طرح آشنائی پیدا کر لے۔اسکے مقصد اور اس تک رسائی کیلئے وسیلے کی پاکیزگی پر نگاہ رکھ کر اس پر پورا عبور حاصل کر لے۔ان وسائل کے ساتھ وقت کے تقاضوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اپنی تقریر یا تحریر کے لئے گہری منصوبہ بندی کرے۔اچھی طرح سے امتحان کر لے کے کسی گوشے میں تحریفات نے قدم تو نہیں جمالیا۔

تبلیغ میں لغزش سے بچنے کے لئے اللہ سے پناہ مانگتا رہے۔حضرت موسیٰ پیغمبر ہوتے

ہوئے بھی اللہ سے حوصلے کی دعا مانگتے تھے' تا کہ لوگوں کے دلوں میں حق کی باتیں ڈال سکیں اور وہ اسے قبول کریں۔

اہم ترین ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان ایسے ذاکرین کو منبر پر آنے نہ دیں جو دین پر مبنی اصلاحات اور اخلاقِ اسلامی کا تذکرہ نہ کریں۔

الٰہی کتابوں میں تحریف

قرآنِ مجید سے پہلے آئی ہوئی اللہ کی کتابوں میں مفاد پرست چرچ یا سینگاگ پر قابض لوگ اپنی مرضی کے مطابق تحریفات کر کے وقتی طور پر لوگوں کو لوٹتے رہے۔ خاتم الانبیاء کے مبعوث بہ رسالت ہونے پر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کو تکمیل دینا مقصود تھا قرآن کو تحریفات سے بچا کر رکھنے کا انتظام کیا۔

یہ بات مسلّم ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء رجس اور غلطیوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ کسی نبی نے حق کے معاملے میں جابر حکمرانوں سے مصالحت نہیں کی۔ حالانکہ انہیں سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا' کتنے تو سنگسار کر دیئے گئے' سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ ان میں سے جنہیں معجزات و صحیفے و دیگر اشیاء عطا ہوئی تھیں' صرف ان کی حیات تک اپنی اصلی حالت میں قائم رہیں۔ ان کے جاتے ہی وہ بھی تلف ہو گئیں یا تحریف کا شکار ہو گئیں۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ ان کا کوئی گواہ و نگہبان موجود یا باقی نہیں تھا۔ جیسے حضرت موسیٰ کا عصا و توریت' حضرت عیسیٰ پر نازل ہونے والی انجیل اور یہ کہ اس وقت تک دین تکمیل کو بھی نہیں پہنچا تھا۔

قرآن چونکہ کاملیت اسلام سے مربوط ہے بعد رسول اسلئے صحیح حالت میں قائم رہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نگہبانی کا مستقل طور پر خصوصی انتظام رکھا۔ یعنی سلسلۂ پاک و مطہر امامت' جو ابھی تک جاری ہے۔ یہ ہستیاں اسکی پاسدار ہیں اور اسکی سالمیت کی ضامن ہیں۔

اتنا انتظام ہونے کے باوجود قرآن کی تفسیر کرنے والے علماء نے اسکے معنی میں الٹ پھیر کی، جس کا نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے۔ مسلم امہ تفرقے کی ایسی شکار ہوئی کہ ۷۳ فرقے وجود میں آ گئے۔ بات یہاں تک جا پہنچی کہ مسلمان مسلمان کا خون بہا کر اپنے آپ کو جنت کا حقدار سمجھنے لگا۔ رسول کی سنت پر اتنے داغ دھبے لگائے گئے کہ حقیقت اپنا منہ چھپا کر بیٹھ گئی۔

رسول اللہ نے صاف الفاظ میں بتادیا تھا کہ مجھ سے منسوب جو حدیث قرآن سے مطابقت نہ رکھے وہ میری حدیث نہیں ہو سکتی۔ اسکے علاوہ درج ذیل حدیثِ ثقلین جو مختلف فرقوں کے علماء میں متفقہ ہے، گمراہی سے بچنے کے لئے آکہ کار ہے اور مسلمانوں کو حق پر قائم رہنے کے لئے مفید ہے، علمائے سوء نے اس کی بھی پرواہ کی:

''تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، کتابِ خدا اور اپنی عترت۔ جب تک تم لوگ ان دونوں سے متمسک رہو گے، میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔''

ان مسائل کے ساتھ غیر عرب مسلمانوں کے لئے ایک اور مصیبت موجود ہے۔ وہ ہے زبانِ عربی کا نہ جاننا۔ اس پر ایک نظر ضروری ہے کہ ہدایت و اعمال کی سالمیت اور سزا و جزا کا اس سے بہت زیادہ قریبی رشتہ ہے۔

زبانِ عربی

مسلمانوں کے لئے زبانِ عربی بڑی مقدس ہے، کہ یہ کتاب الٰہی قرآن کی زبان ہے۔ رسول اللہ عرب تھے اور قرآن عربوں کے درمیان نازل ہوا کہ اسکی ہدایات ان کی سمجھ میں

آ سکیں۔ اگر قرآن کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو جہالت کی تاریکی میں گرفتار عرب اسلام جیسے دین کی روشنی کو قبول کرنے سے قاصر رہتے۔ بلکہ بدک جاتے اور لاتعلقی ظاہر کرتے۔ ظاہر ہے ان کے لئے کسی اور زبان میں تبلیغ ناممکن تھی۔

چونکہ قرآن اور اللہ کا نازل کیا ہوا دین مبین مرکزی مقام رکھتے ہیں اور اسلامی تہذیب اسی پر مبنی رسول کے اقوال و اعمال و کردار سے تشکیل پائی' جو دین سے الگ نہیں ہے' ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ ان سارے اثاثوں کی ترسیل کا ذریعہ عربی زبان ہے۔ گویا کہ مسلمانوں کی ثقافت کی ترجمان زبانِ عربی ہے۔ فقط یہی زبان قرآن و حدیث کے معنی و مطالب کی فصاحت و گہرائیوں کو مسلمانوں کے ذہنوں میں پرو سکتی ہے۔

غیر عربی داں مسلمان کس طرح اپنا دامن اس سے چھڑا سکتے ہیں؟ کوئی بھی تہذیب و تمدن اگر منظور ہے کہ زندہ رہے' تو اسکی زبان کو زندہ رکھنا پڑے گا۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ حج کے دوران مختلف ممالک کے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے گفتگو کرنے کے لئے وہ زبان جس کا اسلامی ثقافت سے دور کا بھی واسطہ نہیں یعنی انگریزی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ہم نازاں ہیں کہ ہمیں انگریزی آتی ہے!! بہت ساری زبانوں کا جاننا مفید بات ہے۔ مگر چونکہ زبانِ عربی حیات بخش دین اسلام کی زبان ہے' اسلئے اولیت رکھتی ہے۔

احادیث نبوی اور دوسری دینی کتابوں کا سارا اثاثہ عربی میں ہے۔ یہ قبول کر لینا کہ ان کتابوں کا ترجمہ ان کے مطالب کو بیان کر کے سمجھا سکے گا' فقط دل بہلانے والی بات ہو گی۔ زبانیں جس ملک سے تعلق رکھتی ہیں' جدا جدا فقط اس ملک کی ثقافت اور طرز زندگی کی حد تک عکاسی کر سکتی ہیں۔ فارسی' اردو' ہندی و انگریزی وغیرہ ترجمے کے ذریعے صرف متغیر معنی دے پائیں گی' روح قرآن و حدیث کو سمجھا نہیں سکیں گی۔

اگر مسلمان قرآن و حدیث سے واقف نہیں' تو دین سے اسکی وابستگی ممکن نہیں' نہ ہی وہ تہذیب اسلامی کا جزو بن سکتا ہے۔

قیامِ نماز جو اسلام سے وابستہ زندگی پر گامزن کر کے حصولِ تقرب و خوشنودیٔ خدا میں معاونت کے لئے تشکیل دی گئی ہے' عربی زبان میں ادا ہوتی ہے' اگر الفاظ کے باطن کو سمجھ کر ادا نہ کی گئی تو مسلمان کو راہِ قیام پر جو اس کا اصل مقصد ہے گامزن نہ کر پائے گی۔ جو حکمتیں قیام میں پنہاں ہیں اس پر آشکارنہ ہوسکیں گی۔ پسماندگی اسکی قسمت بنی رہے گی۔

برصغیر میں انگریزی زبان ہم پر تھوپی گئی۔ ہم اور ہمارے بچے' جنسی بے راہ روی سے لبریز ننگی یورپی ثقافت میں رنگی ہوئی ناولیں و رسالے وغیرہ خوش ہو کر پڑھنے لگے۔ اس فاقد از اسلام' ناگفتہ بہ ثقافت کی چھاپ بچوں پر پڑی اور اب ہم پریشان ہو رہے ہیں کہ اس نے ہماری عائلی زندگی کو بکھیر کر رکھ دیا۔ جڑے ہوئے خاندان پراگندہ ہو کر رہ گئے۔

زبانوں کا سیکھنا برا نہیں' مگر اس سے پہلے ہمیں اپنی دینی و ثقافتی زبان پر عبور حاصل کرنا چاہئے۔ تا کہ اپنی ثقافت کے اوصاف سے ہم اور ہماری اولاد پوری طرح واقف رہے اور خارج از اسلام ثقافت ہم پر غالب ہو کر ہمارے اخلاق کے ڈھانچے کو مسمار نہ کر دے کہ ہم اپنی تہذیب سے کٹ کر رہ جائیں۔

ڈاکٹر مارس بوکیلی نے فرانسیسی زبان میں اپنی ایک کتاب میں بائبل اور قرآن کو خلقتِ کائنات خصوصاً تخلیقِ انسان کو جدید سائنس کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ قرآن اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس نے اس تحقیق کے سلسلے میں عربی زبان پر مہارت حاصل کی اور قرآن پر پورے غور وفکر کیساتھ اسکے باطن میں ڈوب کر تحقیقات کی' بنظرِ غائر مطالعہ کیا' تب جا کر یہ نتیجہ اخذ کر پایا۔

اس تذکرے کا مقصد یہ تھا کہ اگر قرآن سے ہمیں کچھ حاصل کرنا ہے تو اس محقق کی طرح عربی زبان پر عبور حاصل کرنا ہوگا۔ قرآن میں چھومنتر جیسی جادو کی کوئی بات نہیں کہ بغیر سمجھے اور غور وفکر کے تلاوت کر لینے سے اس کے مطالب دل میں اتر آئیں گے اور اعمال کو درست کر کے جنت کا حقدار بنا دیں گے۔

جناب امیر نے تاکید کی ہے کہ جب قرآن کی کسی بھی موقع پر تلاوت منظور ہو' نیت یہ ہونا چاہئے کہ اس کی آیات کو سمجھا جائے گا اور ان میں جو ہدایات موجود ہیں ان پر عمل پیرا ہوا جائے گا۔ (مفہوم)

تعلیم وترویج عربی

عربی زبان سیکھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جمعہ یا سنڈے اسکول کے ساتھ کمسن بچوں کے لئے نرسری قائم کی جائے' جہاں عرب نژاد یا عربی داں معلم ان بچوں کے ساتھ فقط عربی میں بات کرتے ہوئے ان کے ساتھ کھیلے۔ بہتر یہ ہوگا کہ ان کے ہم سن عرب بچے بھی شامل ہوں۔ بچے بہت جلد عربی میں بات کرنے لگ جائیں گے۔ یہ سلسلہ جاری رہے جب تک کہ وہ بڑے ہو کر جمعہ رسنڈے اسکول میں قرآن کی تلاوت شروع نہ کردیں اور آگے بڑھ کر کالج و یونیورسٹی میں اعلیٰ عربی لٹریچر کا درس حاصل کریں۔

بانیانِ سنڈے یا سیٹر ڈے اسکولز پر فرض ہے کہ اس سمت بلاتاخیر قدم اٹھائیں۔

بہکایا ہوا مسلمان انحراف میں مبتلاء ہے' روسیاہ بن کر بھٹکتا پھر رہا ہے اور اسلام کے لئے بدنامی کا باعث بنا ہوا ہے۔ لازم ہے کہ اس تحریفِ معنوی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اپنے دامن سے اس دھبے کو جلد از جلد مٹا دے۔ لازم ہے کہ ہر مسلمان عربی داں ہو' اس کا حصول واجب سمجھے۔

دنیا کے سارے اکثریتی مسلم ممالک نے اگر عربی زبان جو اسلامی ثقافت کا لازمی جزو ہے جلد از جلد نہ اپنائی' آنکھ نہ کھولی تو استعمار انہیں پیروں تلے کچلتا رہے گا اور وہ اپنے دین سے دور تر

ہوتے چلے جائیں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:

''حق تلاوت سے مراد تدبر، تفکر اور عبرت وبصیرت ہے۔'' تفسیر عیاشی اصول کافی

تحریفِ معنوی

تلاوت قرآن: قرآن ایسی جامع کتاب الٰہی ہے جو دینی و دنیاوی معاملات کے سارے گوشوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس پر غور و فکر کے ذریعے ہر مسئلے کا حل معلوم کیا جا سکتا ہے۔

اس زمانے میں بھی جب کہ دیگر اقوام سیاروں کی طرف نقل و حرکت میں مشغول ہیں، اکثر لوگ (نیم ملاّ) ترغیب دلاتے ہیں کہ قرآن پر فقط نگاہ ڈال لینا (خالی از ذہن، بغیر سمجھے بوجھے تلاوت کر لینا) کافی ہے، ثواب کا حقدار بنا دیتا ہے۔ اس طرح یہ افراد ستاروں پر کمند ڈالنے کی بجائے مسلمانوں کو دوبارہ غاروں کی طرف کوچ کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں اور قرآن جو دنیا و مافیہا کے علوم پر محیط الٰہی کتاب ہے، مسلمانوں کیلئے اس سے استفادے کی راہیں مسدود کر رہے ہیں۔ یہ قرآن کی تلاوت کے معاملے میں تحریفِ معنوی ہے۔

قیامِ نماز: بقول مولوی صاحب نماز ادا کرتے وقت سجدے سے اٹھ کر کھڑے ہونا نماز میں قیام کا حق ادا کر دیتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو نماز میں قعود (بیٹھنا) یا دوسری حرکات کا اس کے ساتھ نام کیوں نہیں لیا گیا؟ یہ بھی تحریفِ معنوی ہے۔ قیامِ نماز انسانیت کو پھلنے پھولنے، اسکی ترقی، آپس میں صلح و آشتی و سلامتی وغیرہ کی ضمانت کا کام کرتا ہے۔ باب قیام میں قیام سے مربوط نکات سمجھنے

کی کوشش کی گئی ہے' ملاحظہ فرمائیے۔

درودشریف: درود شریف کا تذکرہ صفحہ ۱۹۷ پر ملاحظہ فرمائیے۔ مجالس و نماز وغیرہ میں اسکا خالی از ذہن' بغیر اس کے مطلب و مقاصد پر ذہن کو مرکوز کیئے نعرہ لگایا جاتا ہے۔ عام طور پر اسے فقط محمد اور ان کی آل کی سلامتی کے لئے دعا سمجھا جاتا ہے' جو اپنی جگہ پر اہم ہے۔ اس میں لفظ ''صل'' استعمال ہوا ہے۔ لغت میں اسکے دیگر معنی کے ساتھ ساتھ اتباع یا تابعداری کو خاصی فوقیت حاصل ہے۔ پورے جملے کا مفہوم اس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے کہ:

''یا اللہ! محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما اور ہمیں ان کی تابعداری کی توفیق عطا فرما۔''

یعنی ان کی ہدایات پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ دعا کے ساتھ یہ ایجاب و قبول ہے' ایک تعہد ہے' جسے انگریزی میں افرمیشن کہا جاسکتا ہے' ایک اعلان ہے کہ ہم ان کے اسوۂ حسنہ پر دل جمعی کے ساتھ عمل پیرا ہیں اور آئندہ بھی اسی طرح عمل پیرا رہیں گے۔

سرسری طور پر یہ تعہد خود کو تج کر فلاح انسانیت کے کاموں میں مشغول ہونا ہے' جس کی تشریح مندرجہ ذیل آیت کرتی ہے:

''تم نیکی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے' جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے راہ خدا میں انفاق نہ کرو۔'' آل عمران ۳: ۹۳

اگر سارے درود بھیجنے والے مسلمان ان کی بتائی ہوئی راہ پر چل پڑیں' تو جہالت کی بناء پر بھوک و ننگ میں مبتلا بے جان مسلم امہ یکایک طاقت و توانائی کی مظہر بن جائے۔ مگر مستکبر نہیں دیکھنا چاہتا کہ عوام اس کے مدمقابل آ کے کھڑی ہو جائے۔ اسکے معاون ملاّ نے مفید بات کاٹ

دی اسے کہیں بلند درجات اور کہیں سلامتی کے پردے میں چھپا دیا ہے۔

جب دل و جان سے ہم محمد و آلِ محمد کو ہادیانِ برحق مانتے ہیں ان کی متابعت کے لئے سراسر تسلیم رہتے ہیں تو ان کے بلند درجات کو قبول کرنا فطری عمل بن جاتا ہے۔ یہ انکا کمال ہے کہ اسقدر بلند درجات پر فائز ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی بھی اپنے بلند مرتبہ ہونے کا اظہار نہیں کیا۔ انکا پاک و طاہر ہونا اور ان سے غلطی سرزد نہ ہونا ایسے رموز ہیں جو اللہ اور ان کے درمیان ہیں خواہ ہماری سمجھ سے بعید ہوں مگر یہ ہمارے مفاد میں ہے کہ ہمیں غلطیوں سے پاک ہدایات حاصل ہوتی رہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے کہ وہ بے راہ روی اختیار کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں۔ ایسی پاکیزہ ہدایت دینے والی ہستیوں کو ہمارے ساتھ کر دینا اسکی اپنے بندوں سے محبت ہے نوازش و کرم ہے۔ البتہ مفید مفاہیم کو تاکیدی و تنبیہی نعروں یا کلمات سے شاطرانہ طور پر دور کر کے ان کی پیروی سے ہمیں ہٹا دیا جانا تحریفِ معنوی ضرور ہے۔ ہماری آنکھیں کھل جانا چاہئیں۔ مسلم امہ کی بہتری اسی میں ہے کہ ان سچے ہادیوں کی اتباع و پیروی کرتی رہے تا کہ سسکتا ہوا انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بن کر ابھرے اور ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جائے۔ یہی اصل مقصد ہے درود کا۔ قرآن کریم کہتا ہے:

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔'' توبہ ۹:۱۱۹

تسبیح جناب فاطمہ زہرہ صلوٰۃ اللہ علیہا

۳۴ مرتبہ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ ہی سبحان اللہ کا ورد تسبیح فاطمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعے تحفتاً جناب فاطمہ زہرا کو عطا کیا تھا اور اس عطیے کو انہوں نے ہم

تک پہنچا دیا۔ ان کلمات کے معنی و مقاصد پر ذہن کو حاضر رکھ کر ورد کرنا ہمارے اللہ کا مطیع و فرمانبردار بندہ بننے میں نہایت درجہ مددگار ہے۔ ہر نماز کے بعد پورے پورے غور فکر کے ساتھ یہ عمل ہمیں اللہ کی طرف راغب رکھ کر ہمارے اعمال کو صالح بنا دیتا ہے' خوف خدا پیدا کر کے راہِ اسلام پر قائم رکھتا ہے۔ یہ ہماری نگاہ کو معاد پر قائم رکھنے میں مدد کرتا ہے۔ مفید و فعال انسان بنا کر معاشرے کی اصلاح و بہبود کیلئے فداکاری پر ابھارتا ہے۔

اس معاملے میں تحریفِ معنوی اسی وقت وارد ہو جاتی ہے جب مجسم طور پر ہمارا ذہن ان کے معنی و مقاصد پر قائم نہیں رہتا۔ جب کہ اس کی معجز نمائی فقط اس وقت ہو سکتی ہے کہ جب ان کلمات کا ورد کرتے وقت ذہن ان کے معنی کی گہرائیوں پر مرکوز رہے اور ہم تہیہ کر لیں کہ انمیں جو مقاصد واقع ہیں ان پر ہم حتمی طور پر عامل رہیں گے۔ بابِ کلماتِ نماز میں ان کے معنی و مقاصد پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے' ملاحظہ فرمائیے۔

ذبحِ عظیم حسینی

باطل کے خلاف سیدالشہداؑ' ان کے اہلِ خاندان' اعزہ و اقربا اور اصحاب کے قیام اور جامِ شہادت نوش کرنے نے پیکرِ اسلام جسے بے روح بنا دیا گیا تھا اور جس کے خاتمے کی کوشش ہو رہی تھی' میں دوبارہ روح پھونک دی۔ (اختصار کو ہاتھ میں رکھتے ہوئے) اسے سمجھنے کے لئے امام کا خط جو انہوں نے محمد ابن حنفیہ کو بطورِ وصیت لکھا تھا اس وقت کے حالات و مقصد قیام امام کی عکاسی کرتا ہے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

''میں نہ سرکشی اور نہ جنگ وجدال کا ارادہ رکھتا ہوں' نہ ہی میرا مقصد فساد پھیلانا ہے' نہ کسی پر ظلم کرنا ہے۔ میں تو اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لئے نکلا

ہوں۔ میری غرض امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اپنے جد و بابا کی پیروی ہے۔''

امام کے یہ جملے مقاصدِ شہادتِ عظمیٰ کی وضاحت کرتے ہیں۔ امام مدینہ سے کیوں نکلے؟ حالات کیا تھے؟ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر مسلمانوں کے اخلاق کو درست رکھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے افرادِ ملت کو خوش اخلاق بنا کر معاشرے کو بدحالی سے بچا سکتے ہیں۔ امام علیہ السلام اپنے پیروکاروں سے بھی یہی چاہتے ہیں۔ خط کا متن امتِ مسلمہ کے لئے ان کا پیغام ہے۔

ماہِ محرم یا دوسرے ایام میں جو مجالس منعقد ہوتی ہیں' امام کی محبت لوگوں کو جوق در جوق امام بارگاہوں میں لے آتی ہے۔ وہ منبر کے سامنے جمع ہو جاتے ہیں' تا کہ ذاکر سے امامِ مظلوم کے اسوۂ حسنہ کے ساتھ اسلام کی ہدایات سن کر ان سے استفادہ کر سکیں۔ امام کا خانوادہ اور ان کے اصحاب پر میدانِ کربلا میں جو ظلم ڈھائے گئے سن کر روئیں اور رقت کی بنا پر ابھرے ہوئے جذبات سے وعدہ کریں کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اپنے اعمال کا حصہ بنائیں گے اور مسلم امہ کی تباہ حالی کو درست کرنے میں ایثار و قربانی کا مظاہرہ کریں گے۔

ایک محدود تعداد کے سوا عام لوگ محسوس کرنے لگے ہیں کہ منبر اپنے اس فرضِ منصبی میں ناکام ہے' اصل مقصد کی طرف ترغیب نہیں دے پا رہا ہے' ذاکر شخصیتِ امام کو وجہ مخاصمت بنانے میں مشغول نظر آتا ہے' مقاصد سے ہٹ کر اس نے منبر کو مناظرانہ گفتگو کا اکھاڑہ بنا رکھا ہے' جس سے تعصب کو ہوا ملتی ہے۔ ان کی اس طرح کی خطابت مسلمانوں کے درمیان تفرقے کی آگ بھڑکا کے انھیں کشت و خون میں مبتلا کر دیتی ہے۔ یہ موقف امام کے برعکس ہے۔ ذاکر کو جان لینا چاہئے کہ وہ سیدھے سادے مسلمانوں کو بہکا رہا ہے' راہِ راست سے دور کر رہا ہے' جس کا اسے خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

اس قسم کے ذاکروں نے مومنین میں مناظرانہ گفتگو سننے کا ذوق پیدا کر دیا ہے' تا کہ منبر

مستقل طور پر ان کی گدی بنی رہے۔ایسے ذاکر مقاصد ذبح عظیم پر پانی پھیر رہے ہیں اور نا سمجھ مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔

ذاکرین یا جن کے ذمے مجالس کا انعقاد ہے تعلیماتِ امام (قرآنِ ناطق) میں تحریف کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ان کے اس عمل نے ملتِ اسلامیہ کو کمزور کر دیا ہے۔قرآنِ ناطق کے معاملے میں تحریف حرام کا درجہ رکھتی ہے'اس میں ملوث حضرات بلا مبالغہ ایک بڑے گناہ کو اپنے کاندھوں پر لادے پھر رہے ہیں۔یہ بات منافیٔ ذبحِ عظیم ہے۔چونکہ اس طرح تفرقہ اندازی کی بناء پر مسلمانوں میں قتل وغارت نے راہ لی ہے'مساجد و امام بارگاہوں میں بموں کے دھماکے ایک روز کا معمول بن گئے ہیں'خوف کھانے کی ضرورت ہے کہ کہیں ملتِ اسلامیہ کا خون ان کی گردن پر نہ جا پڑے۔

مجالس ذریعۂ اصلاح ہیں

ہر زمانے میں مفاد پرست لوگوں نے فسق و فجور کا بازار گرم رکھا۔اس کے انسداد کی ضرورت ہے۔اسکے مدنظر ائمۂ اطہار نے مجالسِ عاشورہ کے انعقاد کا ایک مستقل ادارہ تشکیل دیا۔وہ چاہتے تھے کہ اس ادارے کے ذریعے معاشرے کو پاکباز و دین پرست بنا کر رکھا جائے'لوگوں کی اصلاح ہوتی رہے اور بچوں و نوجوانوں کو انحراف سے بچایا جا سکے۔

یہ بات ہمارے ذہن میں قائم رہنا چاہئے کہ کسی ملت کی اصل قوت اور اسکی محافظت اخلاقِ حمیدہ پر مبنی ہوتی ہے جس میں خصوصاً مفاد پرستی و مفاخرت سمِ قاتل کا کام کرتی ہے۔جب اس کے پاس اس کی دولت موجود ہو تو اسے تیر و تفنگ کی حاجت فقط بیرونی خدشات کے لئے رہتی ہے'عوام کو دبا کر رکھنے کے لئے نہیں رہتی۔انقلابِ اسلامی ایران جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ وہ منبر کے بل بوتے پر قیام پذیر ہوا اور اس وقت بین الاقوامی میدان میں ایک ناقابلِ تسخیر قوت بن کر

کھڑا ہے۔

ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ منبر ہی سے جناب امیر علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے خطبے صادر کئے تھے۔اس کے ذریعے اخلاق صالح کی ترغیب' جذبۂ اتحاد و اتفاق' حصول علم وتقویٰ' تجربات و تحقیقات' اختراع و ایجادات پیدا کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل بن سکتا ہے۔اس کے لئے ذاکر کی شخصیت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔اس باب میں ہم نے مبلغ کی شخصیت کو جاننے کی کوشش کی ہے' دوسرے زاویوں سے بھی اس پر نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔

عزاخانوں کا دائرۂ کار

مساجد کے بعد قیام کے اصل مراکز امام بارگاہیں ہیں۔ان کی حدود کو وسیع تر بنانا وقت کا تقاضا ہے۔سر دست اس پر مفاد پرست مناظرہ باز ذاکروں کی اکثریت قابض ہے۔اپنی منفعت کے مدنظر انہوں نے لوگوں میں ایسا ذوق پیدا کر دیا ہے کہ ان کی مانگ بڑھی رہے۔وہ مناظرہ بازی ضروری جانتے ہیں کہ اس کے ذریعے وہ (ان کی سمجھ کے مطابق' کمزور) محمد و آل محمد کا دفاع کرتے ہیں' جن کو اسکی ضرورت نہیں' خواہ اس کی وجہ سے شیعیانِ حیدر کرار قتل ہی کیوں نہ ہوتے رہیں۔جن کو دفاع کی ضرورت ہے' وہ بے دفاع رہیں۔بقول ان کے منبر اصلاح فرد و معاشرہ کے لئے نہیں ہے' بلکہ یہ کام محراب و مسجد کی ذمے داری ہے۔کیا یہ اسلامی محبت و اخوت اور رواداری کی ضد نہیں؟ دیدہ دانستہ افراد کو نفرت و بیزاری کی ترغیب نہیں؟ نشانہ تو افراد معاشرہ بنتے ہیں' ذاکر نہیں!

تبرّا کیا ہے؟ تبرّا عربی زبان کا لفظ ہے۔فی زمانہ تحریف کا شکار ہے اور نفرت و بیزاری یا برا بھلا کہنے کے کام میں لایا جا رہا ہے۔جبکہ تبرّا لاتعلق ہونے یا بری الذمہ ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' یہ اسکا قریب ترین معنی ہے۔

یہ لفظ ایک نفسیاتی پہلو کا بھی مالک ہے۔ یعنی اگر کسی بات کا ذکر بند کر دیا جائے یا اس سے بے تعلق ہو جایا جائے تو وہ بات کچھ عرصے کے بعد یادداشت سے محو ہو جاتی ہے اور اگر اس کا ذکر جاری رکھا گیا تو وہ اپنی جگہ پر باقی رہے گی۔

یہ لفظ فروع دین کا بھی جزو رکھا گیا ہے' تاکہ اس کے ذریعے انسان برائیوں سے اپنے آپ کو بے تعلق رکھ سکے۔ لفظ تولاّ کو بھی اسکے بغل میں رکھ دیا گیا ہے' جس سے مراد رفاقت و دوستی یا کسی بات سے تعلق رکھنا ہے۔ گویا کہ تولاّ کے ذریعے اچھی باتوں سے رفاقت و تعلق قائم کر کے اچھائیاں پیدا کی جائیں اور تبرّا کے ذریعے برے اعمال سے بے تعلق ہو کر اپنا پیچھا چھڑایا جائے۔

کیا یہ حیران کن بات نہیں!؟ ایک اسلامی معاشرہ جسے صبر و تحمل' محبت واخوت کا مظہر ہونا چاہئے تھا تحریف معنوی کے ذریعے اسے نفرت وعداوت' رنجش و دلی' کدورت' انتشار و تشدد' کشت وخون میں دھکیل دیا گیا ہے۔

اتنا سمجھ لینے کے بعد ضرورت اس بات کی ہے کہ منبر رسول پر فقط ایسے ذاکرین کو بٹھایا جائے جو اسے کھیل تماشے کا اکھاڑہ نہ بنائیں۔

منبر رسول وآل رسول سے متعلق ہے' تحریف شدہ باتوں کا تذکرہ (جو حرام ہے) اس مقدس مقام سے قطعاً نہیں ہونا چاہئے' نہ ایسی باتوں کا چرچا ہونا چاہئے جو منشائے قرآن وسنت سے جدا ہوں۔ کسی کا تمسخر نہ اڑایا جائے' کہ یہ ناجائز ہے۔ وہاں سے اتحاد بین المسلمین کی ترغیب دی جائے۔ اسے انسانیت کی بحالی کے لئے وضع کیا گیا ہے' اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یعنی تفرقہ اندازی کے تذکرے نہ ہوں۔ ہم رمضان میں روزانہ دعائے افتتاح پڑھتے ہیں (جو امام کے الفاظ ہیں) اس سے سبق حاصل کریں۔ دیکھیں وہ دعا کس طرح اتحاد کی ترغیب دے رہی ہے۔

''خدایا جو حق تو نے دکھلا دیا ہے اس کو اٹھانے کی قوت عطا فرما اور جو ہم تک نہیں پہنچا اسے ہم تک پہنچا دے۔ خدایا امام کے ذریعے ہماری پراکندگی کو دور

فرما' ہمارے انتشار کو مجتمع کردے' ہمارے باہمی شگاف کو زائل فرما دے' ہماری قلت کو کثرت بنا دے۔''

یہ درست ہے کہ سر دست امام زمانہ تک ہماری رسائی ممکن نہیں' مگر ان کے نور ہدایت کی امواج فضائے بسیط میں ہمہ وقت موجود ہیں۔ خود پسندی اور ہویٰ و ہوس کے اس دور میں جب ہم ان سے اپنی جان چھڑا کر قرآن اور محمد و آل محمد کی ہدایات پر چل کر عمل صالح اور تقویٰ کے مالک بن جائیں گے اور اتحاد و اتفاق کا پرچم بلند کر کے فلاح انسانیت کے لئے قدم آگے بڑھائیں گے' امام کی ہدایات حاصل ہوتی رہیں گی۔ مساجد و عزاخانے اس قیام کیلئے اصلی محاذ ہیں۔

مساجد و عزا خانوں میں لوگ نماز یا مجالس میں شمولیت کے لئے آتے ہیں' ملت کی پسماندگی کو دور کرنے میں اس مجتمع قوت سے فائدہ اٹھا کر ان سے مربوط پس پشت پڑے ہوئے ملی کاموں کو تکمیل کی راہ پر ڈالا جا سکتا ہے۔ ان ہی افراد میں سے روشن فکر دانشوروں کا ایک پینل جس میں ماہرین نفسیات لازماً شامل کئے جائیں تشکیل دیا جائے۔ کتاب کے باب حکمت میں نماز میں حکمت جماعت کے تحت ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے اس سے بھی بہتر چارۂ کار کام میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا لازمی امر ہے جسے التوا میں ڈال دینا منشائے اللہ و رسول کے منافی ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ شائد ہی کوئی ایک آدھ گوشہ ہو جو اسلام دشمن تحریف کاروں کے ہاتھوں سے بچا ہو ورنہ انہوں نے اپنی دانست میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ چند چیدہ چیدہ امور پر نظر ڈالتے ہیں:

محرم کے جلوس

محرم کے جلسہ و جلوسوں کو قیام حسینی کا مظہر ہونا چاہیئے' جس میں تبلیغ و ترویج اسلام اہم

ہے۔ ان اجتماعات کا مذہبی و فرقہ وارانہ تعصب سے پاک ہونا ضروری ہے۔ جو لوگ قیامِ حسینی پر عقیدہ نہیں رکھتے ان کے پیشواؤں پر پھبتی کسنا یا انہیں برا بھلا کہنا روحِ حسینیت کے برخلاف ہے اور اخلاقی طور پر بھی جائز نہیں۔ اسلئے کہ اسکا تعلق پوری انسانیت کی فلاح سے ہے۔ بغیر امتیازِ مذہب و ملت' مجالس و جلوس میں شرکت کے لئے کھلے دل سے دعوتِ عام ہونی چاہئے۔ حسینیت ایک ایسا وسیع اور کھلا پلیٹ فارم ہے جس میں پوری انسانیت کو متحد کر لینے کی صلاحیت موجود ہے۔ امام کے نام لیوا کو زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کو امام کی شخصیت سے مستفید ہونے سے روکے' یا عقائد میں اختلاف کی بناء پر تعصب سے کام لے۔ امام کا مقصد شہادتِ عظمیٰ کے ذریعے اصلاح معاشرہ تھا۔ اگر تقاریر میں امام کے اس مقصد کو مدنظر نہ رکھا گیا تو نہ فقط منشائے امام بلکہ منشائے الٰہی کی خلاف ورزی ہوگی اور شہادتِ عظمیٰ کو کارِ عبث بنانے کے مترادف ہوگا۔

اسکے لئے محرم کے جلوسوں میں ماتم و نوحہ خوانی کے ساتھ ساتھ پہلے سے مرتب شدہ روشن فکر لوگوں کی جانچی ہوئی اسلامی اخلاق کے شایان شان و انسان ساز تقریروں کا اہتمام بھی ضرور ہونا چاہئے۔ جن کے ذریعے قیامِ حسینی آشکار ہو۔ ان میں متنازع باتوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ اجتناب کرتے ہوئے اسلامی اخلاق و عمل' سیاست و ثقافت' معیشت و معاشرت' تعلیم و تعلم' اخوت و ہمدردی وغیرہ کو دل آویز پیرائے میں اجاگر کیا گیا ہو۔ یہ تقریریں کثیر تعداد میں دیدہ زیب کتابچوں کی شکل میں چھپوا کر بھی تقسیم کی جائیں۔

اسکے علاوہ امام حسین علیہ السلام کے مواعظِ حسنہ سے اخذ کئے ہوئے اقوال کے پلے کارڈز بیچ بیچ میں پیّوں پر نصب اسٹینڈز پر ساتھ چلتے رہیں جو بیان کریں کہ موجودہ زمانے میں امام کے قیام سے استفادہ کرتے ہوئے کثافت زدہ معاشرے کی اصلاح کس طرح کی جا سکتی ہے؟ بیان کیا جائے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اصلاح معاشرہ کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا مقام رکھتے ہیں جو امام نے کر کے دکھا دیا۔ اسوقت معاشرہ کیوں ابتری کی حالت میں ہے' اسکے اسباب کا جائزہ لیا جائے اور ان کے حل دریافت کر کے انہیں بروئے کار لایا جائے۔

ماتم کیساتھ نوحے ایسے پڑھے جائیں جن سے معلوم ہو کہ جو سوگ منایا جا رہا ہے اس کا کوئی مقصد بھی ہے' وہ اسلامی تعلیمات کو انحرافات سے بچا کر لوگوں کے اعمال کو اسلامی تقاضوں کے مطابق قائم رکھنے کیلئے ہے' تا کہ جلوس عزا کا تقدس قائم رہے۔ نوحوں میں گانے کی طرزوں سے اجتناب کیا جائے۔

غم اس بات کا ہے کہ مقاصد سے ہٹ کر عزاداری برپا ہو رہی ہے' جو خواہشاتِ امام کے برعکس ہے' اسی لئے بے اثر بھی ہے۔ ضرورت ہے کہ متعلقہ حضرات جو ان مراسم کے انعقاد کے لئے ہمیشہ زحمت گوارہ کرتے ہیں معمولی ردو بدل سے کام لیکر اسے با مقصد بنانے کی کوشش کریں۔ ان کے ہاتھوں اصلاحِ انسانیت' قیام کے زمرے میں شمار ہوگی اور انشاءاللہ انھیں اجرِ عظیم کا مستحق بنادے گی۔

شفاعت

شعراء و خطیب حضرات میلاد و مقاصدے کی محافل میں اکثر و بیشتر رسول و اہل بیتِ رسول کی شان میں ایسے کھلم کھلا مبالغہ آمیز من گھڑت الفاظ میں ثناخوانی کرتے ہیں جو دینی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی اس مدح سرائی کو خود ہی باعثِ شفاعت قرار دے لیتے ہیں۔ اگر ان عظیم ہستیوں کے اوصافِ حمیدہ بیان کر کے اپنے اور دوسرے لوگوں کے اخلاق سدھارنے کی باتیں کریں تو انکا یہ عمل قابلِ تحسین ہوگا اور وہ اسکے عوض اجر کے مستحق بھی بنیں گے۔

جنابِ امیر علیہ السلام نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں: (اقتباسات)

''یاد رکھو کہ جس کے دل میں جلالِ الٰہی کی عظمت اور جس کے نفس میں اس کے

مقامِ الوہیت کی بلندی ہے اسکا حق یہ ہے کہ تمام کائنات اس کی نظر میں چھوٹی ہو جائے......دیکھو مجھ سے اس لہجے میں بات نہ کرنا جس لہجے میں جابر بادشاہوں سے بات کی جاتی ہے اور نہ مجھ سے اس طرح بچنے کی کوشش کرنا جس طرح طیش میں آنے والوں سے بچا جاتا ہے' نہ مجھ سے خوشامد کے ساتھ تعلقات رکھنا ....لہٰذا خبردار حرفِ حق کہنے میں تکلف نہ کرنا اور منصفانہ مشورہ دینے سے گریز نہ کرنا۔'' نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۱۶

علامہ ذیشان حیدر جوادی انوار القرآن کے صفحہ نمبر ۴۶ کے حاشیے پر رقم طراز ہیں:

''شفاعت خدائی فیصلے کو تبدیل کرنے یا خدا کو بد کرداری سے راضی کرنے کا نام نہیں۔ شفاعت نیک کرداروں سے رابطے کا نام ہے جو خود بھی کردار سازی کی بہترین دعوت ہے اور اسی لئے ظالمین قابلِ شفاعت نہیں۔''

علامہ صاحب یقیناً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب سیرت محمد و آلِ محمد کا تفصیل سے مطالعہ کر کے اسے مشعلِ راہ بنالیا جائے گا' تو اعمال کو خود بخود جلا ملے گی۔ اچھے اعمال موجبِ بخشش بن جائیں گے۔ ان کی محبت اسی لئے فرض کی گئی ہے کہ یہ ان کی طرف رجوع رہ کر صالح اعمال کی ضمانت دیتی ہے۔

روزہ

روزہ جس حکمت و توانائی کا مالک ہے اس کی جانب معاشرے کی توجہ نہیں دلائی گئی' جو اس

کے اصل مقصد سے انحراف ہے۔ اس سے بے اعتنائی برتی جارہی ہے اور فرد و معاشرہ فرسودگی و محرومیت کا شکار ہے۔ رمضان کی آمد سے پہلے ہی یا دورانِ رمضان اسکی افادیت پر علماء (مربوط بہ اخلاقِ اسلامی) مشاورین برائے حصولِ علم (پیش بینی' منی بہ توقعات' امکانات' اخراجات) و ازدواجی مسائل' ذہنی و جسمانی امراض سے مربوط اطبا اور اقتصادیات کے ماہرین کو مساجد و امام بارگاہوں میں مدعو کیا جانا چاہئے کہ اسکے ہر پہلو سے مطلع ہوکر عوام خوب تر خوشحال' تندرست و توانا' صالح معاشرہ وجود میں لائیں جس سے مصیبت زدہ انسانیت کی مشکلات کم ہوں۔

روزے کا اصل مقصد اپنے اوپر قابو پانا ہے۔ یہ اپنی مخلوق سے بے انتہا محبت کرنے والے اللہ کی طرف سے انسان کے لئے ایک خصوصی عطیہ ہے کہ وہ رمضان کے ایک مہینے کی مدت میں عزم مصمم کے ساتھ اپنی غیر معقول عادتوں سے نجات حاصل کر کے اچھی عادات اپنا لے۔ یہ ایام فقط بھوکا رہنے کی مشق کے لئے نہیں ہیں' جبکہ اس میں بھی لاتعداد فوائد موجود ہیں' سحری و افطاری میں غذا اور اسکے کھانے میں معقولیت ذہنی و جسمانی صحت کے لئے افادیت کی حامل ہے۔ اصل مقصد اپنے آپ کو مخالفتِ نفس سے مانوس کرنا' اللہ و رسول کی اتباع' قرآن سے استفادہ' اخراجات میں اعتدال' ایک وقت کے کھانے سے بچی ہوئی رقم کا کارِ خیر میں خرچ' امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو تدبر و تفکر کے ساتھ اپنانا' خود سے پکا وعدہ کرنا کہ رمضان کے بعد بھی مشق شدہ اطوار پر اپنے کو محکم رکھیں گے۔

بطور کلی ضرورت ہے کہ ہماری لو اللہ کی طرف لگی رہے تا کہ اعمال درست رہیں' خوشنودئ خدا حاصل ہو اور اعمالِ صالح کی بدولت جہنم کی آگ سے نجات ملے۔

اس پورے مہینے میں خصوصی طور پر ہم اپنا احتساب کرتے رہیں کہ رمضان کے مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم کس قدر ترقی و تکامل کے حصول میں کامیاب ہوئے؟

ہم نے بالائی سطور میں اختصار کے ساتھ جن امور کو درج کیا ہے' ان پر گامزن ہونا لازم ہے۔ مگر دورانِ رمضان یا بعد از رمضان ان کے اثرات مرتب ہوتے نظر نہیں آتے۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ علما جو خصوصی طور پر اس مہینے میں رہنمائی کیلئے مدعو کئے جاتے ہیں' اپنے اس منصب کی ادائیگی سے قاصر ہیں۔ چونکہ عادات میں تبدیلی لے آنا روزے کا اصل مقصد ہے۔ یہ انحراف کے زمرے میں آجاتا ہے۔ علماء کو چاہئے کہ یا تو کسی ماہر نفسیات کو مدعو کر کے لوگوں کو اس کی تفصیلات سے آگاہ کریں یا خود عادات پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کر کے یہ ضروری امر انجام دیں۔ اگر کسی وجہ سے ہم ان سے منحرف رہے تو اس کے جوابدہ ہوں گے اور ایک اجرِ عظیم سے محروم رہیں گے۔

یہ مہینہ ایک ایسا قالب یا سانچہ ہے جس میں ڈھل کر روزہ دار کو انسانیت کا مرقع بن کر نمودار ہونا چاہئے۔ اس سے پہلے جن امور کا تذکرہ ہو چکا ہے ان کے علاوہ تنگ مزاجی' اپنے آپ کو بڑا سمجھنا' غرور' اپنے علم' مال و دولت اور اولاد پر فخر' چیخنا چلانا' ڈانٹ ڈپٹ' مذہبی و نژادی تعصب' قسمت کی آڑ لیکر تساہلی میں مبتلا ہونا' اپنی غلطیوں کو دوسروں پر ڈالنا' اپنی اور اپنے خاندان بلکہ پوری انسانیت کی علمی' مالی' ذہنی اصلاح جس کا تذکرہ ہوتا چلا آیا ہے' وغیرہ سے روگردانی ایسی عادات ہیں جن پر اس مہینے میں قابو پالینا چاہئے۔ روزہ داروں کو مل کر ان خرابیوں کے خلاف قیام کرنا چاہئے کہ وہ معاشرے سے دور ہو جائیں۔

حجِ بیت اللہ

عرصۂ دراز سے ادارۂ حج میں اسکی معنویت معطل ہے۔ اس کے مناسک کو اصل مقاصد سے ہٹا کر بے وقعت رسموں میں ڈھال دیا گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ رسومِ مناسک کو غیر ضروری سمجھ لیا جائے' ان میں دانا و ذہنِ مفکر کے لئے بڑا مواد موجود ہے۔ جو مرکزیت (کعبہ) کے ساتھ خدائے واحدۂ لاشریک کے حضور سرِ تسلیم خم رکھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے اور اس میں جو پیغام پنہاں ہیں ان سے مستفید ہونے میں مدد کرتا ہے۔

رسوم مناسک کے ہمراہ حج فروغ اسلام و فلاح انسانیت کا ایک اہم پہلو بھی اپنے ساتھ

لئے ہوئے ہے۔ وہ ہے مسلم ممالک کے سربراہان اور متمول مسلمانوں کو یکجا کر کے متحدہ طور پر سیاسی' اقتصادی' تعلیمی' معاشرتی' اخلاقی شعبوں میں منصوبہ بندی اور متفقہ فیصلوں کا اجراء جو اس وقت مفقود ہے۔ (باب حکمت میں اس انتہائی اہم امر پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے' ملاحظہ فرمائیے)

زکات

قرآنِ مجید میں ہر اس جگہ جہاں قیامِ نماز کا تذکرہ آیا ہے' زکات کا ذکر بھی اس کے ساتھ ہے۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ نماز کے ساتھ ہی ساتھ زکات بھی تحریفات کی نذر ہوگئی اور انسانیت ایک عظیم معاونت سے محروم ہو کر غلامی کے پھندے میں گرفتار ہوگئی۔ جیسا کہ ہمارے علم میں ہے کہ قیامِ نماز اسلامی واجبات میں اولین فرض کا مقام رکھتا ہے۔ زکات بھی اہمیت میں کم تر نہیں' بلکہ اسکا اہم جزو ہے۔ جس کے صحیح طریقے سے عمل میں نہ آنے سے قیامِ نماز اپنا وقار کھو بیٹھا ہے۔

زکات فقط یہ نہیں کہ چند اشیاء کی آمدنی کا ڈھائی فیصد فقراء کے حوالے کر دیا جائے' بلکہ اللہ کی اسکے بندے کو دی ہوئی ہر چیز پر ہر زاویے سے زکات ادا ہونا اصل مقصد ہے۔ اس میں جسم کے سارے اعضا اور افکار بھی شامل ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ہمہ وقت زکات ادا ہوتی رہے۔ مستحقین کی امداد رکنے نہ پائے' اپنے علم و عقل سے دوسروں کو مزین رکھنے کا سلسلہ جاری رہے' کہ کوئی جاہل و بدعقل نہ رہے۔ ہر مسلمان اعلیٰ وارفع دینی و دنیوی تعلیمات کا مالک ہو اور ان میں سے ہر ایک تحقیقات و اختراع میں وارد ہو کر اپنی استعداد کے مطابق انسان کی امداد میں حصہ دار بن جائے اور رضائے الٰہی حاصل کرے۔ زبان سے بہترین مشورے دے' مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرے' وغیرہ وغیرہ۔

علم و حکمت کے ساتھ حکومت کی سطح پر اسلحہ سازی کی ضرورت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔

قوت میں توازن قائم رکھنے بلکہ تھوڑی برتری متحارب استعمار کے ارادۂ جنگ کو ناکام بنا کے انسانیت کو خون خرابے سے بچانے کے مترادف ہے۔ استعمار کے دل میں اس برتری کا خوف انہیں اپنے ٹھکانے پر رکھتا ہے' حملوں سے باز رکھتا ہے۔ اس پرمبنی سارے امور زکات کے کھاتے میں آتے ہیں۔

نماز سے بے رغبتی

نماز ایک ایسا عطیۂ الٰہی ہے، جس میں ہرزاویے سے انسان کے لئے فلاح ہے۔ وہ زندگی کو سکون و راحت بخشتی ہے' دنیا کے خطرات سے بچا کر رکھتی ہے اور فرد و معاشرے کو ترقی کی راہوں پر گامزن رکھنے میں بدرجہ اتم معاونت کرتی ہے۔

تحریف نے نماز کی ان خوبیوں کو منفی معنی دے کر اس میں بے رغبتی پیدا کردی اور انسان کو اس کی بہرہ وری سے دور کردیا۔ مختصراً عرض ہے کہ:

صبح سویرے نماز کے لئے گہری نیند سے اٹھنا کتنا زحمت طلب ہے؟ جب کہ چھ سات گھنٹوں کی نیند کے بعد تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے' اسکے بعد سونا مفید نہیں۔ اسی قدر نیند سے ذہن کو یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ سے راز و نیاز یا نماز کی طرف حضورِ قلب بہتر صورت اختیار کر کے الٰہی ہدایات کی طرف راغب رکھتی ہے۔ نمازی انسان اوصافِ حمیدہ کا مالک بنا رہتا ہے۔ یہ صحت کے لئے بھی مفید ہے۔

دن میں پانچ بار مسجد آنے جانے' جوتے موزے اتارنے' وضو کرنے اور نماز ادا کرنے جیسے کاموں میں کس قدر وقت ضائع ہوتا ہے اور کاروبار معطل ہوتا ہے، کیا یہ وقت کا زیاں نہیں؟؟ حالانکہ کاروبار کی الجھنوں میں پھنسا ہوا' ذہنی دباؤ میں مبتلا نمازی کلماتِ نماز کے

معنی ومقاصد کی طرف جیسے ہی ذہن کو مبذول کرتا ہے اسکا ذہنی تناؤ دور ہو جاتا ہے اور وہ بہتر طور پر کاروباری مسائل کو حل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسکے علاوہ جب وہ اپنا احتساب کرتا ہے کہ کاروبار کے معاملات میں کہیں عدل وانصاف سے دور تو نہیں ہوا تو اس طرح اس میں پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ پانچ مرتبہ وضو وائرس و بیکٹیریا اور گرد وغبار سے نجات دلاتا ہے اور سالم صحت کی ضمانت بن جاتا ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ اللہ کی نظر میں بدترین مخلوق وہ انسان ہیں جو کان رکھتے ہوئے سنتے نہیں، جنکے منھ میں زبان ہے مگر وہ ذکرِ خدا کے لئے کھلتی نہیں، جنہیں عقل وتمیز کی قوت حاصل ہے مگر ان سے کچھ بھی استفادہ نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں غور وفکر سے کوئی واسطہ نہیں، نہ انہیں اپنی شناخت ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی۔ ایسے لوگ خوف خدا سے کنارہ کش ہیں۔

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر شعبۂ حیات میں تحریفات موجود ہیں۔ اصل منبع سے کٹ جانے کے نتیجے میں انسانیت بے سروسامانی میں مبتلاء ہے۔ اگر کسی چیز کا ہمیں آسرا ہے تو وہ قرآنِ مجید و محمد وآل محمد ہیں، ان کی پاکیزہ تعلیمات ہیں۔ یہیں سے وہ ہدایات وتعلیمات حاصل ہو سکتی ہیں جن میں ملاوٹ نہیں اور جو انسانیت ساز ہیں۔

یہاں ایک نفسیاتی مسئلہ بھی شاملِ حال ہے کہ تحریفات جو خاندانوں اور معاشرے میں پشتہا پشت سے چلی آرہی ہیں اور انسانی گھٹی میں جا پڑی ہیں، ان سے کیسے جان چھڑائی جائے؟

ان تحریفات کو جب تک کسی ایک پشت سے خارج نہیں کیا جائے گا اپنی روانی جاری رکھیں گی۔ لہٰذا چارۂ کار صرف یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کے سامنے اسوۂ محمد وآل محمد کی روشنی میں (تحریفات سے پاک) اعمال انجام دیں۔ معاشرے میں موجود تحریفات سے پر رسوم ورواج کی خرابیوں کو ان کی سمجھ کے مطابق حسن وخوبی کے ساتھ بیان کریں تاکہ انکا ذہن اس جانب سے بیدار ہو جائے، اور ان کی خرابیاں اور مضرات ان پر واضح ہو جائیں۔

اسکے لئے منصوبہ بندی کیساتھ وسیع دائرے میں متحدہ و مشترکہ جدوجہد کی ضرورت ہوگی جس کی بابت ہم غور کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے تحریف زدہ رسوم کو اگلی نسل میں منتقل ہونے سے روکا جاسکتا ہے۔ بچوں کے سہارے یہ اہم کام بحسن وخوبی انجام پا سکتا ہے۔ اس میں قباحت فقط یہ ہے کہ جن باتوں کو ہماری عادات نے قبول کر رکھا ہے ان سے چھٹکارہ حاصل کرنا زیادہ آسان نہ ہوگا' مگر ایسا مشکل بھی نہیں۔ قوی و مصمم ارادہ جوئے شیر بھی نکال سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اس عنوان پر لکھی گئی کتابوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے اندازہ لگایا کہ جب تک تحریفات کو ہر شعبۂ حیات سے چھانٹ کر دور نہیں کر دیا جائے گا غلامی ہماری قسمت بنی رہے گی۔ ضرورت ہے کہ مفکرین کا ایک متحدہ محاذ وجود میں آئے جو یہ کام کرے اور ساتھ ہی عوام میں آگاہی و بیداری پیدا کرے۔ ایک مضبوط ارادے کے سامنے بڑی سے بڑی مشکلیں تسلیم ہو جاتی ہیں۔ اسکے لئے بلا تاخیر روشن فکر حضرات کا سر جوڑ کر بیٹھنا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔

سب سے پہلے تحریف کی زد میں آئی حکمت پر جو قیامِ نماز میں واقع ہے توجہ دینا ہوگی۔ کوئی شعبۂ حیات نہیں جو اسکے (قیامِ نماز کے) دائرے میں نہ آجاتا ہو۔ جب ہم قیامِ نماز کو تحریفات کے دام سے چھڑا کر اسکے صحیح مقام پر لا کھڑا کریں گے' تو ایک ایک کر کے سارے مسائل کا حل تلاش کرنے میں آسانیاں پیدا ہوتی جائیں گی۔ آئندہ ابواب میں اس سے جڑے ہوئے امور پر نظر ڈالنے کی سعی کی گئی ہے۔

❁❁❁❁

باب ۶

وقت کا تقاضا

بسمہ سبحانہ

وقت کا تقاضا

''خبردار سستی نہ کرنا' مصائب پر محزون نہ ہونا' اگر سچے مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔'' آل عمران ۳:۱۳

''اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو' آپس میں جھگڑا نہ کرو' تم ہمت ہار دو گے' اور تمہاری ہوا بگڑ جائے گی۔'' انفال ۸:۴۶

مندرجہ بالا آیات کا خطاب ایمان لانے والے مسلمانوں سے ہے۔ مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری زندگی کا شائد ہی کوئی گوشہ ہوگا جس میں غیر اسلامی تسلط نہ ہو' خواہ وہ معاشرت سے تعلق رکھتا ہو یا معیشت سے۔ اگر کچھ باقی بچا ہے تو وہ اسلامی حقیقتوں سے دور بے معنی رسومات میں رچا ہوا ہے۔ زندگی اتنی مجروح و ناتواں نظر آتی ہے کہ نبض اب ڈوبے کہ تب۔ فرقوں میں بٹ کر قتل و غارت گری اور خون کی ندیاں بہانا رات دن کا کھیل بنا ہوا ہے۔ یہ اتنا عام ہو گیا ہے کی ایسی خبریں ملنے پر لوگوں میں صدائے آہ بھی بلند نہیں ہوتی۔

بڑے بزرگوں نے بتایا ہے کہ زندگی جو نفع و نقصان کی جوابدہی سے خالی ہو قابلِ زیست نہیں (سقراط)۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انسان' جسے

اچھائیوں برائیوں اپنی ذاتی صلاحیتوں کا پتہ نہ ہو اور وہ مقصدِ زندگی نہ رکھتا ہو اس بے حسی کی بناء پر اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔ اسکا زندہ رہنا سوالیہ جملہ بن جاتا ہے۔

مسلم امہ ایک ایسی ملت بن گئی ہے جو اپنے ذہن پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی۔ حالانکہ مسلمان کا پہلا سبق ہی عاقبت اندیشی ہے۔ عقبیٰ پر اسکی نگاہ ہونا چاہئے۔ یہ بات کیسے قبول کر لی جائے کہ ہم مسلمان بھی بنے رہیں اور غیر اسلامی بہاؤ کے ساتھ بہتے بھی رہیں؟؟ (مولانا مودودی) اصولہائے حیات مقاصد نظریات اعمال و کردار مسلمانوں جیسے نہ ہوں پھر بھی مسلمان کہلائیں؟

اس سے پہلے کہ ہم تدارک کی طرف قدم بڑھائیں قرین قیاس ہے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ وہ کون سے عوامل تھے یا ہیں جن کی وجہ سے ہم اس المیے میں جا پڑے۔ اس حوالے سے چند سوالات پیش خدمت ہیں:

اسلامی کتابوں میں کیوں اور کیسے تحریفات ہوئیں؟

حدیثیں کیوں ہزاروں کی تعداد میں گھڑی گئیں جو قرآن کی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتیں اسکی ذمے داری کس پر آتی ہے؟

عربی زبان جو اسلام اور اسلامی ثقافت کی زبان ہے کیوں ملت اسلامیہ کی زبانِ اوّل نہ بن سکی؟

قرآنِ کریم کی تلاوت کیوں معنی سمجھے اور غور کیے بغیر کافی سمجھ لی گئی؟ جبکہ دنیا کی ہر کتاب کو سمجھے بغیر پڑھنا پاگل پن قرار دیا جاتا ہے؟

نماز میں جو کلمات منہ سے ادا کیے جاتے ہیں انھیں سمجھے بغیر کیوں ثواب کا باعث سمجھ لیا جاتا ہے؟

نماز و روزہ حج و زکات اور دیگر امور کیوں بے مقصد رسوم کی شکل اختیار کر گئے؟

امر بالمعروف و عن المنکر کیوں ہمارے اعمال سے خارج کر دیئے گئے؟

اسلام میں فرقوں کی تعداد کیوں بڑھتی چلی جا رہی ہے؟

اتحاد بین المسلمین کیوں نہیں ہو پا رہا ہے؟

منبر سے کیوں اصلاح کی باتیں نہیں ہو رہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔

دوسری وجوہات کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اصل اسلام کا دنیا کے کسی خطے میں وجود ہی نہیں رہا' حالانکہ دنیا میں ایسے کتنے ہی ممالک ہیں جہاں نام کے مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تحریفات سے پاک سالم اسلام تاریخ کے ایک دور میں تجربات کی منزل پر آچکا ہے' جب اس نے اجتماعی تنظیم کے میدان میں اپنی بے پناہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن کچھ ایسی طغیانیاں آئیں اور طوفان برپا ہوئے کہ وہ سچی رہنمائی سے محروم ہوگیا۔ نابالغ و ناپختہ ذہنوں نے حکومتوں کی باگ ڈور سنبھال لی اور دین کی روح لوگوں کے دلوں سے جدا کر دی اور بچے کھچے اسلامی نظام کے گھروندے میں گنتی کے چند گنے چنے مخلص پرستارانِ اسلام باقی رہ گئے جن کے دلوں میں اسکی روح کی تڑپ باقی رہی۔ بقیہ تماش بین تھے' اپنے گھر کی بنیادیں اپنے سامنے مسمار ہوتے دیکھ رہے تھے' مگر جرتِ مدافعت مفقود تھی۔

اصل بات یہ تھی کہ اخلاقی اصول وقواعد جو پوری طرح دین سے وابستہ تھے جب مذہب کی بنیاد استقامت کھو بیٹھی تو اخلاقی قدروں کا اعتبار کہاں باقی رہ سکتا تھا۔ دین کا ناطہ غیب سے تھا' بنیاد اسکی اُخروی جزا و سزا پر تھی۔ دین سے ناآشنا ذہن نے جدید انکشافات کے وجود میں آتے ہی غیب سے رشتہ توڑا اور اسکے فکر کی بنیاد کو تاہ نظر محدود مشاہدات و تجربات پر رکھ دی۔ سرمایہ ضرور ہاتھ آیا مگر اخلاقِ اسلامی یا انسانیت سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ نظامِ سرمایہ داری منصف نگاہ نہیں ظلم کو ابھارتا ہے' جس کے نتیجے میں آزادی سلب ہو جاتی ہے جو پورے معاشرے کو زوال پذیر بنا دیتی ہے۔

جبکہ اسلام نے آزادی کو اس کی حدود مقرر کر کے انسان کے مزاج میں داخل کر دیا ہے۔ اسکی نظر میں حریت یہ نہیں کہ جو چاہو کرتے پھرو' اس نے انسان کو بے لگام نہیں چھوڑا بلکہ اختیارات کی اچھائی برائی بتا کر دینی احکام کے تابع کر دیا۔ تا کہ وہ ہوش و حواس قائم رکھے اور اپنا

طرزِ عمل اسلامی فکر و نظر کی روشنی میں متعین کرے۔

خواہش عقل پر غالب آجائے تو حیوانیت اور عقل خواہش پر قابو پالے تو انسانیت۔

رہے سوالات کے جواب' تو اتنا کچھ سمجھنے کے بعد انہیں قارئین کی صوابدید پر چھوڑا جاتا ہے کہ وہ خود ہی اندازہ لگالیں۔ مجموعی طور پر وہ واضح نشاندہی کر رہے ہیں کہ اللہ و رسول کے احکام کی پابندی اس وجہ سے نہیں ہونے دی جا رہی ہے کہ (سازش کے ذریعے) مسلمانوں کو اسلام کی اصل ہدایات سے دور رکھا جائے۔ تحریک پیدا کرنے والی ہدایات سے دور ہو کر وہ خود ہی بے دست و پا ہو جائیں گے اور انہیں آسانی سے شکار کر کے غلام بنایا جا سکے گا۔

اب ہمیں معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ موجودہ دور کا مغلوب مسلمان' جیسا بھی ہے' اس پر جو مصیبت آن پڑی ہے سب کچھ کھو دینے کے بعد اگر کوئی قدم اٹھائے بھی تو کیسے؟ اسکے پاس تدارکات کے لئے باقی ہی کیا رہ گیا ہے؟

یہ مسئلہ حریت کا ہے' یعنی دوسروں کے مظالم و جبر کی نفی۔ جن سازشوں کے زغے میں ہم آن پڑے ہیں انکا تجزیہ اور سراغ لگا کر ان سے نجات حاصل کرنا ہو گی۔ حصول آزادی کا یہی واحد طریقہ ہے۔ اسکے لئے قوت کہاں سے حاصل کی جائے؟ اس سلسلے میں اللہ سے رجوع کرتے ہیں تو وہی مخزنِ قوت ہے۔

حریت

الحمد للہ رب العالمین: تعریفیں ساری اللہ کے لئے ہیں' جو ساری دنیا کی حاجات پوری

کرنے والا' تربیت کرنے والا' انہیں تدریجاً ترقی دے کر کمال تک پہنچانے والا ہے۔

خداوند کریم ہم سب کا پیدا کرنے والا ہے' ہماری ساری ضروریات کو جن کے بل بوتے پر ہم اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے اور سوچنے سمجھنے کے قابل بنے ہوئے ہیں' اسکے عطا کئے ہوئے ذرائع تربیت' فکر وتحقیقات واختراع وغیرہ سے تدریجاً ترقی کرنے وزندہ رہنے سے متعلق دیگر قوتوں اور مال واسباب کے مالک بنے ہوئے ہیں' وہی پوری کرتا ہے۔ اسکے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں جو ہماری حاجت روائی کرسکے۔

دورِ حاضر میں غلامی کے بوجھ تلے دبے ہوئے مسلمان کے لئے حریت کی ضرورت ہے۔ جس تیزی سے دنیا ترقی کرتی چلی جارہی ہے' اس میں اگر وہ دوسروں سے سبقت نہیں لے جاتا تو ترقی کی دوڑ میں جو آگے ہیں وہ اس پر غالب رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی ربانیت سے کیسے فائدہ اٹھایا جائے' اس کا سلیقہ کہاں سے آئے؟؟

اس ضمن میں عرض ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے ترقی کرنے کے تیز تر وسیلے جو مسلمان کے پاس ہیں' ان کے پاس نہیں جنکے غلبے میں وہ دبا پڑا ہے۔ یعنی قرآن اور سنتِ رسول پر مبنی پاک ہدایات' جو ترقی پر گامزن فطرتِ کاملہ سے مطابقت رکھتی ہیں۔ فطرت سے گریز کرتا ہوا کوئی اور طریقۂ زندگی ظاہر ہے ہمارے مفاد میں کبھی نہیں ہوسکتا' اسلئے کہ وہ پاکیزہ فطرت کائنات کے دھارے سے (جس میں انسان خود بھی شامل ہے) جو مستقلاً مائل بہ ترقی ہے ہٹے ہوئے ہوں گے اور کچھ عرصے کے بعد فرسودگی کا شکار ہو جائیں گے۔ اگر ہم ان پر کاربند رہے تو وہ بلاشبہ ہمارے لئے نقصان کا باعث بنیں گے' ہم پر ترقی کی راہیں مسدود رہیں گی اور غلامی کا طوق گلے میں پڑا رہے گا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''کسی غیر کے غلام نہ بنو کہ خدا نے تمھیں آزاد پیدا کیا ہے۔''

اسلامی حریت ایک ایسا انقلابی تصور ہے جس میں انسان فقط اللہ تعالیٰ کا بندہ بن کر دنیا کی ہر طاقت سے بلند وبالا ہو جاتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ پوری کائنات کا

مالک ایک ہے' اسکی قوت وقدرت کی حدود کا حساب سمجھ سے بالاتر ہے' جب اس کی نصرت حاصل ہوگی' کوئی بھی سازشی جال ہم پر اثر انداز نہیں ہو پائے گی اور ہمارا کاروانِ حیات تیزی سے ترقی کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

حصولِ حریت کے لئے ہمارا مالک ومختار بتا رہا ہے کہ: اللہ کی اطاعت کرو' اسکے رسول کی اطاعت کرو اور ان کی اطاعت کرو جو صاحبانِ امر ہیں۔رسول نے بتا دیا کہ صاحبانِ امر بارہ ہیں اور انہی کے اہلِ بیت میں سے ہیں۔ان کی تلاش کا طریقہ جناب امیر نے یہ کہہ کر بتایا ہے کہ حق کی تلاش کرو حق والے مل جائیں گے۔ان کی عدم پیروی کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

''ہم نے جب بھی کسی قریہ کو ہلاک کرنا چاہا تو اسکے ثروتمندوں پر احکام نافذ کر دیے اور انہوں نے ان کی نافرمانی کی تو ہماری بات ثابت ہوگئی اور ہم نے اسے مکمل طور پر تباہ کر دیا۔'' اسراء ۱۷:۱۶

کسی ملت کا اقتصادی نظام اگر درہم برہم ہو جائے تو تباہی اسکی قسمت بن جاتی ہے۔کیا مسلمانوں پر اس اصول کا اطلاق نہیں ہوتا؟ مسلمانوں میں ابتری ومفلوک الحالی' ثروتمندوں کی وجہ سے ہے' وہ مستحقین کے حقوق ادا نہ کر کے اپنے یہاں فراوانی پیدا کر لیتے ہیں۔ جبکہ فراوانی کی حد تک پہنچنے والی آمدنی مستحقین کا حق ہوتی ہے' جو اللہ تعالیٰ ثروتمندوں کے ذریعے غریبوں تک پہنچانے کے لئے انھیں دیتا ہے' تا کہ وہ فقر سے آزادی حاصل کر لیں اور اپنے جیسے دوسروں کیلئے حصولِ حریت میں معاون بنیں۔اگر یہ سلسلہ جاری ہو جائے تو فقر کا نام ونشان باقی نہ رہے۔اگر ثروتمند حضرات اپنے لازمی اخراجات سے زیادہ خرچ کرتے ہیں' تو گویا انہوں نے فقراء و مساکین کے حقوق کو سلب کیا ہے' اقتصادِ اسلامی کو خراب کیا ہے' مسلمان کی عسرت وتباہی کا باعث بنے رہے اور اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔

''جہاں فراوانی دیکھی' وہاں حقوق کا مارا جانا دیکھا'' حضرت علی علیہ السلام

مندرجہ تفصیل کے مدنظر ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے گھروں کا جائزہ لیں' کہیں بے جا اخراجات تو نہیں ہو رہے ہیں؟ سادگی سے ہٹ کر دکھاوے' شان وشوکت کی مد میں اللہ کی امانت خرچ تو نہیں ہو رہی ہے؟ اسلئے کہ ضروری اخراجات سے بچا ہوا مال متاع حکمِ الٰہی کے مطابق مستحقین کا حق ہے۔ اپنے اوپر اسکو صرف کرنا ظلم کے حدود میں جا پڑنا ہے۔ دیگر یہ کہ ایسے اضافی اخراجات تن آسانی پیدا کر کے تساہل میں مبتلا کر دیتے ہیں' جو ایک اٹل فطری عمل ہے۔ جس کے تحت وہ بلاشبہ زوال کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور تباہی ان کی قسمت بن جاتی ہے۔ اللہ کی حکمت میں دورنگی نہیں ہے۔ مندرجہ بالا آیت اس فطری عمل کو بیان کر کے ہمیں ہوشیار رہنے کی تاکید کرتی ہے' ایک انتباہ ہے۔

کسی ملت کا عدل پر مبنی اقتصاد اسکے اچھے کردار کا ضامن بن جاتا ہے۔ اسکی ترقی کی راہ میں کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ حائل ہو جائے۔

غفلت و کوتاہ نظری

مسلمانوں پر موجودہ ادبار کی ذمے داری کس پر آتی ہے؟؟۔ خامہ انگشت بہ دنداں ہے اسے کیا کہیئے!! بڑی جرأت کی بات ہوگی اگر یہ کہہ دیا جائے کہ معاشرے کو درست حالت میں رکھنے کی خصوصی تعلیم علماء کو دلائی گئی تھی۔ گنتی کے چند کے سوا ان کی اکثریت اپنی ذمے داری سے عہدہ برآ نہیں ہو پا رہی۔ محراب ومنبر پر ان کا تسلط ہے' وہاں کسی صورت سے بھی اللہ کی حاکمیت کے آثار نظر نہیں آتے۔ نائب رسول ہونے کا دعویٰ ہے' اسوۂ حسنہ پر نہ خود عمل پیرا ہیں نہ مسلمانوں کو اسکی رغبت دلانا اپنی ذمے داری سمجھتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی علماء کی ہر زمانے میں کمی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مختصر دور کے بعد اسلامی معاشرہ وجود میں آ ہی نہ سکا۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے برگزیدہ بندوں کو قتل کرنے کیلئے علماء کے لبادے میں جابر حکمرانوں کے غلاموں کی بھرمار رہی ہے۔ انہوں نے اپنی اقتصاد کو درست رکھنے کے لئے اسلام کے خلاف ہر قسم کی سازش میں مدد کی۔

آیت اللہ خمینیؒ نے درباری ملاؤں اور واعظوں کے بارے میں فرمایا ہے:

''ہمارے نوجوانوں کو چاہئے کہ ان کے عمامے اتار دیں۔ ان ملاؤں کے عماموں کو اتار دینا چاہئے جو فقہائے اسلام اور علمائے اسلام' اسلامی معاشرے میں اس قدر فساد پیدا کرتے ہیں۔ یہ ایک شریف و محترم لباس ہے اسے ہر کسی کے تن پر نہیں ہونا چاہئے۔'' (در جستجوی راہ از کلام امام۔ ج ۸۔ ص ۳۷۷)

مقصد علماء کی ہجو نہیں ہے' مگر جو اثرات ان کی کوتاہی یا ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ملت اسلامیہ پر مرتب ہو رہے ہیں وہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ انہیں اسلام کی پوری طرح معرفت نہیں' اسلئے کہ اسلام تو پوری حیات انسانی پر محیط ہے' اور زمانہ ساز ہے' اس سے ان کی ناآشنائی' اسلام کی بدنامی اور امہ کی تباہی و غلامی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس بات کی تحقیقات کی جائیں' تاکہ بات کھل کر سامنے آئے کہ تعطل کہاں ہے' تاکہ اسکے تدارک کا انتظام کیا جائے۔

اگر اس کی ذمے داری ان اداروں پر جا پڑتی ہے' جنہوں نے ان کو تعلیم فراہم کی ہے' تو ایسی درسگاہوں کی تعمیر نو کی جائے۔ مدرسوں کے نصاب تعلیم میں ان علوم کو شامل کیا جائے جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انسان ساز و زمانہ ساز ہوں۔ بیرونی تسلط سے بچا کر امور مسلمین کو درست حالت میں رکھنے والے تدبر و تفکر اور رہبری کے اصولوں پر جدید زمانے اور دور رس تقاضوں پر محیط ہوں۔ صرف جرأتمند و نفسیاتی طور پر متوازن و بیدار ذہن طلباء کی دسترس میں

یہ تعلیمات رکھی جائیں۔ معاشرے میں قدم رکھنے سے پہلے ان سے عہد لیا جائے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو ہاتھ میں رکھ کر مسلمانوں کی اصلاح اور ان کو متحد رکھنے کی انتھک کوشش کرتے رہیں گے' چند سکوں کی جھلک ان کی آنکھوں کو خیرہ نہیں کرے گی۔

چونکہ ملتِ مسلمہ میں تفرقہ اندازی کمزور علماء کے ذریعے وجود میں آتی ہے' لوگوں میں تعصب کا بیج انہی کے ہاتھوں بویا جاتا ہے' ان سے نجات' اس صورتحال کے تدارک کا جزو ہونا لازم ہے۔

اتحاد بین المسلمین

جناب امیر المومنین علیہ السلام تعصب کو اس طرح متعارف کراتے ہیں:

''اگر تعصب پر مجبور ہو ہی جاؤ تو مناسب اور پسندیدہ چیز کے بارے میں تعصب کا اظہار کرو۔ جیسے پسندیدہ اخلاق' حمیدہ اور نیک کردار' غصے کے موقع پر تحمل و درگزر' اچھی عادات اور نیک خصلتیں اختیار کرنے میں تعصب کرو۔ مثلاً بے آسرا لوگوں کی حمایت کے بارے میں' عہد و پیمان پورا کرنے کے سلسلے میں' تقویٰ و ایمان سے آراستہ ہونے میں' ظلم و ستم کرنے سے بچے رہنے میں' لوگوں کا خون بہانے اور ظلم و ستم کو گناہِ عظیم سمجھنے میں' غصے کو پی جانے میں اور دین میں تباہکاری پھیلانے سے پرہیز کرنے میں۔'' نہج البلاغہ: خطبہ ۱۹۵

یہ ایسا جامع اور موثر خطبہ ہے کہ اگر اسے بنیاد بنا کر تبلیغ کی جائے تو کوئی مانع نہیں کہ مسلمانانِ عالم کے درمیان جو تفرقہ پیدا کیا گیا ہے وہ فرو نہ ہو جائے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ

مسلمانانِ عالم جب تک متحد ہو کر اپنے مسائل کو حل نہیں کریں گے سازشوں کے شکار بنے رہیں گے اور غلامی کی زنجیر ان کے گلے کا ہار بنی رہے گی۔

''اگر سچے مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔'' آل عمران ۳:۱۳۹

''آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔'' انفال ۸:۴۶

مسلمانوں میں نزع اور نا اتفاقی نے اسلامی معاشرے کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں اور اس کے رعب داب کو ملیامیٹ کر کے اسے پست ہمت و ناتواں بنا دیا ہے۔ ایمان مسلمانوں کے مابین دوستی اور خلوص پیدا کرنے کی پختہ بنیاد ہے۔ اسکے ذریعے مسلمان دوبارہ اپنے درمیان اتحاد پیدا کر سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ متحد ہو کر اس مفاد پرست ملاّ کا زور توڑ دیں جو تعصب کی آڑ میں مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے رکھتا ہے۔

''اہلِ ایمان مرد و عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہیں' وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں (وہ پابندی) سے نماز قائم کرتے ہیں اور زکات دیتے ہیں۔'' توبہ ۹:۷۱

قرآن مومنیت پر بڑا زور دیتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر مسلمان مومن نہیں بنتا تو طاغوت کی گود میں جا پڑتا ہے' اسکا ساتھی بن جاتا ہے' جاہلیت میں پھنس کر ایمان کی روشنی سے محروم ہو جاتا ہے' نادانی کی بنا پر تعصب میں پھنس جاتا ہے اور یہ خصلت مسلمانوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے' ان کے اتحاد کو بکھیر کر انہیں کمزور بنا دیتی ہے اور طاقتور کے غلبے میں آ کر وہ غلام بن

جاتے ہیں۔

مسلمان مندرجہ بالا آیت کے مطابق ایک دوسرے کے ولی ہوتے ہیں۔جن باتوں کا اسمیں تذکرہ ہے وہ اسکی شرائط ہیں جسکے بغیر ایمانداری یا مومنیت ہاتھ نہیں آسکتی۔ان چار امور کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساواسطہ ہے۔نماز کی دن میں پانچ مرتبہ اسکے آداب کیساتھ تکرار اسلئے ہے کہ مسلمان دن ورات کے اوقات میں ان شرائط پر عمل پیرار ہیں' بہبودِ انسانیت کیلئے قیام کرتے رہنا نہ بھولیں' تاکہ مومن کا کاروانِ حیات آزاد ہوا میں کامیابی کے ساتھ عبدیت کی جانب رواں داں رہ کر اپنے مالکِ حقیقی کے رحم وکرم کا ازلی حقدار بن جائے۔

فی زمانہ ماحول مومنیت کے لئے سازگار نہیں۔ضروری ہے کہ مومن اپنا احتساب کرتا رہے۔کہیں قدم راہِ غیر پر تو نہیں جا پڑے ہیں؟ اگر کبھی بھٹک کر قدم اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحقین کی راہ پر جا پڑیں' تو انتہائی انکساری وتضرع کے ساتھ استغفار کا سہارا لیکر تیزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے (توبہ) وعدہ کرے کہ: تیری راہ پر واپس آ گیا ہوں اور اسپر قائم رہوں گا۔اس جملے کی مخلصانہ تکرار ہمیں بے راہ روی سے بچالے گی۔

مسلم اتحاد جزوِ قیامِ نماز ہے

ہم سب پر واضح ہے کہ مفاد پرست عناصر مسلمانوں میں اتحاد برداشت نہیں کر سکتے' اسکے لئے انہوں نے چپے چپے پر سازشیوں کی ٹولیاں بٹھا رکھی ہیں' جن پر وہ پانی کی طرح دولت بہا رہے ہیں۔ یہ لوگ گہری منصوبہ بندی کے تحت نو جوانوں کے ذہن کو تیزی سے پلٹ دینے میں مہارت رکھتے ہیں۔ان کے اس منصوبے میں ناعاقبت اندیش ملا اپنی جہالت ومفاد پرستی کی بناء پر ان کا ساتھی بن کر ان کی معاونت کرتا ہے۔

مومن چونکہ اسلام اور اس کی حقیقی ہدایت دہندہ ہستیوں کی معرفت رکھتا ہے' دنیوی لالچ سے

مبرا ہوتا ہے' اسکی طبیعت کا رجحان اللہ تعالیٰ کی رضا کی جانب ہوتا ہے' اس وجہ سے طاغوت کے جال میں مشکل سے پھنستا ہے۔ اگر فقط ایک چوتھائی ملتِ مسلمہ تعصب سے پاک ہو کر اخلاقِ اسلامی اپنا لے تو دشمنوں کی سازشیں ناکام رہیں گی اور دوبارہ ایک فلاحی معاشرہ وجود میں آ جائے گا۔

اسلام سے ناآشنا ملت موجودہ حالات سے تنگ آکر اسکی مشکلات سے دور ہونا چاہتی ہے مگر نہیں جانتی کہ کیا کرے' تدابیر سے ناواقف ہے۔ اسلام نے پنج وقتہ نماز کے قیام کو باجماعت اسلئے رکھا ہے کہ مسلمانوں کے سارے امور متحدہ طور پر انجام پائیں۔

پورا عالمِ اسلام جو اس وقت بکھرا پڑا ہے بلکہ تقریباً ہر زمانے میں لاعلمی کی بنا پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہا ہے۔ جب وہ دن میں پانچ مرتبہ نماز کیلئے اکٹھا ہوں تو انہیں چاہئے کہ اور دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ آپس کی رنجشوں کا تجزیہ کر کے نااتفاقی کا حل بھی تلاش کریں۔ ذہن میں موجودہ اور آئندہ نسلوں کی غلامی کو لا کر درگزر کے ساتھ ایک دوسرے کی جانب اتحاد کا ہاتھ بڑھائیں۔ یہ پوری امتِ محمدی کا مسئلہ ہے' چند فرقوں کا نہیں۔ اس نااتفاقی کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا ہوگا۔ یہ کہہ کر جان نہیں چھوٹے گی کہ ہم تو حق پر تھے اپنی گردن کیوں نیچی کرتے۔ اس طرح نماز سے قیامِ اتحاد کا کام بھی بخوبی لیا جا سکتا ہے۔

اس کام میں موافقت کیلئے نماز کی امامت کے لئے امام کا اعلیٰ تعلیم یافتہ' اسلام شناس' غیر متعصب ہونا اولیت کا حامل ہے' جو اتحادِ بین المسلمین پر عقیدہ رکھتا ہو' زمانے کے غیر مساعد حالات سے واقف ہو' تاکہ سازشوں کے خلاف مدافعت کر سکے اور اتحاد پر آنچ نہ آنے دے۔

کیا انبیاء و مرسلین نے اتحاد کی عملاً تبلیغ نہیں کی؟

کیا نبیٔ خاتم نے مسلمانوں کو جوڑ کر نہیں رکھا؟

یا ائمہ نے مسلم اتحاد کے لیے تعلیم نہیں دی؟

کیا عقیدۂ وحدانیت واحد امہ کا متقاضی نہیں؟

ہمیں چاہئے کہ اپنے بچوں' نوجوانوں' عزیز و اقارب کو آگاہ رکھیں کہ مسلمانوں کو کمزور بنا کر رکھنے میں تعصب کی ضرر رسانی کس قدر موثر ہے' وہ ان کے اتحاد کو کتنی آسانی سے پارہ پارہ کر کے ناکارہ بنا دیتی ہے اور ان پر غالب آکر اپنا مقصد حاصل کر لیتی ہے۔ یہ بھی انہیں بتانا ضروری ہے کہ نماز با جماعت' معرفتِ قرآن اور ہادیانِ برحق کی پیروی کے ساتھ کس طرح مسلمانوں کے سارے امور کو درست رکھا جا سکتا ہے۔

قیامِ نماز

یہ بات توجہ کی طالب ہے کہ اس عبادت کو کیوں لازمی ہونے کی حد تک اہمیت دی گئی ہے کہ دنیا کا کاروبار چھوڑ کر وقت پر اسے ادا کیا جائے؟ خصوصاً اس پر نظر رکھتے ہوئے کہ اس کی موجودہ طرزِ ادائیگی انسانی درد کا علاج نہیں کر پا رہی ہے۔ اس میں شرکت کرنے والا ایک جمع غفیر کسمپرسی میں مبتلاء ہے اور اپنی اس حالت کو قسمت سمجھ کر اس سے باہر آنے کوشش بھی نہیں کرتا' اسے پتہ ہی نہیں کہ اس عبادت کا مقصد کیا ہے۔

قیامِ نماز کیوں اہم ہے؟؟ وہ کیسے خوشنودیٔ خدا کا باعث بن سکتا ہے؟ وہ کیسے سوئے ہوئے بے فکر و بے خوف مسلمان کو بیدار کر سکتا ہے؟ بگڑے ہوئے امور مسلمین کو کس طرح درست کر سکتا ہے؟ کیسے پوری انسانیت کی درمانی کر سکتا ہے؟ کس طرح منصوبہ بندی اور ایجادات کے ذریعے خدمتِ انسانی کے لئے ہمیں رجوع کر سکتا ہے؟ یہ ایک ایسا موضوع ہے جسے آسانی سے کوزے میں ڈال کر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس دنیا کی کسی بھی چیز سے اس کا مقصد علیحدہ کر دیا جائے تو وہ بے مصرف ہو جاتی ہے۔ شاطر سازشکاروں نے اس نظریئے سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے دین و ایمان' عبادات' طرزِ فکر و زندگی' درس و تدریس' رہبریت و امامت' تواریخ و احادیث اور

دیگر مشمولاتِ حیات کے مقاصد سے مسلمان کو جدا کر کے اپنے لئے مشین کا کل پرزہ بنا کر روئے زمین پر پھیلا دیا۔

قیامِ نماز دین اسلام کی کس قدر عظیم پیش بینی ہے؟؟ یہ نکات قدرت کی نظر میں تھے کہ اسکے دین کو ایسی سازشوں کا سامنا رہے گا۔ اس وقت نماز اپنے بامقصد متن کے ذریعے ذہنِ مسلم کو اسکے خلاف آمادۂ قیام کرے گی اور بے روح غلام کو باعزم زور باہدف اور بامقصد انسان بنا دے گی۔

کب تک ہم بے دین ملا کو کوستے رہیں گے!؟۔ دنیا کے گوشے گوشے میں چھان بین اور تحقیقات ہو رہی ہیں' انھیں ہم بھی آنکھیں کھولیں' تلاش کریں' اسلام کی واجب ترین عبادت اپنے دامن میں کیا کچھ لئے ہوئے ہے۔ اسکے کلمات کو جو ہم بغیر دھیان دیئے زبان سے ادا کرتے ہیں ان میں کیا رموز ہیں؟

وہ ہماری توجہ کی منتظر ہیں' ان میں وہ تپش ہے جو ہم میں تڑپ پیدا کر دے' سازشکاروں کے خلاف قیام کے لئے ہمیں آمادہ کر دے' ہمارے گلے میں پڑے طوقِ غلامی سے ہمیں آزاد کرا دے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نماز ہر مقام پر نمازی کو اللہ کی طرف متوجہ رکھنا چاہتی ہے تا کہ اسے اخلاقِ حمیدہ پر محکم کر دے۔ باب ۸ میں کلماتِ نماز پر کچھ وضاحتیں درج ہیں' یہاں ان میں سے چند ایک کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

اللہ اکبر: نمازی نے غور و فکر کے ساتھ یہ کلمہ زبان پر جاری کیا' فکر اسکی اللہ کی بزرگی کی طرف بڑھی' اسکا خالق و رازق ہونا اور عدالت کے ساتھ روبہ ترقی رکھنا اسے اس کا احسان مند بنا دیتا ہے' اسکی طرف سر جھک جاتا ہے' شکر گزاری کے ساتھ اسکی خوشنودی کا حصول امر لازم بن کر سامنے آجاتا ہے' جب بات خوشنودی تک پہنچی تو ہر وہ کام انجام دینا ضروری ہو جاتا ہے جو اللہ ہم سے امید کرتا ہے' قرآن و سنت کا علم حاصل کرنا فرض بن جاتا ہے کہ منبع ہدایت یہی ہیں' انسانی بہبود کے لئے قدم بڑھانا لازم ہو جاتا ہے۔ اگر اللہ کی قربت و خوشنودی منظور ہے تو خوابِ غفلت

سے باہر آنا ہوگا' تیشۂ فرہاد اٹھا کے میدان میں نکلنا ہوگا۔ اسکے برعکس کوئی اور عمل چونکہ غیر فطری یعنی طاغوتی ہوگا' اللہ کے سامنے دوسری طاقت کو لا کھڑا کرنا ہوگا' جو شرک کے برابر ہوگا' اس کا نتیجہ یہاں بھی بھگتنا ہوگا اور عقبیٰ میں اللہ کے غضب کا سامنا ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: اس آیت پر ذہن کو پوری طرح مرکوز کر کے ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔ اللہ اس جہانِ فانی میں رحمان ہے' ہر کس و ناکس ہر قسم کی اشیاء' قوت و علم و عقل اور ہدایات الٰہی سے بغیر کسی تفریقِ مذہب و ملت فائدہ اٹھا رہا ہے' دنیا کی ہر شئے پر اسے اختیار دے دیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے دنیا کی ترقی میں حصہ لے' خود فائدہ اٹھاؤ مگر دوسروں کا حق بغیر کسی چوں و چرا کے پہنچا دو' اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس پر بھی تمہیں اختیار ہے' اگر طاغوت کے ساتھی بن گئے تو غضب الٰہی کے مقابل آ گئے۔

مالک یوم الدین: اللہ کی حاکمیت کو نہ بھولو' وہ یوم الدین کا مالک ہے۔ یعنی یہاں جو اختیارات ہمیں ملے ہوئے ہیں وہاں نہیں رہیں گے' بے بسی کا عالم ہوگا' بھاگ کر کہیں پناہ لینے کی جگہ نہیں ملے گی' اس جہاں میں اللہ کی رضا اگر حاصل کی تھی تو وہ کام آئے گی' انہی لوگوں کے لئے اس کا رحم ہوگا' وہی وہاں ہمیشہ آرام و آسائش سے رہیں گے جنہوں نے اس دنیا میں اللہ کے بھیجے ہوئے سچے ہدایت دہندگان کی پرواہ کی ہو گی۔ اور جو لوگ اعمالِ بد میں مبتلا رہے ہوں گے' انہیں برداشت سے باہر سخت اذیت کا سامنا ہوگا' راہِ فرار نہ ملے گی۔ ضرورت ہے کہ خوفِ خدا مدِ نظر رہے' اسے ہم اپنے اوپر مستقل طور پر سوار کیے رکھیں' یہ ہمیں برائیوں سے بچا کر رکھے گا۔

صالح اعمال کی بنیاد قرآنِ کریم اور اللہ کے رسول و آلِ رسول کا اسوۂ حسنہ ہے' جو انفرادی و اجتماعی طور پر دکھی انسانیت کی بحالی کے لئے اپنے آپ کو مشغول رکھنا ہے' اسکی بہبود کے لئے قیام کرنا ہے۔

قیامِ نماز کا مقصد پوری دنیا کے مسلمانوں کا جماعت کے ساتھ متحد ہو کر مسلمانوں اور انسانیت کے معاملات کی اصلاح کے لئے اٹھ کھڑا ہونا ہے۔

جو قومیں فطری اصولوں کو توڑ دیتی یا ان سے کنارہ کش ہو جاتی ہیں' فطرت کی مخالف ہونے کی بناء پر اصل فطرت سے میل نہیں کھاتیں' اسلئے فطرت ان کا وجود گوارہ نہیں کرتی۔ فطرت جس پر دنیا خلق ہوئی ہے' انہیں اپنے اندر جذب کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ (ہر غیر فطری عمل ہی اصل میں بد اخلاقی و گناہ ہے) ایسی قومیں اپنی بد اخلاقی اور گناہگاری کی بناء پر دھیرے دھیرے صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتی ہیں۔ اس فطری عمل کی صداقت سب پر عیاں ہے کہ یونانی' مصری' رومی اور بہت ساری دوسری قدیم تہذیبیں غیر فطری اعمال کی بنا پر ظلم و بداعمالی و بداخلاقی میں جا پڑیں اور اپنی ہستی مٹا بیٹھیں۔

کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں' مسلمانوں نے اسلامی اصولوں یعنی وہ فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے دنیا و مافیہا کو خلق کیا ہے' اس سے بغاوت کی ہے۔ نتیجہ سامنے ہے' معدومیت کی طرف رواں دواں ہیں۔ کہیں اگر تھوڑی بہت رمق باقی رہ گئی ہے' بیدار ہو کر مومنیت اختیار کرنے کا تقاضا کر رہی ہے۔ نام کا مسلمان ہونے اور کافر ہونے میں زیادہ فرق نہیں۔

ذاکرین وعلمائے سو سے یہ امید کہ وہ مسلمانوں کو جنہیں انہوں نے تھپکی دے کر سلا دیا ہے بیدار کریں گے' یا ان کی بہتری کے لئے لوگوں کو آمادہ کریں گے' یا خود کوئی قدم اٹھائیں گے' ایسی باتیں ہیں'' جیسے ہوتی ہیں سراب کی باتیں''۔ ہمیں متحد ہو کر قدم اٹھنا ہو گا۔ اس وقت بداعمالیوں میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کی بحالی کے لئے صحیح فکر ان (ذاکرین وعلمائے سو) سے نجات حاصل کرنے کی فکر ہو گی۔ (باب قیام اس کے ساتھ ہی ملاحظہ فرمائیے)

ہمارے بچے جلد ہی بڑے ہو کر معاشرے میں داخل ہوں گے' وقت کی ضرورت ہے کہ انہیں اسکا بوجھ اٹھانے کے لئے ان کے عین بچپن ہی سے تیار کرنا شروع کر دیا جائے۔ انہیں بذاتِ خود عمل کر کے سمجھایا جائے کہ فطرت کے تقاضوں کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں' ہمیشہ عدل و انصاف سے کام لیں۔ انہیں بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے پورے جہان کو عدالت پر مبنی پاکیزہ اور متوازن حکمت پر ڈھالا ہے' جس میں کہیں بھی کھوٹ نہیں'

وہ اسکی اس کیفیت میں کسی صورت بھی خلل برداشت نہیں کرتا۔انہیں مثالوں کے ذریعے سمجھایا جائے کہ خدمت وہمکاری دل موہ لیتی ہے' مگر ظلم نفرت کی بناء بن جاتا ہے' اور یہ انسانی روش کے عین مطابق ہے۔اسی فطرت پر اسے پیدا کیا گیا ہے۔

رہبریت' امامت وولایت

پچھلے ابواب پر ایک سرسری نظر روز روشن کی طرح یہ بات عیاں کردیتی ہے کہ یہ بگڑی ہوئی رہبریت کے کارنامے ہیں جسے بیچارے مسلمان بھگت رہے ہیں۔

تعصب کے جال میں جکڑ کر مفاد حاصل کرنا ایسے رہبروں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔ملت کا ٹکڑے ٹکڑے ہوکر کمزور ہوجانا ان کے مفاد میں ہوتا ہے' اسی لئے انہیں اسکی پرواہ نہیں ہوتی۔

جعلی قسم کے ناعاقبت اندیش رہبر' ناپختہ ونافہم ذہنوں کو تاریخ کے منفی وغیر منفعت بخش دیرینہ حوالوں کی بنیاد پر شئے دیگر بھڑکاتے ہیں' جبکہ ان حوالوں کا دینی اعتبار سے کوئی خاص واسطہ نہیں ہوتا۔اسی لئے اللہ تعالی نے کار رہبریت کی سپردگی کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔وہ جسکو بھی رہبریت پر مبعوث کرتا ہے اسکے عمل اور ارادے کو غلطی سے پاک کردیتا ہے۔اس مقصد کے تحت کہ انسان بے راہ ہوکر مظالم میں مبتلا نہ ہوجائے عادل فطرت کے عین مطابق پاک ہدایت اسکے (رہبر کے) حوالے کردیتا ہے' وہ سچے لوگ ہوتے ہیں۔کوئی بھی دور ایسی رہبریت سے خالی نہیں رہا۔ان رہبروں نے اپنے فرض کی ادائیگی میں سر دھڑ کی بازی لگادی مگر طاغوت سے مصالحت نہیں کی۔

''اور وہ اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتا' اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل

نازل ہوتی رہتی ہے' اسے نہایت طاقت والے نے تعلیم دی ہے۔''

نجم ۵۳:۳،۴،۵

''رسول کی سیرت تم میں سے ان لوگوں کے لئے بہترین نمونہ ہے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔'' احزاب ۳۳:۲۱

یہ آیت ہدایت حاصل کرنے والوں کے لئے رسول کی سیرت کو نمونہ کہہ کر اس کی توثیق کرتی ہے' ساتھ ہی ہدایت چاہنے والوں کی بابت بھی تشریح کرتی ہے کہ وہ لوگ اللہ کو بہت زیادہ یاد رکھتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے دل کو اللہ کی محبت سے سرشار رکھتے ہیں۔ یعنی اس کا کہنا (ہدایات) مانتے ہوئے رسول کی سیرتِ مطہرہ کو بطور نمونہ سامنے رکھ کر اس پر اپنے اعمال کو استوار کرتے ہیں۔

نفسانی خواہشات' ہویٰ و ہوس کے تسلط سے قطعاً پاک زندگی بسر کرنا آخرت کی امید ہے' آخرت پر ایمان غیب پر ایمان رکھنے کے مترادف ہے' جو مسلم عقیدے کا اہم جزو ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہم دیکھ نہیں سکتے وہ بھی اسی غیب سے متعلق ہے۔ اسے نہ ماننے کا مطلب غیر اللہ کی راہ پر چلنا ہے جو اللہ کے وجود کا انکار ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے غلطیوں سے پاک ہدایت پہنچانے کا انتظام کیا تا کہ انسان بے راہ روی سے محفوظ رہ سکے' دنیا میں آرام سے زندگی بسر کرے اور آخرت میں بھی اسکے رحم کا مستحق بن جائے۔

رسول اللہ کے بعد منصبِ رہبری اہلِ بیتِ رسول کو منتقل ہوا' اس بات کی توثیق مشہور و مصدقہ حدیثِ ثقلین کرتی ہے۔

''تمہارے درمیان دو بیش بہا چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور

دوسرے میرے اہلِ بیت۔ یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے' حتیٰ حوضِ کوثر پر مجھ سے آملیں۔ اگر تم ان سے آگے بڑھو گے یا ان سے پیچھے رہ جاؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ انہیں پڑھانے کی کوشش نہ کرو کیونکہ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔''

''مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اہلِ بیتِ نبوت سے محبت کریں۔''

شوریٰ ۴۲:۲۳

محبت اسلئے ضروری قرار دی گئی ہے کہ وہ محبوب کے ساتھ بے لاگ رابطہ رکھتی ہے اور اسکی تعلیمات' سیرت اور کردار سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ جب لوگوں کے اعمال دینِ الٰہی کے مطابق ہوں گے' تو انہیں اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔

''بس اللہ' اسکے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔''

تغابن ۶۴:۸

امام محمد باقر علیہ السلام نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''خدا کی قسم اے ابو خالد! امام کی روشنی مومنین کے دلوں میں سورج کی روشنی کے مقابلے میں زیادہ آب و تاب سے چمکتی ہے۔''

روشنی سے مراد یہ ہے کہ امام کے مطہر ذہن کی شعاعیں (چونکہ وہ اللہ کی طرف سے منصبِ ہدایت پر فائز ہوتے ہیں) پورے آفاق پر مستقل طور پر پھیلی رہتی ہیں۔ ایسے افراد جن کا تقویٰ اور اسکی بناء پر امام سے لگاؤ یا محبت عروج حاصل کئے ہوتی ہے' اس رابطے سے روحانی فیض حاصل

کرتے رہتے ہیں۔ امام سے اس طرح کا رابطہ صرف ان مومنین کو حاصل ہوتا ہے جو امام کی اتباع کے ذریعے اپنے قلب کو پاک رکھتے ہیں۔ انسانی دماغ کی شعاؤں میں بڑی قوت ہے (یہ پیش بنی امکانات سے باہر نہیں کہ جلد وہ زمانہ آجائے گا کہ لوگوں کو ٹیلیفون کی ضرورت نہ ہوگی' آپس میں اپنی دماغی شعاؤں کے ذریعے بات کرلیا کریں گے۔ اس وقت بھی بہت سے افراد اس پر قادر ہیں) وہ قرآن کے بتائے ہوئے نیک اعمال کو کسی صورت بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ قیام نماز میں جو مقاصد مضمر ہیں مشعلِ راہ بنا کر رکھتے ہیں۔ یہ حقیقت ذہن سے محو نہیں ہونا چاہئے کہ امام فقط متقی لوگوں کے لئے امام ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرنا نہایت اہم ہے' مستقل طور پر اسکی جستجو جاری رہنا چاہئے۔

''اگر تم تقویٰ الٰہی اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایک مایۂ تمیز پیدا کر دے گا۔'' انفال ۸:۲۹

مایۂ تمیز یعنی اللہ تعالیٰ متقی کو ایسی بصیرت عطا کر دیتا ہے کہ وہ خود اپنے اعمال کو واضح طور پر دیکھنے لگتا ہے' اس میں خود آگاہی پیدا ہو جاتی ہے' جو اسے برائیوں سے اجتناب اور خوش اعمالی پر قائم رکھتی ہے۔ اسکا ضمیر پورے آب و تاب پر ہوتا ہے۔ اسے کوئی بہکا نہیں پاتا' وہ اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پالیتا ہے اور اسکے خیالات میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے۔

بوعلی سینا یقین و معرفت سے وابستہ عبادت جو تقویٰ کی بابت ہے کہتے ہیں:

'اہلِ معرفت کے نزدیک عبادت تخیل اور تصور کا وہ عمل ہے جس کا مقصد ان کی توجہ مادّی چیزوں سے ہٹا کر ملکوتی تصورات کی طرف مبذول کرنا ہے۔ چنانچہ مسلسل مشق کے بعد یہ قوتیں انسان کی حق پرستی کی فطرت کے ماتحت ہو جاتی ہیں اور جب انسان کی باطنی روح

روشنی حاصل کرنا چاہے تو سد راہ نہیں ہوتیں۔'' اشارات: باب ۹

اگر سارے مسلمان حق کی خاطر اٹھ کھڑے ہوں۔ یعنی سمجھے بوجھے منصوبے کے تحت اس کے لئے قیام کریں تو پھر ایسا کوئی شخص نہیں ملے گا جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو کہے کہ یہ قابلِ عمل امر نہیں۔ مسلمانوں میں اسکی عدم موجودگی کی وجہ صالح ہدایت کا فقدان ہے۔ اسی وجہ سے مسلمان موجودہ مصائب میں گرفتار ہیں۔

روزانہ ایک مقررہ وقت پر بچوں کو سامنے بٹھا کر قرآن کی بامعنی تلاوت کی جائے۔ ان کی سمجھ کے مطابق قرآن کے عملی مقاصد کو نظر میں رکھ کر انہیں آیاتِ قرآنی کی تفسیر بتائی جائے۔ ان کے دینی و دنیوی فوائد بیان کئے جائیں' سونے سے پہلے انبیاء و مرسلین وائمہ اطہار سے متعلق پرمعنی و مقاصد واقعات ان کے عملی پہلوؤں کو مدِ نظر رکھ کر وضاحت کے ساتھ بیان کئے جائیں۔ سوالات کے ذریعے اطمینان بھی کرلیا جائے کہ باتیں ان کے ذہن نشیں ہوگئی ہیں یا نہیں۔ اس عمل کے دوران پیار و محبت شرط ہے زبردستی نہیں ہونی چاہئے۔

تعمیرِ نو

''پھر مختلف گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا اور افسوس ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر اختیار کیا اور انہیں بڑے سخت دن کا سامنا کرنا ہوگا۔'' مریم ۱۹: ۳۷

جو قومیں چودہ سو سال قبل جہالت کے گھپ اندھیرے میں پڑی ہوئی تھیں' موجودہ دور میں چاند اور دوسرے سیاروں میں بستیاں بسانے کے منصوبے بنا رہی ہیں' مگر وہ ملت جس نے اسی

وقت اپنی تہذیب وتمدن کی ابتدا علم و دانش' تحقیقات واختراع سے کر کے دنیا کو بقعۂ نور بنا دیا تھا' جہالت کی ایسی تاریکی میں کھنچتی چلی گئی کہ اپنی بسی بسائی بستیوں کو اپنے سامنے مسمار ہوتا دیکھ رہی ہے اور دوبارہ غاروں کو اپنا بسیرا بنانا غنیمت جان رہی ہے۔ یہ نوبت کیوں آ گئی؟؟

قرآن اور حق کی ہدایت کرنے والے ہادیوں کی رہبری میں علم و دانش اور دور اندیشی کی بناء پر ان میں آسانیاں پیدا ہوئیں' فراوانی آئی' جوان کی آنکھوں کو چکا چوند کر گئی۔ ناعاقبت اندیش صنم آشنا مقتدر ذہنوں نے قرآن و ہادیان برحق کو پس پشت ڈال کر تن آسانی کی راہ اپنائی' عیش و عشرت میں مبتلا ہو گئے۔ عوام کو مغلوب رکھنے کے لئے تفرقے بازی کی راہ اختیار کی۔

نتیجے میں اس وقت مسلمان اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتا' بلکہ شیعہ' سنی' اہل حدیث' وہابی' عرب وغیر عرب وغیرہ کہہ کر متعارف کراتا ہے۔ مگر غیر مسلم انہیں مسلمان تخریب کار کہہ کر پکارتا ہے۔ ساری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو اساس تھی' اس کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا جس کو ادھیڑ نہ دیا ہو۔ ہم پچھلے اوراق سے اسی ماجرائے ناعاقبت اندیشی پر اشک بہائے چلے آ رہے ہیں۔

علامہ اقبال کا بھی یہی رونا تھا۔ وہ بیچارے اسلام کی تعمیر نو کی باتیں کیا کرتے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام کی کوئی بھی کل سیدھی نہیں رہی۔ انہوں نے ان عناصر کی نشاندہی بھی کر دی تھی جو اسکے تانے بانے کو کترتے چلے آ رہے تھے۔ علامہ بے بسی کے عالم میں راہیٔ جنت ہوئے۔

مختلف ادوار میں تحریکیں تو چلیں' مگر مفاد پرست طبقہ ہمیشہ آڑے آیا' لوگوں میں تفرقہ پیدا کر کے ان کے خون سے خود کو سیراب کرتا رہا۔ وہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ اسکی وجہ علم کی اعلیٰ اقدار سے ناآشنائی ہے۔ جبکہ علم دانائی وتوانائی کا منبع ہے۔ تعمیر نو اگر منظور ہے تو قرآن اور سنت رسول سے استفادہ کرتے ہوئے عوام میں اعلیٰ دینی و دنیوی علوم کی آشنائی پیدا کرنا ہوگی۔ یہی ایک ذریعہ ہے جو سوجھ بوجھ پیدا کرے یہ فکر پیدا کر سکتا ہے کہ ہم کیوں اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ غلامی کی زنجیریں جنہیں اسلام نے کاٹ کر پھینک دیا تھا دوبارہ ہمارے گلے کا ہار بن گئی ہیں؟؟ ضرورت ہے کہ مندرجہ ذیل نکات پر نظر رکھ کر راہ حل تلاش کی جائے:

☆۔۔ہر مسلمان اپنے آپ کو فقط مسلمان کہلوائے۔شیعہ سنی وغیرہ کہلوانے سے اجتناب کرے۔

☆۔۔تعصب کی باتوں سے اجتناب کرے بچوں کو بھی اس کے نقصانات سے آگاہ کرے۔

☆۔۔خاندانوں کو خواہ روکھی سوکھی کھانا پڑے اپنے بچوں کو ان کی خصوصی صلاحیت تلاش کر کے اسکے مطابق ریسرچ تک کی تعلیم دلوائیں۔اسے فرض تسلیم کر لیا جائے۔

☆۔۔مدرسوں اور یونیورسٹیوں کو یکجا کرنے کی مہم چلائے۔

☆۔۔مسجد سے جہالت دور کرنے کی تحریک چلائے (باب قیام وحکمت ملاحظہ فرمائیے)

☆۔۔اسلامی ثقافت کو مسلمانوں میں محکم کرنے کیلئے عربی زبان کو رائج کیا جائے۔

☆۔۔عورتوں کو جلیل القدر ماں کے محترم درجے پر فائز رکھنے کیلئے اعلیٰ وارفع تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

☆۔۔مغربی عورت دوسروں کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کے لئے عریاں ہو کر اپنی آبرو کھو بیٹھی ہے۔اسکی بے حجابی کی وجہ سے بدچلنی نے اس معاشرے کو بد اخلاق اور بے حیا بنا دیا ہے، ہم جنس پرستی اور لواط کو جنم دیا ہے۔مائیں اگر مسلمان ہیں حجاب اسلامی اختیار کریں اور اپنی بچیوں کو نہایت کمسنی سے حجاب میں رہنا سکھائیں اسکے واجب ہونے کے مقاصد ذہن نشین کرائیں۔

ترویجِ زبانِ عربی

اس کی بابت باب تحریفات میں ایک مقالہ پیش کیا جا چکا ہے۔اسکی اہمیت کے مدنظر مزید یاددہانی ضروری محسوس ہوئی۔حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان مسلمانوں کے لئے شہ رگ سے کم نہیں۔

یہ مسلمانوں کی ثقافت کا جزو ہے۔ اسے عالمِ اسلام کیلئے زبانِ اوّل کا درجہ دیا جانا چاہیے تھا' مگر وہ مفاد پرست طبقہ جو مسلمانوں کو غلام بنا کر رکھنے کا عادی ہے' جانتا ہے کہ اگر مسلمان اپنے دین سے واقف ہو گئے' تو ان پر قابو نہیں پایا جاسکے گا' استحصال کر کے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکے گا۔

دنیا میں جو ترقیاں رونما ہو رہی ہیں' وہاں کے حالات سے ہمیں چند اضافی زبانوں کا جاننا آگاہ رکھ سکتا ہے۔ مگر وہ زبان جو ہمیں اپنے دین سے متصل رکھنے میں معاون ہے ہم اس سے کیسے دور رہ سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ عدالت پر مبنی دین کی پاک وصاف ہدایات سے متصل رہ کر ہی دنیا میں کامیاب اور محکم ترقی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس سے ہٹ کر موجودہ دور جیسا فقط ایک ظالم معاشرہ وجود میں آئے گا۔ قربِ الٰہی بھی اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا جو ہمارا اصل مطمحِ نظر ہے۔

اقرار ہائے اسلامی

اقرار سے مراد یہ ہے کہ جب کسی مقصد کے حصول کے لئے کوئی شخص اپنے آپ سے متعدد بار اقرار کرتا ہے' تو یہ فطری عمل ہے کہ وہ اسکی انجام دہی پر راغب ہو کر اسے تکمیل تک پہنچا لیتا ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت کے مدنظر اس کے مثبت ومنفی پہلو پر ایک نظرۃ الناضروری ہے۔

ہم مسلمانوں نے اسلامی ثقافت کا جزو بہت ساری مفید باتوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ معزز قارئین اس کتاب میں بار بار تحریف کا لفظ پڑھ کر شاید اکتا گئے ہوں' مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے وجود کو صفحۂ ہستی سے نیست نابود کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔ تحریفات کے ذریعے اسکے معنی ومقاصد کو بدل کر اسکے چہرے کو مسخ کر دیا گیا ہے۔

ہم اکثر باتوں کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں جبکہ ان کے باطن میں قوت کے آتش فشاں پنہاں ہوتے ہیں۔ یہ قوت ان کلمات میں بھی موجود ہے جو مسلمان آتے جاتے' اٹھتے بیٹھتے بغیر

سمجھے بوجھے اپنے ہونٹوں سے جاری کرتے ہیں۔ اسکی قوت سے جس زمانے میں ان سے کام لیا جاتا تھا معاشرہ صبر و فروتنی کے ساتھ حقوق انسانی کی حفاظت اور خواہش سلامتی وفلاح کے ساتھ باہمی احسان و امداد سے سرشار تھا۔ زمانے نے کروٹ لی' اسکی حرارت سرد خانے میں جا پڑی اور ناتوانی کا شکار ہوگئی۔ ضرورت ہے کہ خون جوش کھا کر دوبارہ رگوں میں رواں ہو جائے' پورے جوش کیساتھ اقرار اس عمل میں نہایت موثر ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً

''اللہ اکبر'' یعنی اللہ کی کبریائی کا اقرار۔ جس کا دوسرا نام عدل و انصاف ہے (حالانکہ اللہ کی کبریائی ہمارے فہم و ادراک سے بلند و بالا ہے) ہر معاملے میں اللہ کی ترجیہات کو سبقت دینا ہمارا فرض منصبی بن جاتا ہے۔ عدل و انصاف کی بدولت ہمیں اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کا سلیقہ آ جاتا ہے۔ ہم اللہ کی ہدایات پر کاربند ہو جاتے ہیں۔ دنیا جنت نما بن جاتی ہے۔

''السلام علیکم'' کسی سے ملنے جلنے' یا نشست و برخواست کے موقع پر روا روی میں کہا جاتا ہے' مگر اسمیں جو'' لاوہ'' ابال کھا رہا ہے عام طور پر اس پر دھیان نہیں دیا جاتا۔ ان لوگوں سے یہ اقرار جس کی بابت ہم نے سلامتی کی خواہش کی ہے کہ اس کو بتایا جائے کہ میں آپ کے کاروبار و دیگر مسائل کے حل' آپ کی اور آپ کے خاندان کے اخلاقی' اقتصادی و تعلیمی معاملات' صحت' علاج معالجے و دیگر مسائل سے متعلق سلامتی کا خواستگار ہوں۔ اس سلسلے میں میرے لئے اگر کوئی خدمت ہے تو تہہ دل سے حاضر ہوں۔ بلکہ پوچھے بغیر اگر کسی اور ذریعے سے پتہ چل جائے کہ اسے امداد کی ضرورت ہے یا خود درک کر لے خلوص کے ساتھ خدمات پیش کر دے' وغیرہ۔ تہہ دل سے السلام علیکم کا اقرار ہمدردی و امداد کے لئے آفاقی جوش و خروش کی راہ کھول کر ہمیں الٰہی انسان بننے میں مدد کر سکتا ہے۔

''سبحان اللہ'' کسی سے جب کوئی اچھا کام انجام پاتا ہے' تو بے خودی میں منہ سے یہ کلمہ نکل جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم پر ایک فکری کیفیت طاری ہو۔ اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی ہمارے فہم و ادراک سے باہر ہے' مگر ہم جانتے ہیں کہ اس نے پورے آفاق کو متوازن و پاک و پاکیزہ

نظام یا فطرت عطا کی ہے' اسے وہ برقرار رکھنا چاہتا ہے' دخل اندازی برداشت نہیں کرتا' جو خود کار (آٹو میٹک) بھی ہے۔ اور ہم بھی اس نظام کا حصہ ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم اس پاک نظام کے برعکس کوئی کام انجام نہ دیں کہ وہ کسی صورت سے بھی تحمل نہ کر سکے گا اور ہم کو نقصان اٹھانا پڑ جائے گا۔ یعنی (اپنے اعمال درست رکھ کر) فطرت کی پاکیزگی کے ساتھ چلیں۔ اسی میں بھلائی ہے' فقط قرآن و آلِ رسول سے حاصل کی ہوئی سنتِ رسول کے راستے کو اختیار کریں' جو سچوں کا پاک صاف راستہ ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کے برعکس عمل کا خمیازہ پوری امہ بھگت رہی ہے۔

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔'' ۹:۱۱۹

''الحمد للہ'' اس کی تشریح باب کلماتِ نماز میں ملاحظہ فرمایئے۔ یہاں اتنا عرض ہے کہ ہم خود ستائی و خود نمائی سے پرہیز کریں' ہمارے پاس سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے' شکر گزار بندہ بنیں اور فقط اسکے بتائے ہوئے راستے پر عمل کریں۔ بھکیں نہیں۔

''بسم اللہ'' یہ بڑا اہم کلمۂ اقرار ہے۔ باب کلماتِ نماز میں کچھ وضاحت موجود ہے۔ اس میں پورے قرآن کی ہدایات سمٹی ہوئی ہیں' اس پر نظر ضروری ہے۔

درود شریف ''اللھم صلی علی محمد و آلِ محمد'' یہ بڑا بابرکت نعرہ ہے' مگر ہمیشہ بے توجہی کا شکار رہا ہے۔ اور مقاصد یا افادیت جو اس سے منسلک ہیں ہم ان سے محروم رہے ہیں۔ لغات سے استفادہ کرتے ہوئے اسکے معنی و مطالب سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

لغت مفرداتِ راغب اصفہانی' جلد ا' صفحہ ۴۹۱

''مادہ ''صلی'' متعدد و مختلف نسبتوں سے انبیاء کی اتباع تحریر ہے۔ مگر جب ملائکہ صلواۃ کہیں تو مراد دعا اور استغفار ہے۔ اور جب خدا صلواۃ بھیجے تو رحمت ہے۔''

عام طور پر جب لوگ انبیاء و معصومین پر صلواۃ کہیں تو سلام مانا جاتا ہے (جو "س" سے ہے "ص" سے نہیں) پھر بھی لفظ سلام بذات خود سلامتی کے علاوہ تسلیم ہو جانا کے معنی میں بھی لیا جاتا ہے' جو فرمانبرداری یا اطاعت کے مترادف ہے۔

شرح فضائل صلواۃ کے مولف احمد بن محمد الحسینی اردکانی اپنی اس تالیف کے صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں:

"صلواۃ از تصلیہ مشتق است۔ یہاں بھی اطاعت واتباع مراد ہے۔"

ان سب میں اہم منصب ولایت ہے' جو حاکمیت کا درجہ رکھتی ہے' جہاں ہر کس و ناکس پر بلا چون و چرا اطاعت لازم ہو جاتی ہے۔ ولایت محمد و آل محمد سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصہ یہ کہ درود و سلام سے مراد ہے کہ:

اے اللہ! محمد اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما اور ہمیں ان کی (متابعت) اطاعت کی توفیق عطا فرما۔

ان بچی اور پاک ہستیوں کی اطاعت' ہمیں فلاح انسانی کے کاموں کی طرف راغب رکھتی ہے' جو ہمیشہ انکا شیوہ رہا ہے۔ جب سارے مسلمان ان کی متابعت کریں گے' ہر طرف آسودگی پیدا ہو جائے گی۔

اسکی تصدیق سورۂ حمد سے بھی ہو جاتی ہے' ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرماتا رہ' جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے نعمتیں نازل کی ہیں۔ نعمت مصیبت کی ضد ہے۔ یعنی انکا راستہ جس پر مصیبتوں کا سامنا نہیں ہوگا بلکہ راحت ہوگی۔ یہ نعمت ہر دو دنیا و آخرت سے متعلق ہے' جس کے حامل رجس سے پاک محمد و آل محمد کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتے۔ ان کی ولایت شرط اتباع رکھتی

ہے۔

انکا راستہ ساری تکلیفوں سے نجات دلانے کا راستہ ہے اور آخرت کا زادِ راہ ہے' جو ان کی اطاعت سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ فقط یہ کہ ہمیں ان کی معرفت حاصل ہونا چاہئے' جس کے لئے ہمیں قرآن مجید پر محیط احادیث جو ان کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں' انہیں ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے۔ یہی اسلام کا سیدھا وسچا راستہ ہے۔

جب مسلمان آگاہی کے ساتھ ملکر صلواۃ (درود و سلام) بھیجیں گے۔ یعنی محمد و آلِ محمد کی اطاعت پر کمر بستہ ہوں گے' ستمگری' مفاد پرستی' جہالت و ناداری دنیا کے چپے چپے سے دوری اختیار کرلے گی' پوری ملت بیدار ہو کر ایک دوسرے کی ہمدرد و ہم نوا بن جائے گی' علم کا دور دورہ ہو گا' انسان نواز تحقیقات اور ایجادات کے ذریعے ترقی کی راہیں کھل جائیں گی اور انسانیت فروغ پائے گی۔

ضرورت یہ ہے کہ اسے موثر بنانے کے لئے درود بھیجتے وقت دل زبان سے موافقت کرے' دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر حضورِ قلب کے ساتھ غور و فکر سے کام لیا جائے۔

جستجوئے علم و حکمت

مغرب نے علم و حکمت میں اس قدر پیشرفت کر لی ہے کہ مسلمان ان کے آگے جاہل مطلق نظر آتے ہیں۔ ان کی تقریباً ساری ضروریات مغرب ہی پوری کر رہا ہے' جسے غلامی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ اس کتاب کے تمام مقالوں میں ہم غلامی ہی کی باتیں کرتے چلے آئے ہیں' ایسی ہی ایک ملت کی سرگزشت پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

قدیم چین ایک بڑا ملک ہونے کی حیثیت سے بڑے امکانات کا مالک تھا۔ وہاں کے لوگوں کے علم و حکمت کی بڑی شہرت تھی۔ شاطر برطانیہ نے اس پر بھی اپنا قبضہ جمایا اور قابو میں

رکھنے کے لئے انہیں افیون کی لت میں مبتلا کر دیا۔ ان کی درسگاہیں فرسودگی کا شکار ہوئیں اور وہ علم و حکمت کی توانائی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ زوالِ برطانیہ کے بعد ان کے یہاں جو انقلاب آیا سب کو معلوم ہے۔

فرصت ملتے ہی چینیوں نے دوسری اصلاحات کے ہمراہ اپنے تعلیمی ڈھانچے کی تعمیرِ نو پر زور دیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرونِ ملک جہاں بھی موقع ہاتھ آیا وہاں اپنے طالب علموں کو ہر شعبۂ علم میں داخلے دلوائے گئے۔ تحصیل کے بعد ان کے ذریعے دانشگاہوں کو مرتب کیا گیا اور ایک بار پھر زوروں سے علم و ہنر کی پذیرائی شروع ہوگئی۔

علوم کی منتقلی کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے' مغربی میڈیا کا کہنا ہے کہ جہاں سو طلباء کی امید کی جاتی تھی سات سو پہنچ جاتے۔ ماحولیات' اقتصادیات' طب' انشورنس' ذہنی صحتِ عامہ' آبادکاری' بڑے سول پراجیکٹس' آب رسانی' پلاننگ' تہذیب و تمدن' آثارِ قدیمہ' مہاجرت' بدعنوانیاں' آلودگی' معاشرے میں طبقہ بندی' انتخابات گویا کہ جو بھی ہاتھ آیا حاصل کر کے اپنی دانشگاہوں کا پیٹ بھرتے چلے جا رہے ہیں۔

اسکے ساتھ ہی انہوں نے ہر شعبے کے ماہرین کو تحقیقات پر بٹھا دیا ہے۔ اس قدر محنت و مشقت کے بعد ان کے کارخانے اور شعبۂ زراعت ہر چھوٹی سے بڑی مصنوعات کی کھیپ پر کھیپ پیدا کر کے برآمد پر لگے ہوئے ہیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ بین الاقوامی منڈی میں اسکی ساکھ اس قدر محکم ہوگئی ہے کہ جہانِ سوم کے ممالک اس سے کاروبار کرتے ہوئے نہیں گھبراتے۔

چین نے ایران و شمالی افریقہ کے ممالک سے اربوں ڈالر قیمت کے جدید فنی و کارخانہ جاتی ٹھیکے حاصل کئے ہیں۔ سیاسی معاملات میں چونکہ وہ سازش کاری سے کام نہیں لے رہے لہٰذا دوسروں کی حمایت کر کے اپنی گردن اونچی رکھی ہے۔ ہندوستان' جس سے ایک عرصہ دراز تک وہ حالتِ جنگ میں رہا اس نے مصالحت کر لی ہے' جو ایک بڑا کارنامہ ہے۔ امریکہ جیسا ملک اس کی اوجِ اقتصاد کے سامنے مات کھا گیا ہے اور اپنے شاطرانہ ہتھکنڈوں کے ساتھ اسکے پیچھے پڑا

ہوا ہے۔ مگر اس کی پہاڑ جیسی استقامت اس سے بلائے نہیں ٹل رہی ہے۔

حریت کے معاملے میں ہمیں چین سے سبق لینا پڑے گی۔ مغرب فقط کاہل قوموں کو غلام بنا سکتا ہے۔ مسلمانوں نے خود ہی اپنے کو جال میں گرا کر ان کے لئے کام آسان کر دیا ہے۔ بے دام غلام بن گئے ہیں۔

علم کے بغیر راہ تاریک رہتی ہے' بھٹکتے رہنے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ رسول اللہ نے بھی بتایا تھا کہ علم حاصل کرنے کیلئے چین جانا پڑے تو جاؤ۔ مقصد یہ تھا کہ علم حاصل کرنے کیلئے خواہ کتنی بھی تکلیف اٹھانا پڑے' پرواہ نہ کرو' ہر صورت سے اسے حاصل کرو۔ رسول کی اس ہدایت سے چینیوں نے فائدہ اٹھایا اور کس قدر کامیاب رہے۔ مسلمانوں کو اللہ کی رسالت پر ہمیشہ شبہ ہی رہا اور جہالت ان کا مقدر بنی رہی۔

مسلم امہ کو جہالت سے نجات حاصل کرنے کیلئے تعصب وطبقہ بندی کو بالائے طاق رکھ کر منظم ومتحد ہو کر منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔ اکثریتی مسلم مملکت کے سربراہان کو بھی اس مہم میں شامل ہو کر قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔ مسجد کمیٹی کے منصوبے کا ایک سرسری خاکہ مقالہ قیام وحکمت میں پیش کیا گیا ہے' اس سے اس امر میں استفادہ کرنا چاہئے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو تجاویز پیش کی گئی ہیں' ان پر عمل کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ وہ باتیں جو ہماری عادات کا حصہ بنی ہوئی ہیں ان میں انہی کو تبدیل کرنے کو کہا جا رہا ہے؟

اسلام ایک فطری دین ہے' جس میں ترقی کی بڑی قوت موجود ہے' فقط اسکے آداب جنہیں غیر فطری بنا دیا گیا ہے انہیں فطرت کے متوازی یا ہم وضع بنانا ہے۔ نماز سے حاصل کیا ہوا معاشرہ قائم کیا جائے۔ چونکہ موجودہ معاشرے کا ہر گوشہ اصلاح طلب ہے' ان میں سے ہر ایک کو درست حالت میں لانے کے لئے ''قیام'' کی ضرورت ہے۔ اور قیام کی آبیاری نماز کرتی ہے' فقط اسکا پورا پورا حق ادا کیا جائے۔

ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ نماز کی ادائیگی کی موجودہ صورت ہماری عادت کا جزو بنی

ہوتی ہے۔ اس سے نجات ممکن نہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ وہ قصۂ پارینہ ہے۔ نئی عادت اپنانا آسان ہے جب نئی عادت اپنائی جائیں گی' تو پرانی عادات خود ہی دم توڑ دیں گی۔

نماز کو اسکے اصل مقام پر لے آنا' اسکے کلمات کو سمجھ کر پڑھنا' اس میں جو مقاصد موجود ہیں انہیں اپنے قلب پروارد کرنا اور ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔ بابِ کلماتِ نماز میں کچھ مواد موجود ہے' امید ہے کہ مفید ثابت ہوگا۔ اسکے علاوہ بچوں کو ان کی عین کمسنی سے ہی اسکی عادت ڈالی جائے' تا کہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے۔ دیگر یہ کہ ہر منصوبہ بندی میں نوجوانوں کو شامل رکھا جائے تا کہ وہ اس کی کیفیت سے واقف رہیں۔ ان کو انسانی خدمت کے ہر معاملے میں معاون بنایا جائے۔ اس سے ان میں دانائی جاگزیں ہو کر توانائی پیدا کر دے گی اور معاشرہ فلاح پائے گا۔ ظلم میں مبتلا' مصیبت زدہ انسانیت کھلی فضا میں سانس لینے کے قبل ہو جائے گی۔

❁❁❁❁

باب ۷

قیام میں امدادِ الٰہی

قیام میں امدادِ الٰہی

''تم سب اپنی توجہ خدا کی طرف رکھو' تقویٰ اختیار کرو' نماز قائم کرو۔ خبر دار مشرکین میں نہ ہو جانا۔'' روم ۳۰:۳۰

''یہ دین وہ دین فطرتِ الٰہی ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے اور خلقتِ الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔'' روم ۳۰:۳۱

عام طور پر اگر امدادِ الٰہی کا تذکرہ کیا جائے تو لوگوں کے ذہنوں میں دقیانوسیت کا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ اگر ذہن پر معمولی سا زور دیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ امدادِ الٰہی ہی ہے جو ہماری زندگی کے ہر پہلو کو سہارا دیئے ہوئے ہے۔ چونکہ زندہ رہنے میں معاون اشیاء فراوانی سے موجود ہیں لہٰذا ہم ان کی طرف سے لاپرواہ ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ہوا چند لمحوں کے لئے ہماری رسائی سے باہر ہو جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ ہوا ہی تھی جو ہمیں زندگی بخشے ہوئے تھی۔ اسکی چند لمحوں کی عدم موجودگی نے زندگی دوبھر کر دی۔

اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کو گنوانا مقصود نہیں ہے' جو انسانی امکانات سے باہر ہے۔ نہ ہی اسکی شکر گزاری کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ ہمیں معلوم یہ کرنا ہے کہ موجودہ نامساعد حالات میں ہم جو اسکی بندگی

سے روگردانی کے مرتکب ہو رہے ہیں' یہ ہماری اُخروی زندگی کے لئے سم قاتل ہے۔ کس طرح اسکی رحمانیت سے فائدہ اٹھا کر اسکے غضب سے اپنے آپ کو بچایا جائے اور اسکی خوشنودی کا مستحق بن جایا جائے۔

جب ہم اپنے اطراف کا بغور جائزہ لیتے ہیں' تو ہر چہار طرف تخلیق الٰہی کو حسن صفا سے مزین پاتے ہیں' جو توازن' عدالت' سچائی' ہمدردی و نیکی کی طرف دعوت دیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ عقل بھی چونکہ اسی پاک فطرت کا حصہ ہے' لہٰذا ان باتوں کا شعور رکھتی ہے اور ہمہ وقت سعید باتوں کی طرف رہنمائی کرتی رہتی ہے' بشرطیکہ اسکی آواز کو دبا نہ دیا گیا ہو۔

دین اسلام چونکہ دین الٰہی ہے' باوجود اسکے کہ اس میں تحریفات کا سلسلہ صدہا برس سے جاری رہا ہے' قدرت نے اسکی بقا کا انتظام کر رکھا تھا' جو سچے ہدایت کنندگان کے ذریعے بچتا بچاتا ہم تک پہنچا ہے۔ یہ اسی فطرت الٰہی سے مطابقت رکھتا ہے' جس کا مندرجہ بالا آیت میں ذکر ہوا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دین کے احکام کی پابندی ہوتی رہے تا کہ انسانیت فطرت کے برخلاف قدم بڑھا کے اپنی عاقبت خراب نہ کر لے۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ بیشتر دنیا نادانی اور تساہلی کی بنا پر باد مخالف کے ساتھ اڑی جا رہی ہے' گنتی کے چند لوگ کس طرح اس کا دامن تھام کر رکھ سکتے ہیں؟

انسانی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری یہ ہے کہ وہ محنت مشقت اور مزاحمت سے کتراتا ہے اور آسانی و آسائش کا پٹا پٹایا راستہ اختیار کرنے میں راحت محسوس کرتا ہے۔ انسانی روش شناس ماہرین کے مطابق یہ ایک ساختہ کردار ہے' جس کا سراغ بیشتر ایام طفلی میں ملتا ہے۔ بچے پر اس زمانے کے اس کے متواتر مشاہدات گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں اور اسکے فطری رجحانات پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اردگرد ماحول کے لوگوں کو جو کرتا دیکھتا ہے' یقین کی حد تک قبول کر لیتا ہے اور عام طور پر آئندہ زندگی میں اسی پر عامل رہنے میں اسے قباحت محسوس نہیں ہوتی۔ خواہ وہ تکلیفوں سے بھری ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح وضع شدہ روش سے اگر اسے ہٹ کر چلنا

پڑے تو اس کے لئے تکلیف کا باعث بنتی ہے۔

مثال کے طور پر گھر کے اندر اور باہر لوگوں کو جھوٹ' غیبت' عداوت' ناچ گانا' بے حجابی و بے غیرتی میں ملوث پاتا ہے۔ حالانکہ وہ ان کے برے نتائج جیسے ظلم' لڑائی دنگا' رنجش' جدائی' بے وفائی' بداخلاقی وغیرہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور جانتا ہے کہ قابل تقلید نہیں' مگر جب دیکھتا ہے کہ سب ہی ان برے نتائج کو برا کہتے ہیں' پھر بھی ان برائیوں کو اپنائے ہوئے ہیں' وہ ان کی عادت کا حصہ ہوگئی ہیں' تو وہ بھی انہیں باور کر کے اسی راہ پر چل پڑتا ہے۔ اس کے اوپر سچائی اور انسانی بہبود کی راہ پر گامزن اس قلیل اقلیت کے کردار و اعمال کوئی اثر نہیں ڈال پاتے۔ اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ ایسے لوگوں کو اکثریت طنزیہ نگاہوں سے دیکھتی ہے' لہٰذا بچہ بھی ان کا کردار اپنانے میں عار محسوس کرتا ہے۔

سورۂ روم کی آیت تیس کے بموجب انسان کی ساخت دین الٰہی کے مطابق ہوئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی مدد ہے۔ اس نے انسان کے باطن کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ جو بھی کام انجام دے دین الٰہی (اسلام) کے ساتھ مجسم طور پر مطابقت رکھتا ہے' جیسا کہ اوپر بیان ہوا باوجود اسکے کہ حالات کے تحت اسکے باطن کی آواز دب بھی جاتی ہے اور اس کی للکار موثر نہیں رہتی' لیکن باطن اپنا وجود کھو نہیں بیٹھتا' اسے اگر معمولی سا سہارا بھی مل جائے تو وہ غیر حقیقی بوجھ کو اتار کر دوبارہ تازہ دم ہوسکتا ہے۔

کیا اقدام کئے جائیں کہ انسان دین فطرت کے مطابق زندگی بسر کر سکے؟

یہ ایک غور طلب بات ہے!

چونکہ پورا معاشرہ دین فطرت کے تقاضوں سے دوری اختیار کئے ہوئے ہے اور فاسد ہے' اسکے شکنجوں سے باہر نکلنے کے لئے دین فطرت الٰہی کی قوت کو بروئے کار لانا ہوگا۔ یعنی کامیابی حاصل کرنے کیلئے دین کی طرف اپنا رخ رکھنا پڑے گا۔ اس جستجو میں دین الٰہی کی بابت علم حاصل کرنا ہوگا۔

.اس معاملے میں قرآن و سنت سے تمسک نہایت مفید ثابت ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعے

معرفت الٰہی بھی حاصل ہوتی ہے۔ آگاہی پیدا ہونے کے ساتھ جب دین کی عدم پیروی کا احساس ہوتا ہے تو خوفِ خدا اجاگر ہو جاتا ہے جو دین کی طرف رغبت پیدا کر دیتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں اس کے آثار ملتے ہیں:

''خوفِ خدا صرف ان کے پاس ہے جو صاحبانِ علم و معرفت ہیں۔'' فاطر ۳۵: ۲۸

''کامیابی اطاعتِ خدا و رسول کرنے والوں اور خوفِ خدا رکھنے والوں کا حصہ ہے۔'' نور ۲۴: ۵۲

''رضائے الٰہی انکا حصہ ہے جن کے دل میں خوفِ پروردگار ہے۔'' بینہ ۹۸: ۸

''خوفِ خدا ایمان کی علامت ہے۔'' توبہ ۹: ۱۳

ان آیات کے ذریعے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ علم کے ساتھ معرفتِ الٰہی (یعنی دین الٰہی) لازم ہے۔ اسلئے کہ خالی علم قیاس آرائی و توہم پرستی کو راہ دیتا ہے۔ انسان کے مرتب کئے ہوئے دنیا کی حکومتوں کے آئین اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ ان پر عمل کی بناء پر دنیا میں حق تلفی، لوٹ کھسوٹ، بے راہ روی اور قتل و غارت گری کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

جس کے دل میں خوفِ خدا رچ بس جائے گا وہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے سوچے گا کہ آیا اسکا قدم دین الٰہی کے مطابق ہے؟ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ کر رضائے الٰہی کا مستحق بن جائے گا۔

حصولِ علم کے سلسلے میں ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ موجودہ دنیا کے سارے علوم یا وہ علوم جو آئندہ آنے والے ہیں اور فی الحال انسانی دسترس میں نہیں ہیں، سب علم دین کا حصہ ہیں اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق انہیں حاصل کرنا فرض ہے۔ اس سلسلے میں درست رہنمائی کے لئے قرآن اور سنت رسول سے جو ہادیانِ برحق کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے استفادہ ضروری ہے۔ اس سے

فائدہ یہ ہوگا کہ ہمارا باطن یا ضمیر جو فاسد ماحول کی بناء پر ضعف کا شکار ہو گیا تھا اس آگاہی سے قوت حاصل کر کے بیدار ہو جائے گا اور لاکھ مزاحمتیں کیوں نہ ہوں انہیں عبور کرنا اسکے لئے آسان ہو جائے گا۔

''جو لوگ ہماری راہ میں کوشش اور جد و جہد کرتے ہیں ہم انہیں اپنا راستہ دکھادیتے ہیں بیشک خدا نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔'' عنکبوت: ۶۹

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان جو کام کرے فقط اسکی راہ میں ہو۔ یعنی اسکی ہدایت کے مطابق ہو۔ اس سے ہٹ کر جو بھی کوشش ہو گی' ظاہر ہے قیاس آرائیوں پر اسکی بنیاد ہو گی' انسانی مفاد و مصلحت اسمیں پوشیدہ نہ ہو گی۔ اسلئے ایسی سعی خدا کو منظور نہیں۔ اور جب جد و جہد انسانی مفاد میں (تحقیق و اختراع) کی جائے گی' تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ابھی (دورِ حاضر) تک جو باتیں معرضِ وجود میں نہیں آئی ہوں گی ان کی بابت اطلاعات (دماغی صلاحیتوں کے نظم کے مطابق) ان کے ذہنوں میں ڈال دے گا' تاکہ اس سے جو مفاد حاصل ہو فلاحِ انسانی میں کام لائیں۔ چونکہ ان کا یہ عمل فلاحِ انسانی کے لئے ہو گا' لہٰذا نیکی کا وسیلہ بن جائے گا اور وہ ان کو اس جد و جہد کا اجر عطا کر دے گا۔ یہ اجر دو قسم کا ہو گا۔ یہاں کامیابی پر خوشی یا راحت شاملِ حال ہو گی اور آخرت میں دوامی جنت۔

قرآن مجید میں جہاں بھی دیکھئے اللہ تعالیٰ کے وعدے نیکی یا بھلائی کی شرط کے ساتھ نظر آئیں گے' جو اسکی ہدایت کے مطابق اخلاص و نیک نیتی کے ساتھ حق جوئی کی حامل ہوں' جیسے جان و مال سے ناداروں کی امداد اور والدین کے ساتھ احسان وغیرہ۔ ارشادِ ربانی ہے:

''تم نیکی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے' جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے راہِ خدا

میں انفاق نہ کرو۔'' آل عمران:۹۲

مندرجہ ذیل واقعات بظاہر ناممکن معلوم ہوتے ہیں مگر اللہ تعالی کی فرمانبرداری میں انسانیت کی بہتری کے لئے انجام دے کر دکھا دیئے گئے۔

☆۔۔حضرت ابراہیم کا بیٹے کے گلے پر چھری چلا دینا۔(تفصیل آپ کو معلوم ہے)

☆۔۔جنگِ خندق میں زیر کئے ہوئے دشمن کا حضرت علی کے منھ پر تھوک دینا اور اس پر حضرت کا اسے قتل نہ کرنا۔

☆۔۔امام حسینؑ کا اسلام میں دوبارہ جان ڈالنے کیلئے قیام اور اصلاح امت کے لئے اپنے اصحاب اور پورے خاندان کے ساتھ جامِ شہادت نوش کرنا اور ناموسِ رسول کی دلسوز دربدری۔

ان میں جو مشترکہ بات ہے وہ محافظت احکامِ الٰہی ہے۔یہ عشقِ الٰہی ہے جو انسان کو نعمت یقین سے نواز دیتا ہے اور ناممکن بات کو ممکن بنا دیتا ہے۔امدادِ الٰہی کی بناء پر یہ ناممکن کام ممکن بنے!! یہ وہ ہستیاں ہیں جو دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔جس شخص کو ان کی معرفت حاصل ہو جائے وہ ان سے محبت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ان کی یہ محبت اسے ان کی ہدایت کے مطابق عمل پر مجبور کر دیتی ہے۔اس بناء پر اس سے اعمالِ صالح کے علاوہ کوئی دوسرا عمل سرزد نہیں ہوتا۔ان ہدایات کی بنیاد پر ضرورت ہے کہ ایک نظر ڈالی جائے۔

ہدایت انسان کی ضرورت ہے

انسان کی زندگی کارخانے کے کل پرزوں کی طرح خودکار نہیں ہے۔ہر وقت اسے مختلف حالات اور نئے ماحول کا سامنا رہتا ہے جو اسے ہر آن ایک نئی راہ کے انتخاب پر مجبور کرتے

ہیں۔ وہ غلطیوں کا پتلا ہے' اسے راہِ راست سے بھٹک جانے کا اندیشہ لاحق رہتا ہے۔ حالات بھی اکثر سازگار نہیں رہتے۔ ان وجوہات کی بناء پر اسے مستقل طور پر ہدایت کی ضرورت رہتی ہے۔ یعنی صراطِ مستقیم' جس کا ہدف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسکے علاوہ کوئی اور راستہ ایسا نہیں ہے جو لغزشوں سے بچا ہوا ہو۔ دوسرے راستے قیاس آرائی اور وسواس کے راستے ہیں' جن پر چل کے انسانیت کو فلاح نہیں مل سکتی۔

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب فقط ایک راستہ ہوگا تو انسان کو انتخاب کی آزادی نہیں ہو گی۔ یہاں مغرب کی آزادی کا ذکر آجاتا ہے کہ ان کے یہاں ہر قسم کی آزادی ہے' ہاں صرف یہ کہ دوسروں کی آزادی میں خلل نہ پڑے' بقیہ ہر قسم کی مستی جائز ہے۔

دور سے یہ بات بڑی خوش آئند نظر آتی ہے' مگر اس آزادی میں بحدِ نظر مدہوشی ہی مدہوشی ہے۔ جیسے شراب نوشی میں مدہوشی' ناچ گانے میں مدہوشی' جنسی مدہوشی' دوسرے ممالک پر ہلہ بول دینے میں مدہوشی۔ گویا کہ جدھر دیکھئے مدہوشی کی فراوانی ہے۔ اور جہاں تک ان کے دوسروں کی آزادی میں خلل نہ ڈالنے کی بات رہی' تو مشرقِ وسطیٰ' عربستان اور افریقی ممالک پر نظر دوڑایئے' طاقت کے مظاہروں کی مستی و مدہوشی دیکھ لیجئے۔ جس ملک میں دل آیا دندناتے گھس گئے' کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کیا وہ اللہ کی حاکمیت سے علیحدہ ہیں؟؟ اسکے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ فطرت اپنے نظام میں زیادہ دیر تک نقضِ امن دیکھنے کی عادی نہیں ہے۔

اسلام ہوشیاری کا دین ہے' وہاں مدہوشی حرام قرار دے دی گئی ہے' مذکورہ مدہوشیوں کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہاں مشکلات میں مبتلاء انسانوں کو آزادی دلانے کی آزادی ہے' ساری زندگی اپنی اور انسانیت کی حفاظت کے لئے آزادی ہے۔ ان سب سے پہلے نفسانی خواہشات سے خود کو آزاد کرانے کی آزادی ہے۔

ارشادِ رب العزت ہے:

''لوگوں کے لئے خواہشات دنیا عورتیں' اولاد' سونے چاندی کے ڈھیر' تندرست گھوڑے یا چوپائے' کھیتیاں سب مزین و آراستہ کردی گئی ہیں کہ یہی متاع دنیا ہے اور اللہ کے پاس بہترین انجام ہے۔ پیغمبر آپ کہہ دیں کہ ان سب سے بہتر چیز کی خبر دوں ۔ جو لوگ تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں ان کے لئے پروردگار کے یہاں وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی خوشنودی ہے' اور اللہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب واقف ہے۔''

آل عمران ۳:۱۴'۱۵

تقویٰ اللہ کی بتائی ہوئی سیدھی سچی ہدایات پر عمل پیرا رہنا ہے' اپنے ذہن کو متقی بنا کر رکھنا ہے' تاکہ آپ کا ہر عمل اللہ کی بتائی ہوئی راہ پر ہو' جو بے خوف و خطر ہے۔ جب انسان اپنے مسائل اللہ تعالیٰ سے جدا ہو کر طے کرتا ہے' تو سیدھے راستے سے علیحدہ ہو جاتا ہے' ادھر ادھر بھٹکتے رہنا اسکی قسمت بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے' اپنی مخلوق پر شفقت کی نظر رکھتا ہے۔ اسلئے اس نے انبیاء و مرسلین کا سلسلہ قائم کیا کہ انہیں غفلت سے بچا کر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایات صحیح و سالم حالت میں ان تک پہنچائیں ۔ اللہ تعالیٰ کے ایسے نمائندوں یا ہادیوں سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا اور انسان کو ان کے ذریعے امداد الٰہی ہمیشہ میسر رہی ہے۔

قدرت کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ انسان کو ہر قسم کی آسانیاں پہنچائی جائیں تاکہ وہ صراط مستقیم پر جس میں اسکی فلاح ہے' قائم رہے۔ اسے ایسے رہنما اصول و قوانین عطا کئے کہ جن پر عمل پیرا ہو کر اسے اللہ تعالیٰ کا بندہ (غلام) بنے رہنے کا شرف حاصل رہے۔ غلام ہمیشہ اپنے مالک حقیقی کے ساتھ رہ کر اسکی حفاظت میں رہتا ہے۔ اگر اس سے ہٹ کر کسی اور کی غلامی اختیار کرلے تو سچی راہ سے علیحدہ ہو کر طاغوتی راہ پر جا پڑتا ہے اور بداعمالیوں کی زد میں آ کر اپنی دینی و دنیوی

دونوں زندگیوں کو خطرے میں ڈال دیتا ہے اور ہلاکت مول لے لیتا ہے۔

اسلام نے اصولِ دین توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت اور فروعِ دین نماز، روزہ، حج، زکات، خمس، جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تولاّ اور تبرّا اسکی آسانی کے لئے وضع کر کے اسکے حوالے کر دیئے کہ ان پر عمل پیرا رہ کر وہ راہِ راست پر قائم رہے۔

اصول و فروعِ دین اللہ کی طرف سے مسلمان کو مومن بنا کر رکھنے کے لئے عظیم حکمت ہے۔ ان میں سے ہر ایک گہرے علمی و عملی مطالب کے مالک ہیں۔ ان پر لکھی ہوئی بزرگ علماء کی کتابوں سے استفادہ ضروری ہے۔ اختصار کے ساتھ انکا بیان درج ذیل ہے:

اصولِ دین

توحید

سورۂ اخلاص جو قرآن کا ایک سویا ہوا سورہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ سورہ ہر مسلمان کو حفظ ہے، مگر ہو سکتا ہے کہ اس نے اسکے معنی و مقصد کو سمجھنے کی کوشش نہ کی ہو، اسلئے کہ ایک ریس چلی آرہی کہ آیاتِ قرآنی کو سمجھنا ضروری نہیں۔ ہم اس بات کو سمجھ چکے ہیں کہ یہ نظریہ درست نہیں ہے۔ اسکے معنی پر ایک نگاہ توحید کو سمجھنے میں مدد کرے گی۔

اللہ تعالیٰ مالک یوم الدین ہے۔ حالانکہ ہم اس سے مل نہیں سکتے، یوم الدین پر ہمیں حاضر ہونا ہے۔ یعنی وہ ہمارا ہدف ہے، وہ ایسا نقطہ یا مرکز ہے جو تنہا ساری دنیا و مافیہا پر محیط ہے، ہر کس و ناکس کو توانائی پہنچا رہا ہے۔

دنیا کی حقیقی' انسان کو آلام و مصائب سے بچا کر رکھنے کیلئے انسانیت ساز ثقافت تشکیل دینے کی تحریکوں (برائے عدالت' حصول علم و آگاہی' توانائی' احسان' ہمدردی' درگزر وغیرہ) میں جو متحدہ قدم بڑھتے ہیں ان کا بھی ہدف یا گول وہی ہے۔ اسکی کامیابی کیلئے عزمِ محکم' ثابت قدمی و ولولہ وہی عطا کرتا ہے۔

اگر اہداف دو یا متعدد ہو جائیں تو ان میں تضاد کی بنا پر ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے گا۔ ان تک دسترسی ممکن نہ ہوگی' قدموں کے لئے پائے زنجیر بن جائیں گے۔ ترقی کیلئے سنگِ راہ کا کام کریں گے۔ اسی لئے اسلام جو ایک فطری دین ہے' اللہ تعالی کی ہدایت کے مطابق توحید کا پرچم بردار ہے۔ انسان کے اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں لکڑی پتھر کے گم سم و بے دم خداؤں کے نظریئے کو قبول نہیں کرتا۔

ہم اسی واحدہٗ لاشریک خدا کی پرستش کرتے ہیں (اسکی ہدایات پر عمل کرتے ہیں) جس نے کائنات کو ارتقا کی راہوں پر گامزن رکھنے کے لئے وسائل مہیا کئے ہیں' ہم اسی کے سامنے سر بسجود رہتے ہیں۔

عدل

زمین و آسمان' چاند و تارے اللہ کی خلق کی ہوئی ساری موجودات عدلِ الٰہی کے غماز ہیں۔ یہی عدل دین اسلام کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو محدود اختیارات دے کر خود مختار بنایا ہے۔ دنیا کے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے عدل پر مبنی رہنما اصول (قرآن کی صورت میں) اسکے حوالے کر دیئے' اسکے ہمراہ عادل و عالم ہادیوں کا سلسلہ جاری کر دیا' تا کہ ان سے متمسک رہ کر اپنے اعمال کو عدالت کے ذریعے درست رکھے۔ عدالت کی راہ ان سے بہتر کوئی نہیں سکھا سکتا۔

دین اسلام نے ہر ایک کے حقوق کا تعین کر دیا ہے' تا کہ انصاف قائم رہے اور انسانیت

کو ضرر نہ پہنچے۔ ساتھ ہی متنبہ کر دیا کہ اس سے تجاوز کرنے والے سزا کے مستحق ہوں گے.
مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کا کہنا نہیں مانا اور دوسروں کی غلامی میں جا پڑے۔

نبوت و امامت

یہ منصب ان ہستیوں کے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنی ہدایات لوگوں تک صحیح و سالم حالت میں پہنچانے کیلئے مقرر کرتا ہے۔ نبی وحیٔ الٰہی کا حامل ہوتا ہے اُسکے ذریعے جو ہدایات پہنچتی ہیں اُن پر خود عمل کرتے ہوئے انسانیت کو بھی دعوتِ عمل دیتا ہے اور اسلام کے لئے راستہ صاف کرتا ہے۔

آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دین اسلام تکمیل کو پہنچا۔ چونکہ انسان کو مستقل ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا اللہ نے اپنی ہدایات اُس تک پہنچانے کے لئے سلسلۂ ہدایت ہمیشہ جاری رکھا ہے۔ اس مقصد کے لئے رسول کے بعد امامت کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ امام کو غلطیوں سے پاک رکھتا ہے تاکہ انسانیت کو صحیح ہدایت حاصل ہو اور وہ بے راہ روی سے بچی رہے۔ قرآن پر مبنی رسول اللہ اور بارہ ائمہ کی تعلیمات ایک ہی طرز کی مالک ہیں اُن میں بال برابر بھی فرق نہیں یہ بات کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔

امام رہبر ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے دلوں پر حاکم (غیر از ظالم حاکم) بھی ہوتا ہے۔ اس کی اتباع لوگوں پر فرض ہوتی ہے۔ جو قوم بغیر رہبر کے ہوتی ہے یا اسکی موجودگی میں اسکی پہچان نہیں رکھتی اسکی ہدایات پر نہیں چلتی وہ بھٹک جاتی ہے اپنے اعمال کو فاسد بنالیتی ہے۔ کوئی زمانہ امام سے خالی نہیں رہتا، ضرورت ہے کہ وقت کے امام کی معرفت حاصل کی جائے۔ قرآن کے آئینے میں ان کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے۔ جب تک ہمیں معلوم نہیں ہوگا کہ امام کو ہم سے کیا توقعات ہیں، ہم اُس کی فرمانبرداری نہیں کر سکتے۔ عدم اتباع ناعاقبت اندیشی ہے جس کا نتیجہ عقبیٰ کے علاوہ دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ہے۔

قیامت

اللہ تعالی نے عدل وانصاف کو رائج کرنے کیلئے نبوت وامامت کو جاری کیا تا کہ دنیا میں صالح اعمال انجام دے کر انسان صلح وآشتی سے زندگی بسر کرے۔ اسکی نگہداری وضمانت کیلئے اسے پہلے سے آگاہ کر دیا گیا کہ وہ عدالت پر مبنی ہدایات پر عمل پیرا رہے تا کہ جزائے خیر حاصل کرتا رہے، روگردانی کی صورت میں سزا کا مستحق بنے گا' جسکے لئے اس نے (اللہ نے) ایک دن مقرر کیا ہے، جسے قیامت کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بار بار اس کی تاکید کی گئی ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے اعمال کو الٰہی ہدایات کے مطابق انجام دیتے رہیں اور اپنی اولاد کو بھی اعمال صالح پر کاربند رکھیں۔ یہی فلاح کا راستہ ہے۔

فروعِ دین

(قیام) نماز

''تم سب اپنی توجہ خدا کی طرف رکھو' تقویٰ اختیار کرو' نماز قائم کرو' خبردار مشرکوں میں سے نہ ہو جانا'' روم ۳۰:۳۱

باب چہارم میں ہم نے قیام سے مربوط عوامل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں دینی احکام اور نماز کے رشتے سے اسکے مفہوم پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ اسکے علاوہ یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قیامِ نماز کے ذریعے کس طرح انسان بداعمالیوں اور موجودہ بے سروسامانی سے نجات پا سکتا

ہے۔

مندرجہ بالا آیت ہمیں یہ بتا رہی ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ رہے، تقویٰ اختیار نہ کیا اور نماز قائم نہ کی تو شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مذکورہ امور کے اگر ہم حامل نہ ہوئے تو پھر وہ کون سی خوبیاں ہونگی جو ہمیں دائرۂ اسلام میں قائم رکھیں گی۔ دنیاداری میں خودخواہی و مفاد پرستی کی بناء پر انسان دوسروں کے حقوق پر ڈاکا ڈال کر پیچیدہ مسائل پیدا کر لیتا ہے۔ اس کی ان مسائل میں گرفتاری اللہ کی طرف سے اسکو بیگانہ بنا دیتی ہے اور وہ اسکی طرف متوجہ نہیں رہ پاتا۔

اللہ کی ہدایات کی طرف متوجہ رہنا یا تقویٰ اختیار کرنا ایک مستقل عمل ہے۔ تقویٰ جو ہدایاتِ الٰہی پر مبنی ہوتا ہے، سارے دینی و دنیوی امور کو ساتھ لیکر چلتا۔ جب انسان کوئی دنیوی کام انجام دیتا ہے، تو تقویٰ اسے پرکھ کر بتاتا ہے کہ آیا وہ دینی ہدایات کے مطابق ہے یا نہیں۔ بالفاظ دیگر تقویٰ ہمہ وقت دنیوی امور کو فاسد ہونے سے بچاتا رہتا ہے، بشرطیکہ انسان متقی ہو۔

یہ انسانی روش ہے کہ کسی کام کو انجام دینے کے لئے اسے یاددہانی کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ بھول جانے کا احتمال رہتا ہے۔ نماز اپنے کلمات کے ذریعے نمازی کو تقویٰ کا درس دیتی رہتی ہے اور اسکی یاددہانی کراتی رہتی ہے۔ انسان تقویٰ کا مالک اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک وہ قرآن اور غیر تحریف شدہ احادیث کا سنجیدگی اور ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی محکم نیت کے ساتھ مطالعہ نہ کرے۔

جس وقت وہ دنیوی کاروبار میں مشغول ہوتا ہے، انہی اوقات میں نماز وقفے وقفے سے پانچ بار ادا کی جاتی ہے تاکہ اسکی یاددہانی ہوتی رہے اور وہ اپنے فرائض منصبی سے ہٹنے نہ پائے، عدل و انصاف اسکے ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔ اس طرح ان اوقات میں جب اس سے غلطی سرزد ہونے کا زیادہ احتمال رہتا ہے نماز اسکے ہمراہ رہ کر اسکے اعمال کو دینی تعلیمات پر قائم رکھتی ہے اور جب سارے نمازی ان مقتضیات کو اپنی زندگی کا جزو بنا کر معاشرے میں قدم رکھتے ہیں، تو تقویٰ

کی بناء پر تکبر' خودخواہی' حق تلفی' متعدد امتیازات' جہل' بے انصافی' ظلم وغیرہ جیسی بدعنوانیاں اپنی راہ لیتی ہیں اور عدل الٰہی پر مبنی معاشرہ قائم ہو جاتا ہے۔ یہی قیام نماز کا مقصد ہے۔ یعنی پاک باز معاشرے کا قیام۔

اسلام کے پاس اتنا کچھ ہونے کے بعد اس کے ماننے والے کیوں خوار ہیں؟ یہاں ایک سوال سر ابھارتا ہے۔ اس کا جواب باب تحریفات' حکمتِ قیام اور دیگر مقامات پر پھیلا ہوا ہے اور آئندہ بھی اسکی ناگزیر اہمیت کی بناء پر آتا رہے گا۔ مختصراً یہ کہ اس (قیامِ نماز) میں جو دانش اور تحرک انگیز قوت موجود ہے تحریفات کا شکار ہے۔ ہم نے نماز کی ادیگی بے دھیانی کے حوالے کر دی ہے' وہ قول وقرار جو ہمیں اپنے آپ سے نماز کے دوران کرنا ہوتا ہے' وہ دل پر نہیں اتر پاتا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔ کچھ وضاحت حاضر خدمت ہے:

نماز میں اللہ سے قربت

نماز کی ابتدا اللہ تعالٰی کی قربت کی نیت سے کی جاتی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ نمازی عبد (غلام یا ملازم) ہونے کی حیثیت سے ہمہ وقت اپنے آقا کی رضا کو دل سے لگا کر رکھے گا' صرف ان اعمال کو انجام دے گا جو آقا (اللہ) کو پسند ہیں اور ان اعمال کو زندگی سے خارج کر دے گا جو اسکی ناراضگی کا باعث ہیں۔

دوران نماز منھ سے ادا ہونے والے ان کلمات کے عملی پہلوؤں پر مکمل توجہ مبذول رہنا لازم ہے۔ ان کے معنی پر محیط قرآن وسنت سے متعلق ہدایات پر دھیان قائم رہے' ذہن انھیں جذب کرتا رہے' تاکہ اعمال اس سے اثر انداز ہوں۔ اسی لئے قرآن وحدیث کا مستقل مطالعہ ضروری ہے۔

نماز معراج مومن اسلئے ہے کہ جب نماز محویت اور خشوع وخضوع کے ساتھ خوش اعمالی کی

نیت سے ادا ہوگی' تو یہ اعمالِ حسنہ کی مالک بن جائے گی اور معاشرہ بھی اس سے استفادہ کرے گا۔

نماز میں نیت اسلیئے اہم ہے کہ وہ مصمم ارادے اور محکم قصد کے ہمراہ حسنِ عمل کیلئے سمت متعین کرتی ہے۔ یعنی نمازی ٹھان لیتا ہے کہ دورانِ نماز جو ہدایات اسے موصول ہوں گی' اُن پر پوری مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا رہے گا' اُن سے کسی بھی طرح روگردانی نہیں کرے گا۔ اگر نیت اس پیرائے میں نہ ہوئی تو نماز اپنا مقصد و مصرف کھو بیٹھے گی۔ نماز کی ادائیگی وقت کے زیاں کے مترادف ہو جائے گی۔

غیر صالح اعمال انسان کو پستی کی طرف لیجاتے ہیں۔ نماز کے ذریعے انسان ان سے نجات حاصل کرلیتا ہے اور بلند پروازی و توانائی حاصل کر کے اصلاحِ معاشرہ کیلئے قیام کے قابل بن جاتا ہے اور صحیح معنی میں اللہ کا خلیفہ بن کر خدائی قوت کا مالک ہو جاتا ہے۔ اس طرح اللہ کی راہ میں ہر کام اسکے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

قیامِ نماز میں معاون امور

☆۔۔قرآن کا غور و فکر کے ساتھ مستقل مطالعہ۔ اس نیت سے کہ اسکی ہدایات پر عامل رہیں گے۔

☆۔۔ان احادیث کا مستقل مطالعہ جو ائمۂ اطہار کے ذریعے موصول ہوئی ہیں۔ ان کو مشعلِ راہ بنانا۔

☆۔۔کلماتِ نماز کی ادائیگی کے دوران قرآن و احادیث سے ماخوذ معنی پر ذہن کو مبذول رکھنا۔

☆۔۔کلماتِ نماز کی عملی غرض و غایت پر تصوراتی طور پر ذہن کو مبذول رکھنا۔

☆۔۔عربی زبان لازماً سیکھنا۔ اسلیئے کہ نماز اسلامی تمدن کا جزو ہے اور عربی زبان اسکی

اساس ہے۔

☆۔۔انسانیت کی خدمت کی جانب ہمہ وقت ذہن کو راغب رکھنا۔

☆۔۔اپنے اعمال کی نگہداری کے لئے ہر نماز سے پہلے اپنا احتساب کرتے رہنا۔ خصوصاً یہ کہ انسانی روابط میں کہیں عدل و انصاف سے ہٹ تو نہیں گئے!!

☆۔۔احکام نماز پر لکھی گئی کتابوں کو مطالعے میں رکھنا۔ خصوصاً مرجع تقلید کا رسالۂ عملیہ۔

روزہ (ماہِ رمضان المبارک)

روزے کی نسبت بیشتر ماہِ رمضان المبارک سے ہے۔ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے قرآن نازل کیا' جو کھلے الفاظ میں حق و باطل کی تشریح کرتا ہے۔ اس مہینے کی آخری طاق راتوں میں ایک رات شب قدر ہوتی ہے' جسے ہزار راتوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے' جو بڑی فضیلت کی مالک ہے۔ اس شب پوری رات تلاوتِ قرآن' دعاؤں اور استغفار کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے صالح اعمال کے لئے توفیقات طلب کرنے سے انسان کے اعمال میں پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ جن کلمات کی تلاوت کی جائے سمجھ کر' غور و فکر اور خشوع و خضوع کے ساتھ ہو۔ ان کے عملی پہلوؤں کو دل میں اتار لیا جائے۔

جس طرح نماز کی انجام دہی سے پہلے مومن نیت کرتا ہے' روزوں کے لئے بھی ویسے ہی محکم قصد پر مبنی نیت کرتا ہے کہ وہ اعمال جنہیں اسلام نے منع کیا ہے ان سے دورانِ رمضان اور اسکے بعد بھی اجتناب کرے گا۔

رمضان کا مہینہ اسلئے بھی مبارک ہے کہ جب روزے دار متواتر اس مہینے میں فقط خالص اعمال انجام دیتا ہے تو صالح اعمال کی انجام دہی اسکی عادت بن جاتی ہے۔

بہت سی نقصاندہ عادات جو زمانہ قدیم سے نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی ہیں' ان کے عیوب

سے واقف ہونے کے بعد بھی ان سے چھٹکارہ حاصل کرنے میں انسان ناکام رہتا ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں میں بے انصافی، مفاخرت، خودخواہی، غصہ، حق تلفی، بے ادبی، بے ایمانی، فریب، قطع رحمی، فسق و فجور، اسراف، پرخوری، شراب خوری، مواد مخدرات کا استعمال، لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا و دیگر مظالم پسند نہیں کرتا۔ بلکہ پرزور مذمت کر کے ہمیشہ کیلئے انسانی اعمال سے خارج کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ اس طرح اگر ایک نسل سے بھی خراب عادات خارج ہو جائیں تو آئندہ نسلیں چین سے زندگی بسر کریں گی۔

روزہ برائیوں سے پرہیز اور محرمات سے اجتناب کی ایک ریاضت یا مشق ہے۔ ایک مشہور روایت اس سلسلے میں رہنمائی کرتی ہے: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کو اپنی خادمہ کو گالیاں دیتے دیکھا تو اسے کھانے پر مدعو کر لیا۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میرا روزہ ہے۔ اس پر آنحضرت نے اس سے فرمایا: گالی بکنے والے کا کون سا روزہ ہوتا ہے؟ روزہ بھوک و پیاس کی مشق کے لئے واجب نہیں کیا گیا ہے بلکہ محرمات اور گناہوں سے پرہیز کا عادی بنانے کے لئے واجب کیا گیا ہے۔

حضورؐ سے منسوب یہ روایت فقط ایک فرد نہیں بلکہ پورے معاشرے کو بری عادات میں گرفتاری سے نجات دلانے کی طرف رجوع کرتی ہے۔ مسلمان معاشرے کا عالم یہ ہے کہ عقل و شعور، شرافت و انسانیت کے جامے سے نکل کر غیظ و غضب میں مبتلا ہے۔ نہ زبان پر قابو ہے نہ دل و دماغ پر۔ روزہ عظیم امدادِ الٰہی ہے جو انسانیت کو دماغی فتور سے نجات دلا کر خوشحالی عطا کرتا ہے۔

بہر حال ہمیں انفرادی اور اجتماعی طور پر اصلاح جاری رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ تقویٰ اختیار کر کے خوشنودیٔ الٰہی کے مستحق بن سکیں۔ اسی میں ہمارا مفاد ہے۔ روزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بڑی مدد ہے جو اصلاح کر کے ہم میں پاکیزگی پیدا کر دیتا ہے اور اس قابل بنا دیتا ہے کہ بہبودِ انسانیت کے لئے قیام کر سکیں۔ اور معاشرے کو مظالم سے بچا کر آسودہ حال بنانے میں معاونت کا ہاتھ بڑھا سکیں۔

حج بیت اللہ

''بے شک سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے' وہ مکہ میں ہے' مبارک ہے اور عالمین کے لئے مجسم ہدایت ہے۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ محفوظ ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا واجب ہے' اگر اس راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو کافر ہو جائے تو خدا تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔''

آل عمران ۳:۹۶' ۹۷

اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو اپنا گھر بتا کر مسلمانوں کے لئے ایک مرکز قائم کر دیا اور کہہ دیا کہ نماز ہو یا حج' مرنا ہو یا جینا' کھانے کے لئے پرندے یا جانور حلال کرو تو رخ اسی طرف رکھو۔ قبر میں بھی چہرہ اسی طرف رہے۔ ہمہ وقت مرکز نظر وہی رہے۔ یعنی ذہن کا رجحان اللہ کی ہدایات کی طرف رہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمان کو اس مرکز کی طرف رجوع رکھ کر متحد و متفق دیکھنا چاہتا ہے۔ اس اتحاد اور مرکزیت سے وہ چاہتا ہے کہ صاحب حیثیت لوگ حتماً وہاں حاضری دیں اور اپنے روشن ضمیر کا سہارا لیکر مسلم امہ کے دینی' اقتصادی' معاشی' تعلیمی' سائنسی' تکنیکی' تمدنی' سیاسی' تجارتی' دفاعی' امداد باہمی اور اقوامِ عالم سے ربط و تعلق سے مربوط امور و مسائل کا متفقہ حل تلاش کریں اور مرکز اتحاد و فلاحِ عالم بنا دیں۔

حجِ بیت اللہ کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس اسلامی فریضے کو ادا کرتے ہوئے جب فرد اللّٰھم لبیک کی صدا بلند کرتا ہے تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے پروردگار کی دوستی و رفاقت (تولاّ) کی علامت بن جاتا ہے۔ اور رمیٔ جمرات کر کے شیطان سے بیزاری و برائت (تبرّا) کے ذریعے قیاس آرائیوں اور طاغوتی غیر مترقبہ وسواس پر مبنی دینی و دنیوی تعصب سے اپنے آپ کو پاک کر لیتا

ہے اور بعد ازآں ہمیشہ برائیوں سے روگرداں رہتا ہے۔

احرام کا سادہ ترین لباس زیب تن کر کے حاجی سادہ زندگی گزارنے، نفس پرستی و مادیت سے کنارہ کشی کا ادعا کرتا ہے اور یہ طے کرلیتا ہے کہ اسی روش پر قائم رہ کر ذہنی انتشار اور پریشانیوں سے اپنے آپ کو دور رکھے گا۔ اس طرح اپنے اخراجات میں کمی کر کے بچت کو نہایت انکساری کے ساتھ مستحقین تک پہنچا دے گا۔

مناسک حج اپنے دامن میں انسانیت سازی کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر لئے ہوئے ہیں، یہ درماندہ مخلوق خدا کی فلاح کیلئے قیام میں کمال درجے کی امداد الٰہی ہے۔ ادائیگیِ حج کے دوران حاجی امر و نہی کے جو عملی دروس حاصل کرتا ہے اسکے بعد بھی ان پر قائم رہنا تکمیل حج میں شامل ہے۔ واپسی پر اگر ان سے انحراف پر مبنی زندگی گزاری تو حج بے مقصد ہو جائے گا اور ثواب کے استحقاق سے حاجی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

دوران حج حاجیوں نے اپنی اصلاح کی جو کوشش کی اگر ان پر وہ ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو ذہن کے پردے پر ایک خاکہ آتا ہے کہ وطن واپسی پر وہ ایک صلح و آشتی اور بھائی چارے کا معاشرہ تشکیل دے رہے ہیں، یا دیں گے۔ مگر افسوس گھر واپسی پر نہ وہ بدلے نہ معاشرہ، بلکہ اسکے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلم معاشرہ پہلی جیسی ابتری کا شکار ہے۔ نتیجتاً ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ساری کوششیں رسمی اور دکھاوے کی تھیں، جو ان کے قلب پر اثر انداز نہ ہوسکیں۔ اس سے جو بار آوری متوقع تھی حاصل نہ ہوسکی۔ ضرورت ہے کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ اس عظیم الٰہی مدد سے ہم کیوں مستفید نہیں ہو پا رہے ہیں۔ اسکے اصل مقاصد سے استفادے کی کوشش کریں۔ باب حکمت میں اس سے مربوط کچھ سفارشات درج کی گئی ہیں، اگر ان پر عمل کے ذریعے انہیں رائج کیا جائے تو امید ہے کہ مسلمانانِ عالم کو یہ اہم فریضہ ناکامی سے نکال کر انسانیت سازی میں کامیاب کردے گا۔

زکات وخمس

زکات وخمس کی بابت کہ کس پر کس قدر اور کب لاحق ہوتا ہے' تقلید کے لحاظ سے توضیح المسائل سے جو ہر گھر میں موجود ہوتی ہے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی معاشرہ بغیر مالیاتی وامدادی استحکام کے اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہوسکتا۔ ترقی پذیر ممالک کی طرف اگر ہم نگاہ ڈالیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ان کے پاس تعلیم عامہ کیلئے رقم اتنی قلیل ہوتی ہے کہ وہ اپنی پوری آبادی کو ادنیٰ ترین تعلیم بھی نہیں دے پاتے۔ یہی وہاں کے فقر کا سبب بنا ہوا ہے۔

جب کسی ملت کے عقل کی سطح کم علمی کی بناء پر زمانے کے علم وادراک کی سطح سے گری ہوئی ہوگی' تو یقیناً اسکے قدم زمانے کی رفتار کا ساتھ نہیں دے پائیں گے۔ وہ قومیں جو اس دوڑ میں آگے ہوں گی' پسماندہ قوموں کو ان کا دست نگر ومحکوم رہنا ہوگا۔ لگام ان کے ہاتھ میں ہوگی' جدھر ان کی مرضی ہوگی ان کا منہ موڑ دیں گی۔ ان میں اتنی سکت نہ ہوگی کہ اپنا رخ سیدھا کر سکیں۔

اسی طرح روزگار کی قلت کا بھی سامنا ہوگا۔ جب صنعتی نظام کمزور ہوگا' افرادی قوت بھوک کا شکار ہوگی' ان کا دین ومذہب بھی ان کے اخلاق کو درست حالت میں نہ رکھ پائے گا۔ حکومت کے قابو سے باہر ایک افراتفری کا عالم ہوگا۔ اسی طرح دوسرے شعبہ جات بھی زوال کی زد پر ہوں گے۔

اسلام نے اپنے اقتصادی نظام کو دینی عقائد کا جزو بنا کر اللہ تعالیٰ سے ملحق کر دیا اور اس میں حصہ لینے والوں کو اجر وثواب کا مستحق بنادیا۔ اس میں جو نظریہ برسر کار ہے وہ یہ ہے کہ اس جہاں میں جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے' جس میں انسان خود بھی شامل ہے اور اسکی کمائی بھی۔ اس بناء پر ان پر حق تصرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے' جس سے روگردانی فسق وفجور کے زمرے میں آجاتی ہے۔

قرآن میں زکات کا تذکرہ تقریباً ہر اس مقام پر آیا ہے جہاں نماز کا ذکر ہے۔ فقہا نے اس کی اہمیت کے پیش نظر ضروری سمجھا ہے کہ مسلمان کے لئے ہر اس مد سے جو مورد استفادہ ہو حق زکات ادا کرنا دینی ذمے داری ہے۔ اس میں نصاب کے مطابق مالیات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا جو کچھ بھی اسکے پاس ہے، شامل ہے۔ جیسے جسمانی قوت، علم، عقل، فہم، ادراک، سماعت، بصارت، حکمت، حرفت، تدبر و تفکر وغیرہ وغیرہ۔

جس طرح وہ خود ان قوتوں سے فائدہ حاصل کرتا ہے، بعینہ وسیع دائرہ قیام مورد اصلاح معاشرہ جہاد فی سبیل اللہ (دشمنوں سے دفاع) ہمسایہ و برادران اسلامی کی مدد، فلاح انسانیت کے لئے احکام تسخیر کائنات کے تحت تحقیقی ادارے قائم کرنا، ان میں خود حصہ لے کر اختراعات کا سلسلہ جاری رکھنا وغیرہ سب زکات کے زمرے میں آجاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر شخص اس الٰہی مدد اور دینی فریضے کے ذریعے مفلوک الحال انسانیت کی بحالی کے عمل میں شامل ہو۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

''تم بہترین امت ہو جسے منظر عام پر لایا گیا ہے، تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' آل عمران ۳:۱۱۰

ایک عرصے سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو شجر ممنوعہ بنا کر عمل کے دائرے سے خارج کر دیا گیا ہے۔ اس کا نام لیتے ہی لوگوں پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر عمل پیرا ہونا اپنے کو خطرے میں ڈال دینا ہے، اسلئے قابل عمل نہیں۔ حالانکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ عطیۂ پروردگار دستور دین ایک ایسی حکمت عملی ہے جو انسانیت کو بلا تفریق مذہب و ملت شائستہ اخلاق پر گامزن کر کے توانا بنا دیتی ہے۔ اس سے ہماری عدم آگاہی ہے جو ہمیں خوف

میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔

ہمارے یہاں خوف خدا کا چرچہ رہتا ہے۔ اس خوف سے گھبرا کر اگر اللہ کے وجود سے منکر ہو جائیں کہ نہ خدا ہوگا نہ اسکا ڈر رہے گا' تو اسے کیا کہیں گے!! جب کہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہمیں بد کرداری سے باہر لا کر اچھے اعمال کی طرف راغب کرتا ہے' تا کہ انسان کو دنیا میں چین نصیب رہے اور عقبیٰ بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ پوری مخلوق کا پالنے والا پسند نہیں کرتا کہ اسکے بندے پریشانیوں میں مبتلا رہیں۔

اس متروکہ عمل خیر کو بچوں کے ذریعے دوبارہ رائج کیا جا سکتا ہے۔ ان میں یہ جذبہ ماں باپ کی محبت کی مثال دے کر با آسانی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ والدین پسند نہیں کرتے کہ ان کے بچوں کو کوئی تکلیف پہنچائے' اگر انہیں کوئی تنگ کرتا ہے تو اس سے ناراض ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو کوئی تکلیف پہنچائے گا تو وہ اس سے ناراض ہوگا اور اس سے محبت ترک کر دے گا اور سزا دے گا۔ مثالوں کے سہارے اچھائی برائی اور حق و باطل انہیں سمجھا دیا جائے۔ اس کے بعد نظریۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سمجھانے میں آسانی ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں ہر مسلمان ایک دوسرے کا محافظ ہے۔ دنیا میں ڈیڑھ سے دو ارب مسلمان بستے ہیں اور ایک دوسرے کو ذبح کرنے میں مشغول ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ رسول کی ہدایت بروئے کار نہ لائی جا سکی؟؟ یہ تفرقہ آرائی کہاں سے آ پہنچی؟ قرآن بھی مسلمانوں کو تفرقہ اندازی سے منع کرتا ہے اور مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لینے کی ہدایت کرتا ہے۔ پھر بھی فرقوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

اسلام کی ہر ہدایت انسانیت کی بھلائی کے لئے ہے۔ اگر مسلمان اللہ والے بن کر رہیں' تو ان کے اچھے اخلاق کو دیکھ کر اہل کتاب بھی انسانیت کے رکھوالے بن جائیں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جو کوئی اپنے زمانے کا ادراک رکھتا ہے اور اسکے اوضاع (وضع کی جمع) کی پہچان رکھتا ہے، غلطی نہیں کرتا۔''

ہم اپنے زمانے سے کس قدر ناواقف ہیں!؟ کس قدر ایک دوسرے سے ناآشنا ہیں!؟ ہمارے درمیان نہ ہمدردی ہے، نہ ہمکاری، نہ زمانے کی چالباز سیاست اور اسکی روش کی اطلاع رکھتے ہیں۔ جہالت کا کیسا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ نہ قرآن، نہ رسول، نہ ان کی آل سے آشنائی ہے۔ اسی لئے ان کی اتباع دلوں سے خارج ہے۔

کچھ قرآن کی زبان سے سماعت فرمایئے:

''منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں سب ایک دوسرے سے ہیں۔ سب برائیوں کا حکم دیتے ہیں اور نیکیوں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو راہِ خدا میں خرچ کرنے سے روکے رہتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے تو اللہ نے انہیں بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ منافقین ہی اصل میں فاسق ہیں۔'' توبہ ۹: ۶۷

''اے میری اولاد! نماز قائم کرو، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو۔'' لقمان ۳۱: ۱۷

''زکات دیتے رہو اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو۔'' حج ۲۲: ۴۱

''مومن اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا ہے۔'' آل عمران ۳: ۱۱۴

''مومن و مومنات ایک دوسرے کے دوست ہیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں۔'' توبہ ۹: ۷۱

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:

''خداوند کریم کمزور مومن سے خفا ہے اور نفرت کرتا ہے۔ دریافت کیا گیا وہ کون سا مومن ہے جو دیندار نہیں؟ حضور نے فرمایا: جو نہی از منکر نہیں کرتا۔''

فروع کافی۔ ج۵۔ ص۵۹

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''وائے ہو اس ملت پر جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے خدا کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتی۔'' فروع کافی۔ ج۵۔ ص۵۷

امام حسین علیہ السلام اساسی ترین واصل راہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر شہید ہوئے' جو بقائے اسلام کی ضامن بن گئی۔ جب انسان خود کوئی عمل کر کے دکھاتا ہے' تو لوگوں پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے اور معاشرہ بھی ایک دوسرے سے متاثر ہو کر اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ یہ انبیاء کا طریقہ ہے۔ وہ آگے آگے چلتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ میرے ساتھ چلو۔ اس نظریئے کے تحت ان کی تاسی ہم پر فرض بن جاتی ہے' اور ہم پر واجب کرتی ہے کہ ہم اپنے بچوں اور اہل خانہ کو صالح عمل کر کے دکھائیں' تاکہ وہ اس سے متاثر ہو کر عمل صالح کے مالک بن جائیں۔ اس ضمن میں ضروری ہے کہ ایسے خوشگوار انداز میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہوا جائے کہ لوگ اثر بھی لیں اور انہیں برا بھی نہ لگے۔

عرفا کا کہنا ہے کہ اللہ کی طرف راہ کی پہلی منزل ''توبہ'' ہے۔ اس میں انسان اللہ کی طرف پلٹ کر آ جاتا ہے' خدا کو اپنے وجود کا حاکم مان لیتا ہے اور فقط اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہے۔ جز خدا کسی دوسرے کی تعریف و ستائش نہیں کرتا۔ نماز میں ''سبحان ربی العظیم وبحمدہ اور سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ'' کہہ کر اپنی اور دوسروں کی ستائش سے باز رہ کر نہ فقط اپنی تربیت کر کے صالح بن جاتا ہے

بلکہ پورے معاشرے کے لئے مصلح بن جاتا ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا دائرۂ کار بہت وسیع ہے۔اسکے ذریعے اللہ تعالیٰ انسان کو انسانیت کی بہبود کے لئے ہمہ وقت مشغول دیکھنا چاہتا ہے۔درج ذیل آیت کیسی انسان پرور ہے ہے:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے خدا نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور تم پر ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔''

لقمان ۳۱:۲۰

یہ آیت اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ فقط مالی امداد کافی نہیں ہے' جسے خدمت کہہ دیا جائے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ پوری انسانیت کیلئے ترقی کیساتھ ایسا انتظام چاہتا ہے جس میں مالی امداد یا کفالت کی جگہ باقی ہی نہ رہے۔اسی لئے اس نے دنیا کی ساری نعمتوں کو انسان کے قدموں پر ڈال دیا ہے۔جمادات' نباتات وحیوانات کے ہمراہ ان سے متعلق رازہائے سربستہ کو (ان کے بنیادی علوم) اس پر عیاں کر دیئے ہیں کہ آگے قدم بڑھائے اور مزید علم حاصل کر کے اور تحقیقات وایجادات کے ذریعے اللہ کی نعمت کی دنیا میں اسقدر فراوانی کر دے کہ کوئی انسانیت کا استحصال نہ کر پائے' ہر فرد خود کفیل بن کر ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جائے۔اس خدمت سے جو مسرت حاصل ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے' اسکی حاکمیت قبول کر کے سجدہ ریز ہو جائے کہ اس نے کامیابی عطا کی۔

مغرب کی طرح مفاخرت میں مبتلا ہو کر ساری دنیا کو اپنا غلام بنانے کے چکر میں نہ پڑ جائے۔اسلام تسلیم ورضا کا دین ہے۔مسلمان فقط وہ کام کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔

امر بالمعروف کی ایک مختصر سی فہرست

علم و آگاہی و تقویٰ کے اعلیٰ مدارج' زبان پر قابو' راست گوئی' امانت داری' دوستی' بغیر جتائے ہوئے احسان' عفو' انفاق' صبر' ادب' وفائے عہد' غور و فکر' حیا' انکساری' فروتنی' مخالفتِ نفس' دینداری'، شکرگزاری' دعا' کسبِ حلال' صلہ رحمی' عیادتِ مریض' یتیم نوازی' احترام و تیمارداری' والدین سے حسن سلوک' ہمسایوں سے رواداری' بلوغیت کے ذریعے بیوی اور شوہر کے درمیان میل ملاپ' تحمل اور محبت کا برتاؤ' بچوں سے نرمی اور شفقت' ان کے لئے اعلیٰ ترین تعلیم کا انتظام' امدادِ باہمی' یکجہتی' عدالت' تعصب سے اجتناب' قیام برائے فلاحِ انسانی وغیرہ۔

نہی عن المنکر کی مختصر فہرست

جہل و نادانی' بدزبانی' بدکاری' ناچ گانا' غیبت' حسد' جھوٹ' تہمت' فحش کلامی' قہقہہ' اذیت و آزار' خیانت' شکم پرستی' اسراف' کبر و خودخواہی' خودستائی' ریاکاری' ظلم' فساد' غرور' غصہ' مقام پرستی' حیلہ و مکر' بدعہدی' بے دینی' عجلت' شرک' رشوت' قطع رحمی' تعصب' تفرقہ اندازی' بے انصافی' مستحقین کی مدد سے گریز وغیرہ۔

تولاّ

تولاّ' دوستی و رفاقت کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ جو ایک اہم مسئلہ ہے۔ اسلئے کہ دوست کا

کہنا ماننا پڑتا ہے' اسکی نادانی بھی مشہور ہے۔ رہا سچا اور پکا دوست تو اسکے لئے ایک معیار کی ضرورت ہے۔ سچائی میں اتنی ہی وسعت اور گہرائی ہے جتنی فطرت میں وہ وجود رکھتی ہے' اسکو سمجھنے کے لئے علم وادراک کی ضرورت ہے۔ انسان خواہ کتنا ہی علم کیوں نہ حاصل کرلے اسکی گہرائی تک پہنچنا آسمان سے تارے توڑ کر لانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے دین ودنیا کے علم سے مزین کر کے اپنے مخصوص سچے بندے بھیجے' جو اللہ کی ہدایت صحیح وسالم حالت میں اسکے بندوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ انبیاء ومرسلین واوصیاء نے تکلیفیں اٹھائیں مگر انحراف سے کام نہیں لیا۔ آخری نبی حضرت محمد کے بعد مطہر ائمہ کا سلسلہ جاری ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے امامِ حاضر دنیا میں موجود ہیں مگر ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں۔

ہمیں ان سے بہتر سچا دوست نہیں مل سکتا۔ ہم انہی کی ہدایات پر چل کر اپنی عاقبت درست رکھ سکتے ہیں۔ اسلئے ضروری ہے کہ ان کو اپنا رفیق ودوست بنا کر ان سے محبت کا رشتہ قائم کریں۔ قرآن نے بھی اس بات کی ہدایت کی ہے:

> ''(اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغِ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا' علاوہ اسکے کہ میرے اقرباء سے محبت کرو۔'' شوریٰ ۴۲:۲۳

تبرّا

تبرّا الگ ہونے' بیزار ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ دنیا کی ساری برائیوں سے بیزاری قرار دے کر ان سے دوری اختیار کی جائے۔ ایسے لوگوں سے بھی دوری اختیار کی جائے جو جہالت کی بناء پر سچائی سے دور ہو کر دین سے بھی دور ہوں اور انسان کو شیطان کی

طرح وسوسے میں ڈال کر اللہ کے دین سے دور کرتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا یہ انتظام اسلئے جاری کیا کہ کائنات کی پاکیزگی میں نقص پیدا نہ ہو، یہاں کی ہر شئے ترقی کی راہ پر گامزن رہے۔ ان سے متعلق امور کو انجام پانے کے لئے ذرائع کا انتظام کیا تاکہ اسکی ترقی کے ساتھ اس کی کاملیت قائم رہے۔ انسان چونکہ اس کی مخصوص مخلوق و خلیفہ ہے، یہاں کے کاروبار کی اس پر ذمے داری ہے لہٰذا اسکے لئے ہدایت کا انتظام کیا، عقل عطا کی اور اسے حدود کی تجاوزات سے بچانے کے لئے اعمال کی کسوٹی پر مبنی سزا و جزا کا نظام قائم کر دیا۔

اسے اپنے خالق مہربان کا شکرگزار ہونا چاہئے، جس کا تقاضا ہے کہ وہ علم و تقویٰ کے اعلیٰ و ارفع مدارج طے کر کے اپنے اعمال کو درست رکھے۔ اسکی دستیابی کے لئے اسے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ طاہر و مطہر (مطہر بمعنی پاک کرنے والا) اور غلطیوں سے مبرا اچھے بندوں سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ خداوند کریم نے انسان کو اصول و فروع دین اسلئے عطا کئے ہیں کہ وہ اس عظیم امداد کے ذریعے اپنے آپ کو مومن بنائے۔ چونکہ ہر زمانے میں مفاد پرست لوگ انسانوں کا استحصال کر کے اپنے مقاصد حاصل کرتے رہے ہیں۔ مومن اپنے علم و (اصول و فروع دین پر عامل ہو کر) تقویٰ اور خالص رہنمائی کی بنیاد پر انسانیت کی بہبود کے لئے بغیر کسی پس و پیش کے قیام کے لئے توانائی و جرأت حاصل کر لیتا ہے۔ اس ضمن میں خوف خدا محرک کیلئے کافی ہوتا ہے۔

یہ نظریات کیوں سرد خانے میں پڑے رہے؟ اور ان کی قوت کیوں بروئے کار نہ آسکی؟ وجہ وہی ہے، جس کا ہم شروع ہی سے رونا روتے چلے آرہے ہیں۔ یعنی تحریفات جو ہدف کو مبہم بنا دیتی ہیں، مقاصد کا حصول افکار کا جزو نہیں بن پاتا اور انسان اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔

ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ یہ ہمیں خاص مقصد کے لئے بطور قرض دیا گیا ہے، جسے ہمیں اسی دنیا میں کمائی کر کے چکانا ہوگا۔ پتہ نہیں کب اجل آجائے، مقروض ہوں اور کوچ کرنا پڑ جائے۔

قرضہ اتارنے کی ایک ہی صورت ہے ! ۔۔۔۔ مومن بن کر انسانیت کی ڈانواں ڈول کشتی کو سہارا دیں' موفیت خود بخود معاونت کرے گی' اس مقصد کے لئے قیام کریں۔ امداد کے لئے ہمارے مددگار منتظر ہیں۔ (مقالہ قیام پر ایک بار اور نگاہ امید ہے یاد تازہ کر دے گی)

✿✿✿✿

باب ۸

کلماتِ نماز

بسمہ سبحانہ

کلماتِ نماز

'' جو لوگ ہماری راہ میں کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں' ہم انہیں اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں' بیشک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔'' عنکبوت ۶۹:۲۹

پچھلے ابواب میں اندازہ لگایا گیا کہ نماز کی ادائیگی کے باوجود' کیونکہ کلماتِ نماز کی تلاوت اُن کے معنی و مقاصد پر دھیان دیئے بغیر کی جا رہی ہے' لہذا ہمارے اعمال پر مثبت اثرات مرتب نہیں ہو پاتے اور کاروانِ اسلام اس بے توجہی کی بناء پر بے مقصد ہو کر ضعف میں مبتلاء ہو گیا ہے اور ذلت کے گڑھے میں جا پڑا ہے۔ مسئلے کی اہمیت کے پیشِ نظر کچھ معاملات ایسے ہیں جنہیں پوری آگاہی کے ساتھ باور کر لینا ضروری ہے' تاکہ طبیعت اس طرف رجوع رہے۔

ہم اس دنیا میں مسلسل سفر کی حالت میں ہیں' یہاں تک کہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملیں۔ احتمال ہے کہ دورانِ مسافرت ہمارے اعمال اس قابل نہ رہیں کہ ہم بارگاہِ ایزدی میں اسکے رحم کے مستحق ہوں۔ اس خدشے سے بچا کر رکھنے کیلئے اسلامی شریعت نے کچھ واجب عبادات ہم پر فرض کی ہیں' جو اعمالِ حسنہ (جو اللہ کو قابلِ قبول ہوں) کے ساتھ سفر طے کرنے میں ہماری مددگار

ہوتی ہیں۔ یہ عبادات ہمارے اعمال کی حفاظت کرتی ہیں اور سفر جاری رکھنے میں ضمانت بنی رہتی ہیں۔ شرط یہ ہے کہ انہیں درست ادا کیا جائے۔

ہمارے اعمال کس طرح اعمالِ حسنہ بنیں؟

ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ ہم احکامِ شرعیہ سے رہبری کا کام لیتے ہوئے خداداد جبلی وفطری صلاحیتوں اور قوتوں کے ساتھ یہ سفر جاری رکھیں جس میں ہمارا تمام تر وجود شریک رہے۔ ذہن وسوسوں اور بیہودہ خیالات سے دور رہے' تا کہ ہماری روح انوارِ الٰہی میں غوطہ زن اور بارگاہِ خداوندی میں مدہوش رہے۔

قیامِ نماز سفرِ آخرت کے لئے توشہ ہے۔ اس میں پروئے ہوئے الٰہی کلمات ایسی قوت کے حامل ہیں کہ انسانی صلاحیت اور استعداد کی ظاہری و باطنی دونوں لحاظ سے سفر کو سالمیت کے ساتھ رواں دواں رکھنے میں معاونت کریں اور کسی رہرو کا اندیشہ نہ رہے۔

ان کلمات سے کس طرح استفادہ کیا جائے؟

کسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں اپنے آپ کو اس کے قابل بنانا ہوتا ہے' وہ چیز خود بخود ہاتھ نہیں آ جاتی' خصوصاً جن باتوں سے ہمارا سابقہ نہ رہا ہو یا وہ ہماری عادت کا حصہ نہ رہی ہوں۔ ایسی حالت میں قابلیت پیدا کرنے کے لئے تہذیبِ نفس کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر خود کو سدھانا یا اپنی اصلاح کرنا ہوتا ہے۔ جانور کو کھانے کی لالچ دے کر سدھاتے ہیں' جبکہ ہم حصولِ خوشنودیٔ خدا کی تمنا میں اپنے نفس کی شستگی کی سعی کرتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ ایسی لفاظیاں تو ہم ایک عرصے سے سنتے چلے آئے ہیں' ان کی تکرار سے کیا فائدہ' تو عرض ہے کہ پچھلے ابواب میں جن مصیبتوں کے تذکرے ہوئے ہیں' جن کی وجہ سے ہم موجودہ ابتری میں آن پڑے ہیں' ان میں جس چیز نے سب سے زیادہ تازیانے لگائے ہیں' وہ تحریفات ہیں' جن کا تذکرہ کرتے کرتے نوکِ خامہ بھی جواب دے چکی ہے' سب سے زیادہ ضرب قیامِ نماز پر پڑی ہے۔

اس مقصد کے مدنظر اور مقالے کو طوالانی ہونے سے بچانے کے لئے فقط چیدہ چیدہ کلمات کو زیر نظر رکھا گیا ہے۔ آگے چل کر جب ان کلمات کی تشریحات پر نظر ڈالی جائے گی تو اندازہ ہوگا کہ ان کے مقاصد پر ہماری نگاہ نہیں رہی تھی جن کو بنیاد بنا کر ہم اپنے اعمال کو استوار کرتے اور ان سے قوت حاصل کرتے۔ ان پر جب ہم غور کریں گے تو پتہ چلے گا کہ ان کلمات کی اہمیت ہمارے اعمال کے لئے محور و مرکز کی حیثیت رکھتی ہے اور ہم ابھی تک ایک عمل لا حاصل میں مبتلا تھے۔ اور چونکہ یہ باتیں ہماری عادت کا جزو بن گئی ہیں' لہٰذا حق یہ ہے کہ بالغ نظری (جس کی بے حد کمی ہے) سے کام لے کر جدوجہد سے کام لیا جائے۔

ایک بات ذہن میں آتی ہے کہ دوران نماز تلاوت کلمات کے ہر لفظ پر اگر دھیان رکھا گیا تو ایک طوالانی وقت درکار ہوگا' یہ بات بعید از قیاس نہیں' چند دنوں تک یہ عمل طول ضرور کھینچے گا' مگر جلد ہی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی اور وقت ہمارے قابو میں آ جائے گا۔ اس جاہلوں جیسی احمقانہ بات کو ذہن سے نکال دینا چاہئے کہ کلمات کے معنی اور مقاصد سمجھے بغیر تلاوت کافی ہے۔ یہ کار عبث اور مسخرہ پن ہے' جس سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نماز ہمارے اوپر اپنے اثرات مرتب نہیں کر پاتی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم کلمات کے بارے میں آگے پیش کی جانے والی وضاحتیں دھیان دے کر یاد کر لیں۔ یاد کرتے وقت انہیں ذہن کے پردے پر لا کر دیکھیں اور محسوس کریں کہ ان سے متعلق اعمال ہم انجام دے رہے ہیں۔ ابتدا میں کچھ مشکل کا سامنا ہوگا' مگر تسلسل' تکرار اور اس پر ثابت قدمی اس عمل کا عادی بنا کر آسانی پیدا کر دے گی' وقت بھی سمٹ جائے گا اور حضور قلب میں بھی اضافہ ہوگا' جس کی بابت عبادت کے باب میں تذکرہ آ چکا ہے۔

زمانے کی مشکلات انسانی ذہن پر اس قدر زیادہ حاوی رہتی ہیں کہ کسی اور فکر کا اس پر وارد کرنا آسان نہیں ہوتا۔ کلمات نماز کو ذہن پر جاگزیں کرنے کے لئے انہیں خارج کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ عقبیٰ کی صعوبتوں پر ذہن کو مبذول کیا جائے' جو یہاں کی مصیبتوں سے کہیں زیادہ

سنگین ہونے کی بناء پر توجہ کی طالب ہوتی ہیں۔ یعنی خوفِ خدا اپنے اوپر طاری کیا جائے' اس طرح یہاں کی پریشانیں اپنی راہ لیں گی اور قلب کلماتِ نماز کی پذیرائی کے لئے حاضر ہو جائے گا۔

ہم کیوں اس قدر زحمت اپنے سر مول لیں!؟ اگر قربِ الٰہی مقصود ہے' تو پہلے جیسی بے دھیانی کی تلاوت اور فراٹے بھری رسمی نماز سے کنارہ کشی کر کے نماز کے اصل مقتضیات کو پورا کرنا ہوگا۔ اسلام دینِ عمل ہے اور نماز اعمالِ صالح کی طرف رجوع رکھ کر ان پر عمل پیرا رہنے کے لئے ایک وسیلہ ہے۔ یعنی نماز جو عمل کی طرف انسان کو راغب نہ کر سکے پانی کے بلبلے کی مانند ہے' جو تحلیل ہو کر وجود کھو بیٹھتا ہے۔

پورے دھیان کے ساتھ مدہم چال اختیار کر کے جو نماز ادا ہوگی چند منٹ کا اضافہ ضرور ہوگا مگر حضورِ قلب کے ساتھ تلاوتِ کلمات ہمارے اعمال پر اثر انداز ہو کر موجبِ خوشنودیٔ خدا بن جائے گی اور امورِ مسلمین جو پسِ پشت پڑے ہوئے ہیں انشااللہ پیشروی اختیار کر لیں گے۔

کیا ہم نہیں جانتے کہ کسی چیز کا جوہر اس کی ماہیت اور شائستگی میں مضمر ہے؟ یہ نماز میں عمدگی یا اسکی کوالٹی سے سرکشی کی وجہ ہے کہ نوبت ذلت و خواری تک آ پہنچی ہے۔ فکر لازم ہے!! بغیر توجہ کے کسی سے بات کرنا پاگل پنے کے علاوہ کیا ہے؟ اللہ کے سامنے عرض گزاشت پیش کی جائے اور بے توجہی کے ساتھ' مضحکہ خیز بات نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

خداوند کریم نے دنیا میں جو کچھ بھی وارد کیا ہے بے پایاں ابعاد کا مالک ہے۔ وہ کلمات جو نماز میں ادا ہوتے ہیں لامحدود معنی و مقاصد پر محیط ہیں۔ ان کا گہرا علم اگر کسی کے پاس ہے تو وہ محمد و آلِ محمد ہیں۔ بزرگ علما نے ان پر قلم اٹھایا ہے مگر ان میں سے کسی کو بھی قطعیت حاصل نہیں' نہ ہی انہوں نے ان کے قطعی ہونے کا دعویٰ کیا۔ ابھی بھی تشنۂ تفسیر ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس سمت کوشش چھوڑ بیٹھیں' اپنے فہم و ادراک کو حقیر سمجھ کر ان کلمات میں عمل کرنے کی جو ہدایات موجود ہیں ان سے ہاتھ اٹھالیں۔ لازم یہ ہے کہ ہماری سمجھ کتنی

ہی سطحی کیوں نہ ہو اپنی دسترس کے مطابق اس پر کاربند ہوں۔ عمل کے ساتھ ان پر متواتر غور وفکر ان کے گہرے مطالب کو ہم پر آہستہ آہستہ روشن کرتا چلا جائے گا۔

یہ ایک فطری سی بات ہے کہ جو بھی معنی ہمیں معلوم ہیں جب ان میں ڈوب کر ان کے عمیق مطالب کی تلاش میں مستقل طور پر لگے رہیں گے' جیسے دھن لگی رہتی ہو تو وقت کے ساتھ ساتھ ان میں جو رموز پنہاں ہیں اپنے اوپر سے پردے اٹھاتے چلے جائیں گے اور کامیابی کا ایک سلسلہ جاری ہو جائے گا۔ خوشی کی لہریں اٹھ کر دل و دماغ کو باغ باغ کر دیں گی۔ یہ وہ جذبات ہیں جو قوتِ متحرکہ کا کام کرتے ہیں اور ان میں سے جو مطالب رونما ہوتے ہیں انسان کو اس پر رواں دواں کر دیتے ہیں۔ اس طرح ان کلمات میں جو مطالب وجود رکھتے ہیں انھیں عملی جامہ پہنانا ہماری عادت کا حصہ بن جاتا ہے' بشرطیکہ تسلسل قائم رہے' فقط ایک پائیدار پرخلوص نیت (عزم) لازم ہے۔ آگے چل کر نیت کے بارے میں کچھ تذکرہ پیش کیا جائے گا' خاصی اہمیت کا حامل ہے۔

عبادات میں رسموں کی آمیزش

رسموں کا بار بار تذکرہ بارِ خاطر ضرور ہوگا' مگر جس طرح وہ ناقابلِ برداشت تباہی مچائے چلی آرہی ہیں اگر ان سے نجات کی کوشش نہ کی گئی تو ہمیشہ تباہی کا سامنا رہے گا۔ مجبوراً تکرار کو بر سر کار لانے کی ضرورت پیش آئی۔ آزمائی ہوئی بات ہے کہ تکرار یادداشت میں معاونت کرتی ہے۔

عبادات رسموں میں کیوں جا پڑیں؟؟ یہ جابر حکمرانوں کے کارنامے تھے اور اب بھی ہیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ انسان کے عقائد جبری قوت کو مسمار کر دیتے ہیں' خواہ عقیدتمند اقتصادی و جسمانی طور پر ناتواں ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن میں اسکے تذکرے موجود ہیں کہ کمزور لوگوں نے بڑی طاقتوں پر فتح حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے ان ہی کو دنیا کا امام و وارث بھی گردانا ہے۔

وہ کون سی قوت ہوگی جس سے مستضعف حکومت کریں گے؟؟ معجزے!! اسلحے!! یا اور

بچھ!! یہ وہی عقیدہ ہے' بیدار عقیدہ۔ عقیدہ جو فکر و عزم و ارادے سے بھرپور ہو۔ جابر جس قدر زور کا وار کرے گا مقابل میں اسی قدر نافرمانی و بغاوت کی قوت عود کر آئے گی!! بے انصاف قوت کے خلاف بغاوت ایک فطری عمل ہے۔ مگر مردہ ضمیر کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔

آج کے جابر کو کس سے اندیشہ ہے!؟ اسی زندہ عقیدے کے مالک سے' جس میں بے تیغ ہی لڑتا ہے سپاہی اور اونچے طرے والوں کو مات دے دیتا ہے۔ عبادت میں رسمیں اسی لئے پروئی گئیں کہ اس کے جوہر کو تلف کر دیا جائے تاکہ اس میں سے قوتِ متحرکہ جاتی رہے اور لوگ مفلوج رہیں!!۔ ضمیر فروش' نادان ملا اس میں معاون بنے رہے۔ چونکہ اس اہم ترین عبادت کو یکسر راہ سے دور کرنے میں عوام معترض ہوتے' لہٰذا انہوں نے اسکی ہیت یا شکل برقرار رکھی مگر مہارت کے ساتھ اسکی روح جو انسان میں علامہ اقبال کی مقصود تڑپ پیدا کرتی جدا کر دی۔ یعنی کلمات جو نماز میں ادا ہوتے ہیں ان کے مطالب و مقاصد سے اسے بیگانہ کر دیا' شاطرانہ طریقے سے رسموں کا لبادہ اڑھا دیا اور زندگی بخش عقیدہ خواب کے حوالے ہو گیا۔

ہم پر اب یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ یہ مفاد پرستوں کا حربہ ہے' جس سے انہوں نے قیامِ نماز پر بھی وار کیا اور ہم جہالت کی بنا پر اپنی ساری عبادتوں میں کھوکھلی رسموں کو اپنائے چلے جا رہے ہیں۔ جب کہ یہ کھلی خود فریبی اور نماز کے ساتھ بے انصافی ہے۔ کیا ہمیں صالح اعمال کی ضرورت نہیں؟ جس کی طرف نماز راغب کرتی ہے۔ کس منھ سے اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے؟

اگر ہم عربی زبان خود سیکھ لیتے' ہمہ تن حضورِ قلب کے ساتھ نماز ادا کر کے اعمالِ صالح کے مالک بن جاتے۔ بچے ہماری نقل کرتے ہوئے اوائل عمر ہی سے قیامِ نماز اپنی عادت میں شامل کر لیتے' معاشرے کی اصلاح کے لئے قیام ان کی بھی عادت بن جاتا۔ نتیجے میں موجودہ صورتِ حال جس سے ہم دوچار ہیں اپنا وجود نہ رکھتی۔ علامہ اقبال یہ کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے' کسی نے بھی ان کی بات نہ سنی!!

از خوابِ گراں' خوابِ گراں' خوابِ گراں خیز' از خوابِ گراں خیز

ہمیں متوجہ رہنے کی ضرورت ہے!!

سبب و استدلال اصل مغز جہاں ہیں اور معقولیت اسکے ساخت کی آئینہ دار ہے۔۔ کیوں اور کیسے باترتیب ذہن کا پتہ بتاتے ہیں۔ غور وفکر کے ساتھ ایک اچھا سا سوال اسی قدر اچھا جواب پیش کر دیتا ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ اپنے آپ سے سوال کر لینے سے ہمارا مغز اسکے متوازی جواب سے ہمیں نواز دیتا ہے۔

ہمیں اپنے احساسات کو بصیرت سے محروم مذہبی جنون' کٹر پن' یا من گھڑت احادیث کے حوالے نہیں کر دینا چاہئے۔ قوت استدلال پروردگار عالم کا پر عظمت عطیہ ہے جو راہ کو روشن کر دیتا ہے۔ ہمیں معقولیت کا سہارا لیکر ترغیبات الٰہی کا متمنی رہنا چاہئے' وہ ہمیشہ پر خلوص نیت کے ساتھ قدم بڑھانے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔

رسومات سے جان چھڑانے کا واحد طریقہ:

اسلامی ہدایات کے مقاصد کو تلاش کر کے ان پر دوبارہ گامزن ہوا جائے۔

کلمات پر عمل

کلمات جو نماز میں ادا ہوتے ہیں' ان سے اعمال کو درست کرنے میں کس طرح استفادہ کیا جائے؟

جناب امیر علیہ السلام کے فرمودات میں تاکید ہے کہ تلاوت اس نیت و ارادے سے کی جائے کہ اسکے معنی سے دل کو تقویت پہنچا کر ان میں جو مقاصد مضمر ہیں ان پر عمل پیرا ہوا جائے گا۔

امام کے اس قول سے مندرجہ ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں' جس میں خود سے اقرار کیا جائے کہ:

☆۔۔کلمات کے معنی کو سمجھ کر ادا کیا جائے گا۔

☆۔۔کلمات میں جو مقاصد پنہاں ہیں انہیں تلاش کیا جائے گا۔

☆۔۔مقاصد سے متعلق اعمال کی ذہن میں اس طرح نقشہ کشی کی جائے کہ جیسے ہم مقصد کی دسترس کے لئے اپنے کو عمل کرتے ہوئے محسوس کر رہے ہیں یا دیکھ رہے ہیں۔

☆۔۔مقاصد کے حصول کے لئے خلوص کے ساتھ مصمم ارادہ کیا جائے گا۔

☆۔۔جذبات کو عروج پر رکھا جائے گا۔یعنی درد محسوس ہو کہ اگر ہم مقاصد کو حاصل نہ کر سکے تو دین سے دور ہو جائیں گے اور خوشنودیٔ خدا ہاتھ نہ آئے گی۔ نتیجے میں جہنم کا سامنا ہوگا اور یہ سوچ کر سرور و خوشی محسوس کی جائے کہ اگر مقاصد کو حاصل کر لیا تو دین و دنیا دونوں سنور جائیں گی اور آنے والی دنیا میں ہم کامیاب رہیں گے۔

خشوع وخضوع محرک عمل

دماغ' ہماری ذہنی قوتوں کا منبع اور دستور دہندہ ہے' انسانی اعضاء اسکے فرمانبردار ہیں۔ قدرت نے اسے ہماری خواہشوں سے مربوط جذبات کے تابع کر دیا ہے۔ جس قدر ابھرے جذبات سے کام لیا جائے گا تحرک میں اسی قدر قوت و سرعت پیدا ہوگی۔ ذہن دماغ کو حصول مقصد کی طرف راغب کر کے انسان کو اس جانب عمل پیرا کر دے گا۔ چونکہ خشوع وخضوع (عاجزی وفروتنی) جذبات میں شدت و اضطراب پیدا کرتے ہیں' انسان کے جذبات کو عروج پر لا کر عمل کی طرف راغب کر دیتے ہیں۔ نماز میں خشوع وخضوع کی تاکید کی گئی ہے' تاکہ اس کے ذریعے کلمات سے مربوط مقاصد کو عمل میں منتقل کیا جا سکے۔

جب بھی نماز میں ''اللہ اکبر'' زبان پر جاری ہو' ہر مرتبہ اس فانی دنیا سے گزرتے ہوئے قبر میں لٹائے جانے کا منظر' خوف عذاب قبر' ذہن کے پردوں پر لا کر دیکھا جائے۔ انشاء اللہ قلب کو

نماز میں حاضر رکھے گا اور کلماتِ نماز پر رجحان قائم رہے گا۔

کلماتِ نماز کی ادائیگی میں شدتِ جذبات سے کام لینا ضروری ہے۔ خوفِ خدا کہ اگر ہمارے اعمال اللہ کی ہدایات کے مطابق نہ ہوئے' ہم اپنی اور معاشرے کی اصلاح نہ کر سکے' ہماری اولاد راہِ راست پر نہ رہ سکی۔ یعنی اگر ہم سب ظلم رگناہوں میں مبتلا رہے' تو گناہ میں ڈوبے ہوئے ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنیں گے' ہم عقبیٰ میں بے دست و پا ہوں گے' ہماری مدد کرنے والا کوئی نہ ہوگا' جہنم کا سامنا ہوگا' ہمارے یہ جذبات ہمارے اندر عاجزی پیدا کر دیتے ہیں۔

اس طرح خشوع و خضوع کی بناء پر ہمارا اُن کلمات کی طرف دھیان قائم رہے گا جو ہم نماز میں منھ سے جاری کرتے ہیں اور ان الفاظ کے مقاصد پر عمل پیرا ہونے میں آسانی پیدا ہو جائے گی۔ ضرورت یہ ہے کہ ہمارا ذہن اللہ کی ہدایات کی طرف مبذول رہے' تاکہ ہم سے اعمالِ صالح صادر ہوں اور ہم اللہ کی خوشنودی کے حقدار بن سکیں۔

اس سے قبل حکمت و قیام و عبادت کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں' ان میں جو مقاصد مضمر ہیں' ان پر دھیان رہنا ضروری ہے' چونکہ وہ قیامِ نماز کو سمجھنے اور ان کے مقاصد پر عمل پیرا ہونے میں معاون ثابت ہوں گے۔

عنوانِ **مقصد** کے تحت' کوشش یہ کی گئی ہے کہ ان امور یا اعمال کو پیش کیا جائے جن کی انجام دہی کی اللہ تعالیٰ ہم سے توقع رکھتا ہے' تاکہ اگر ہم بھولے ہوئے اور ان سے گریزاں ہوں' تو ہمیں یاد آ جائیں۔ یہ ذہن میں قائم رکھ کر کہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت ذرّے ذرّے کا حساب کرے گا' اسلئے اس سے بچت کا امکان نہیں۔ اسکی ذات عادل ہے' وہ اس پر حرف نہیں آنے دے گا' اعمالِ صالح سے گریز ہمارے جسم میں لرزش پیدا کر دے گا' **خوفِ خدا** ہم پر طاری ہوگا۔ آئندہ ہم ان سے پرہیز کر کے اچھے اعمال کی طرف راغب رہیں گے۔ عذابِ خدا سے جو بہت سخت ہوگا اور ان سے بچت کی کوئی صورت نہ ہوگی' اپنے آپ کو بچا لیں گے۔

اس مقالے میں کلمات میں مضمر مقاصد کو اقراری جملوں میں بھی پیش کیا گیا ہے' جن کا پر سکون حالت میں پورے استغراق اور بلند جذبات کے ساتھ ادا کیا جانا ضروری ہے۔ استغراق سے مراد کلمات کے معنی و مقاصد پر اسقدر دھیان ہو کہ اطراف میں اگر کوئی حرکت یا بات چیت ہو رہی ہو' تو ہم اس سے بے خبر رہیں۔ جیسے ہمارے کانوں میں کوئی آواز پڑ ہی نہیں رہی' تا کہ ذہن یکسو رہے۔ حصولِ استغراق میں پہلے ذرا مشکل محسوس ہو گی مگر صبر و تحمل اور تواتر کے ساتھ اس کارِ احسن پر جمے رہنے سے یہ کام آسان ہو جائے گا اور جلد ہی عمل استغراق عادت میں شامل ہو جائے گا۔

جناب امیر علیہ السلام جب نماز کی حالت میں ہوتے تھے' تو ان پر انتہائی سکون کی کیفیت طاری رہتی تھی' کلمات میں ان کی عمیق معرفت' ان پر استغراقِ مطلق طاری کر دیتی تھی۔ اسکی انتہا یہ تھی کہ ان کے پیر میں چبھا ہوا تیر کھینچ کر نکال دیا گیا اور انہیں تکلیف کا احساس تک نہ ہوا۔

ہمیں کم از کم ان کلمات کے معنی میں اس قدر ضرور ڈوب جانا چاہئے کہ جیسے اکثر ہم کسی گہری فکر میں پڑ کر اپنے گرد و پیش سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور ہمارے قریب بیٹھے لوگ پوچھنے لگتے ہیں کہ: ''کس خیال میں غرق ہو گئے ہو؟'' انشا اللہ چند دنوں کی متواتر کوشش کامیابی سے ہمکنار کر دے گی۔

اگر ہمیں مومن بن کر زندگی بسر کرنا ہے اور اسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری دینا مقصود ہے' تو اعمال کو صالح بنانا ہو گا۔ اکثر لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ ہم فلاں کام ضرور انجام دیں گے' یا مثلاً ہم حجاب میں کسی صورت بھی نہیں رہیں گے چاہے اللہ ہمیں جہنم ہی میں کیوں نہ ڈال دے۔ ایسی باتیں جانتے بوجھتے اللہ کے سامنے ایک قوت بن کر نافرمانی کیلئے کھڑے ہو جانا ہے۔ اس قسم کی نیت اور جارحانہ اعمال کا ارتکاب نہ صرف یہ کہ مومنیت سے دور کر دیتا ہے بلکہ شرک کے خانے میں لا کھڑا کرتا ہے۔

نیت:

نیت پر انسان کے پورے اعمال وافعال کا دارو مدار ہوتا ہے۔ یہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کا ایک قصد ہے' اسکے لئے ارادہ ہے۔ نماز میں جو نیت کی جاتی ہے اللہ سے قربت یا اس کے سامنے ہمہ تن حضوری کے ارادے سے' اسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ نماز میں ہمہ تن حضوری سے مراد منھ سے جاری ہونے والے کلمات کے معنی و مقاصد پر پورا دھیان رہنا ہے۔ خصوصاً ان کے عملی پہلو پر۔ یعنی ہمارے اس ارادے میں فقط اللہ کی ہدایات شامل حال رہیں گی' کسی قسم کی لالچ کی وجہ سے عدالت سے ہٹ جانا یا دوسروں کو تکلیف پہنچانا وغیرہ ہمارے ذہن میں نہیں آئے گا۔ وہ ہمارا خالق اور پالنے والا ہے۔ جب ہم اللہ سے گڑگڑا کر کلمات نماز کے مفہوم میں پنہاں ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مانگتے ہیں' تو وہ (دعا کے نظم کے تحت) ہماری حاجت پوری کرتا ہے۔ اس طرح نماز اعمال کو صاف ستھرہ رکھنے کیلئے بہترین وسیلہ بن جاتی ہے۔

نماز شروع کرنے سے پہلے اپنا احتساب کیا جائے' کہ آیا پچھلی نماز سے اب تک کے دوران ہم سے کوئی غلطی تو سرزد نہیں ہوئی' کسی کو تکلیف تو نہیں پہنچی؟؟ جو اللہ اور رسول کی ناراضگی کا باعث بنے۔ جہنم کی آگ کی تمازت قابل برداشت نہ ہوگی' بڑی بے بسی کا عالم ہو گا۔ نہ پائے رفتن' نہ جائے ماندن۔ یہ باتیں تصور میں لا کر ذہنی طور پر محسوس کیا جائے' تاکہ آنکھیں بھر آئیں۔ خشوع وخضوع (عاجزی وفروتنی) کے ساتھ دعا مانگے: ''اے اللہ! یہ غلطیاں جو مجھ سے سرزد ہوگئی ہیں اگر تو نے معاف نہ کیا تو مجھے پناہ کی کوئی جگہ نہیں ملے گی۔ مالک! میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسی غلطیاں مجھ سے آئندہ سرزد نہ ہوں گی۔ میں لغزش کی بناء پر شیطان کے بہکاوے میں آگیا تھا' اب تیری اطاعت کے لئے تیری طرف واپس آگیا ہوں''۔ اس طرح دل اتنا نرم ہو جائے کہ آنسو اُبل اُبل پڑیں۔

دوران نماز نیت یہ رہے کہ اللہ کی قربت سے دھیان نہیں ہٹنے پائے گا۔ اسکے لئے لازم

ہے کہ کلمات جو ہم زبان سے ادا کریں' ان کے عملی معنی و مقاصد پر ذہن مبذول رہے' ورنہ نماز باطل ہوگی۔ اسکے لئے خلوص پیدا ہونا نہایت اہم ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ **خلوص یقین کا پھل ہے**۔ اگر یقین کرلیں کہ ہم سب خدا کے حضور میں ہیں' وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے' ہمارے مافی الضمیر سے بھی باخبر ہے' ہر قسم کی عزت و ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے' اس کی خوشنودی چند روزہ دنیا کی زندگی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ مالک کے سامنے ہمارا اس طرح گڑ گڑانا حضور قلب کے ساتھ ہمارے اندر خلوص پیدا کردے گا۔

نماز کی نیت کے ساتھ ہی یہ دل میں ٹھان لے کہ اللہ کی مدد سے ہم ذہن کو بہکنے نہیں دیں گے' اگر بہکا تو واپس کھینچ لائیں گے۔ خلوص پیدا کرنے کے لئے بے صبری اور جھنجھلاہٹ سے پرہیز نہایت ضروری ہے۔ صبر معجز نما ہے' اسے ہماری عادت میں شامل ہو جانا چاہئے۔ جب بھی بے صبری کی بناء پر غصہ پیدا ہو دو چار گہری سانسیں لے کر ذہن کو قدرت کی صناعیوں کی طرف مبذول کرلیا جائے' اسے ذہن کے پردے پر لے آیا جائے۔ خود کو یاد دلایا جائے کہ بے صبری یکسوئی کو درہم برہم کردے گی۔ دل میں بٹھالیں کہ یکسوئی ہم ضرور پیدا کرلیں گے۔ ایسی نیت یا ارادہ حصول مقصد کو حتمی بنادیتا ہے۔

نیت ایسی ہو کہ جس میں تہیہ کرلیا جائے کہ کلمات کے مقاصد و مفاہیم پر ہمارا ذہن ہر حالت میں مرکوز رہے گا۔ ذہن کے پردے پر مطالب کے عملی پہلوؤں کو لا کر دیکھا جائے کہ ان میں جو عملی پہلو مضمر ہے اس پر ہم عامل ہیں۔ اس طرح دل میں یہ بات محکم کرلی جائے کہ ہر حالت میں احکام الٰہی پر عامل رہیں گے اور ہم دوران نماز حضور قلب کی مراقبت یا نگہبانی کرتے رہیں گے۔

نیت کرنے کے ساتھ جب اللہ اکبر کا کلمہ منہ سے جاری کیا جائے' تو اک نظر اپنی خلقت اول تا آخر وجود پر ڈالی جائے: ہماری پیدائش' بچپن کی کمزوری و بے کسی' والدین کی بے لاگ محبت و شفقت بھری پرورش' جوانی کی لغزشیں' ان سے نفرت' بڑھاپے کی ناتوانی اور کسمپرسی۔ سرِ آخر خالی ہاتھ قبر میں اتار دیا جانا۔ یہ دل کو رقیق بنا دیتا ہے اور نماز میں

ہمارے لئے حضورِ قلب کا موجب بن جاتا ہے۔ لہٰذا رجحت وخشوع وخضوع مقدم ہے۔

یہ فطری بات ہے کہ متواتر کوشش کے ساتھ قابلیت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور انسان بڑی قوتوں کا مالک بن جاتا ہے۔ صبر کے ساتھ متعلقہ احکام کی اتباع اس ضمن میں کامیابی کو یقینی بنا دیتی ہے۔

نماز میں ادا ہونے والے کلمات

اللہ اکبر

مفہوم

یعنی اللہ کی بزرگی وقدرتِ کاملہ کے سامنے ہر شئے کمتر وحقیر ہے' سوائے اسکے کسی کی طاقت تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ ہماری زندگی اسی کے جود وسخا پر جاری ہے' یوں ایک ادنیٰ عبد (غلام)' کی حیثیت سے سر جھکا کے اس کی مستقل فرمانبرداری ہمارے لئے باعث فخر بن جاتی ہے۔ اسکے احکام مقدم ہیں' سب پر سبقت رکھتے ہیں۔

اللہ بڑا ہے کہہ دینا اسکی اصل بزرگی بیان کرنے سے قاصر ہے' اسلئے کہ اس واجب الوجود کی لفظوں میں شرح امکانات سے باہر ہے' انسانی تخیل کی اس تک رسائی ممکن نہیں' وہ کسی مخلوق سے مشابہ نہیں کہ اسکی نسبت سے شرح کرکے اسکی ذات کو سمجھا جاسکے۔

انسانی دماغ میں نہ سمانے والی لامحدود کائنات کے ذرّے ذرّے کو بغیر کسی تکلیف کے فقط کن فیکون سے پیدا کرنے' اسے حرکت میں قائم رکھنے' اسے ترقی دیتے رہنے' تن تنہا مستقل رزق عطا کرتے رہنے والی واحد ذات ہے۔ کسی کی شرکت کی گنجائش نہیں۔

اسکے مد مقابل کوئی نہیں' نہ اللہ کے نام کے ساتھ کسی دوسرے کا نام لیا جا سکتا ہے نہ ہی اسکے نام کی جگہ کسی کا نام لینا چاہئے۔ اسے قادر مطلق جاننا ضروری ہے تاکہ اسکے علاوہ کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہ ہو۔

ہر کام خوشنودیٔ خدا کے لئے کیا جائے کہ فقط وہ ہے جو قابل پرستش ہے۔ جنگ میں جب زیر شدہ دشمن حضرت علیؑ کے منھ پر تھوک دیتا ہے' تو آپ اس کا سر کاٹنے سے رک جاتے ہیں (امام غصہ سے مبرا ہوتے ہیں)۔ امام کا یہ عمل ہمیں بتانے کے لئے تھا کہ اس کے اس فعل سے پیدا ہونے والا غصہ راہ خدا میں کئے ہوئے عمل پر اثر انداز ہو جاتا' جو انا کو شامل حال کر کے روح عمل (خوشنودیٔ خدا) سے دور کر دیتا۔ ان کا یہ عمل ہمارے لئے ہدایت ہے کہ اگر کسی وجہ سے غصہ (جو ایک طاغوتی عمل ہے) آجائے تو اسے پی جایا جائے کہ اس حالت میں دماغ درست کام نہیں کرتا اور ایسے انسان کا شمار ظالموں میں ہو جاتا ہے۔

دنیا و مافیہا اللہ کی متوازن حکمت کا مظہر ہے۔ جو عالی مرتبہ صاحب عظمت و وقار اور قادر مطلق ہے۔ یہاں کے تمام امور پر اختیار رکھنے والا' پوری کائنات کا رازق ہے۔ روز افزوں علوم جس سے دنیا میں استفادہ ہو رہا ہے اس کی عطا ہیں۔

اس کا مد مقابل کوئی نہیں' وہ تمام بشریت کا محور و مرکز ہے' اس نے اپنی بابت جو کچھ قرآن و رسول و آل رسول کے ذریعے بتایا ہے فقط اسی کی روشنی میں تھوڑی بہت اسے سمجھنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔

اسکی خلق کی ہوئی عجیب و غریب کائنات کو غور سے دیکھا جائے تو ہر شئے ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہر چند دنوں بعد' دو ایک نئی گلیکسیاں نظر آجاتی ہیں' جو اس بات کی علامت ہے کہ آفاق کی وسعتوں کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ساری کائنات ایک لامتناہی وسیع و عریض لبادے میں لپٹی ہوئی اسکی وحدانیت کا دم بھر رہی ہے۔ ہماری فہم و ادراک سے باہر ہے۔

اسکی قوت کا اندزہ لگانا ممکن نہیں کہ اسکی ہر تخلیق میں جو قوت موجود ہے انسانی سمجھ اس کا

احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ انسانی سمجھ جتنی بڑھتی جاتی ہے اپنی کم مائیگی کا احساس پاتی ہے۔ پھر بھی جس قدر انسان اپنی کوشش کو بڑھاتا جاتا ہے اس کا ثمر ذات باری سے پاتا جاتا ہے۔ دنیا اسکی نیازمند اور وہ بے نیاز ہے۔

اس اتھاہ و بے حد وحساب کائنات کا ایک ایک ذرہ ایٹم مالیکیول وسلول وغیرہ اور اس سے آگے کیا کچھ ہے اسکے دیئے ہوئے نظم کی متابعت کر رہے ہیں کہیں سے بھی خفیف ترین کج روی نہیں۔ ان کے حرکت کی توانائی اسکے رحم وکرم کی مرہون منت ہے۔

ہر جگہ وہ اپنی خلق کی ہوئی اشیاء میں موجود ہے اسکی نگاہ سے کوئی چیز اوجھل نہیں۔ پوری کائنات کا نظم اسکی ہر جگہ موجودگی اور حکمت کاملہ پر بغیر کسی نقص اور ردو بدل کے جاری ہے۔ کوئی بھی چیز بغیر چلائے یا چلانے والے کے نہیں چلتی اس کا ہر جگہ موجود ہونا اس کا بین ثبوت ہے اور اسکی وحدانیت کا غماض ہے۔

اس نے انسان کو اسکے اعمال میں اچھائی و برائی کو پوری طرح سمجھا دینے اور القاء کرنے کے بعد کچھ تھوڑی سی چھوٹ دے دی ہے۔ اچھائی پر چل کر انسان اپنے خالق و رازق کی رضا حاصل کر لیتا ہے اور بے پایاں اجر کا مستحق بن جاتا ہے اور اس سے ہٹ کر اگر چلا تو مالک کے غضب کو مول لے لیتا ہے اور یوں صاحب نار بن کر جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔

اللہ کے احکام انسانی ترجیحات پر مقدم ہیں۔ اسکے فرامین سے ہٹ کر کوئی عمل انجام دینا شیطان کی گود میں جا بیٹھنا ہے اور دونوں جہان کا سکون ہاتھ سے کھو دینا ہے۔ عدل الٰہی سے جدا ہو کر ظلم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

قرآن کی ہدایات (اگر ہم نے اس کا مطالعہ کیا ہے) ہم کو انحراف سے بچنے کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ ان سے ہٹ کر عمل کرنے والا ایک وقت ضرور محسوس کرتا ہے کہ اس کا انحراف درست نہیں خواہ وہ اپنی نادانی ہی کی بناء پر گریزاں کیوں نہ رہا ہو۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے انسان کے ضمیر میں اچھائی و برائی کا امتیاز پہلے سے ثبت کر دیا ہے۔ یہ اللہ کی عدالت کا مظہر

ہے۔ مزید برآں انبیاء ومرسلین وائمہ نے کس طرح اللہ کی ہدایات پر عمل کر کے دکھایا۔ بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں مگران کے اعمال میں ہدایات سے ذرہ برابر بھی انحراف نہ آیا۔ ان کا ان ہدایات پر ثابت قدم ہونا انسان کے لئے بھی ان کے مفید ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔

اللہ نے دنیا کی ہر چیز انسان کے تابع کر دی ہے' یہاں تک کہ ہمارے جسم کے اعضاء بھی ہماری متابعت کرتے ہیں' ہماری خواہشات کے مطابق کام انجام دیتے ہیں' ان سے عدل پر مبنی کام لینا چاہئے۔ کوئی بات جب سمجھ سے باہر ہوتی ہے تو عقل بتاتی ہے کہ علم کی کمی ہے' جس کے لئے معلومات میں اضافے کی ضرورت ہے۔ یہ حکمتِ الٰہی فلاحِ انسانیت کے لئے ایک نعمت ہے۔

اس نے بتا دیا ہے کہ وہ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ یعنی انسان کے اعصاب ورگ وریشوں کے درست نظم وتحرک کی نگہداری دقیقاً اسکی ہر جگہ پر موجودگی کی بناء پر ہے۔

وہ موت وحیات کا پیدا کرنے والا ہے' یعنی مرنے کے بعد آنے والی ابدی دنیا میں اصل زندگی کا آغاز ہوگا جو اسکے اس دنیا میں انجام دیئے ہوئے اچھے برے اعمال پر مبنی ہوگا۔ اللہ کے احکام سے اگر سرکشی ہوئی ہے تو سزا بھگتنا پڑے گی' عدلِ الٰہی کا سامنا کرنا ہوگا۔

اللہ بے نیاز ہے' اسے کسی بھی چیز کی احتیاج نہیں' وہ ساری دنیا کی ضرورتوں کو نہایت مہربانی کے ساتھ پورا کرنے والا ہے۔ وہ اپنے عبد (بندوں) سے فرمانبرداری میں فقط یہ چاہتا ہے کہ ان کا ہر قدم اسکی مخلوق یعنی ان کے ہم نوع انسان کے لئے حسنِ اخلاق' محبت وہمدردی کے ساتھ اٹھے' انہیں ان کی ذات سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ اس سمت ان کی ساری کوششوں کا بدلہ وہ انہیں اس طرح دے گا جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا۔ اور یہ کہ ان کی یہ سعی اسکے (اللہ تعالیٰ) کے لئے ہو جائے گی۔ ان کا یہ احسان اس کے بندوں کے لئے نہیں بلکہ اسکے لئے ہو جائے گا۔

ہر شخص جو کسی سمت قدم اٹھائے' اس کا ایک ہدف ہونا چاہئے' اسلئے کہ اس سے وہ قوت حاصل کرتا ہے' جو اسکی طرف حرکت کرنے کی ہمت وتوانائی فراہم کرتا ہے' اس تک پہنچنے کی آرزو

ہم پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا ہدف ہے۔ یوم الدین پر ہمیں اسکے حضور حاضری دینا ہے' وہ ایک ایسا ہدف' ایسا نقطہ ہے جو پوری کائنات کی توانائیوں کا مرکز ہے۔ اس کا ذرہ ذرہ اسی سے قوت حاصل کر رہا ہے۔ ہمارا سفر اسکی طرف جاری ہے' ہمیں فقط وہ راستہ اختیار کرنا چاہئے جس کا رخ سیدھا اسکی (اللہ تعالیٰ کی) طرف ہو' تاکہ اس سفر کے لئے لامحدود توانائیوں سے بہرہ ور ہو سکیں' اس راستے پر اللہ کے عنایت کردہ ہادی (جب ہم ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہوں گے) جوانب یا اس سے ہٹ کر دائیں' بائیں راستوں سے جو متلاطم راستے ہیں' بھٹک کر جا پڑنے سے بچالیں گے اور مالک یوم الدین کے سامنے ہم پر بے بسی طاری نہ ہوگی' وہ انعام و اکرام سے ہمیں نواز دے گا۔

نوٹ:

عام طور پر ہم فقط رسمی طور پر جس کی ریس قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے' اللہ اکبر کا کلمہ منہ و زبان سے جاری کرتے ہیں' جب کہ ہمارا دھیان اس کے مطالب پر نہیں ہوتا (جیسا کہ ہم نے اوپر کے بیانات میں غور کر کے سمجھنے کی کوشش کی ہے) اس بے پروائی نے ہمیں اپنے پیدا کرنے والے اور دنیا کی اعلیٰ ترین اشیاء سے نوازنے والے سے دور کر دیا ہے۔ ہم اللہ اکبر کہتے ہیں مگر اللہ کی کبریائی پر ہمارا دھیان نہیں رہتا۔ ضرورت ہے کہ جب بھی ہم اللہ اکبر کہیں ہمارا دھیان اسکے مطالب پر رہے' ہم اپنے آپ کو اپنے پالنے والے سے متصل محسوس کریں اور اسی مقام پر اپنے آپ کو اس کے سامنے عبد (غلام) حقیر پاتے ہوئے نم آنکھوں کے ساتھ دل کے دریچوں کو پوری طرح کھول کر رسول اللہ کی مشہور دعا کے ذریعے اللہ سے طلب کریں:

''اے میرے مالک! میرے نفس کو آنکھ جھپکنے کے لئے بھی مجھ پر نہ چھوڑ۔''

یعنی فقط وہ اعمال جس سے تو راضی ہوتا ہے' اس پر مجھے محکم کردے اور وہ باتیں جس سے تو ناراض ہوتا ہے میرے قریب بھی آنے نہ دے۔ میرے مالک! اپنے اس بندے کو ہمہ وقت اپنی غلامی میں اپنے ساتھ رکھ کہ صرف تیری ہی بندگی میں لگا رہوں تاکہ بداعمالیوں سے محفوظ رہوں اور تیرے عذاب کا مستحق نہ بننے پاؤں۔ قبر میں جب اتار دیا جاؤں' تو وہاں بھی اپنی نعمتوں سے جدا نہ ہونے دیجیو کہ تو بڑا رحم کرنے والا کریم ہے۔

مضطرب دل میں جب یہ خواہش پیدا ہوگی' مستغرق دل سے جب ہم اسکی تکرار کرتے رہیں گے' اللہ کو خوش کرنے والے اعمال کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے اعمال کا جزو بناتے جائیں گے اور غیر مترقبہ اعمال سے ہمارے اندر نفرت پیدا ہوگی۔ انسانیت ہماری خوش اخلاقی اور خدمت گزاری سے بہرہ مند ہوگی۔ یہی وہ کردار ہے جو اللہ کو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم اپنے بیدار ذہن کے ساتھ اللہ کی رضا حاصل کرلیں گے۔

اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ہی خدا کے خوف سے ہمارے دل کو لرز جانا چاہئے۔ ہمیں اپنا احتساب بھی کر لینا چاہئے کہ کہیں ہم سے چوک تو نہیں ہو رہی ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ ہمارے اعمال ہمیں اللہ کی عبدیت سے دور کردیں؟

مقصد

جیسا کہ ہم نے اللہ اکبر کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی' اس کا نقشہ دل و دماغ اور آنکھوں کے سامنے مستقل طور پر قائم رہے اور ہم خود کو اللہ کا بندہ قرار دیتے ہوئے اسکے حضور سر تسلیم خم رکھیں۔ اسکی ہدایت' جو قرآن وسنت کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں ان کی باریکیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور تہیہ کرلیں کہ ان پر ہمیشہ عمل پیرا رہیں گے۔ ہوئی وہوس اور دوسری طاغوتی راہوں سے قطعی طور پر گریز کریں گے۔ اسے قادر مطلق جانیں گے تاکہ شرک سے بچے رہیں۔ اسی پر توکل کریں گے۔

جب ہم قبول کرلیں گے کہ اللہ کے سامنے اس کے بندے برابری کا درجہ رکھتے ہیں' تو

کمتری اور برتری کا امتیاز جاتا رہے گا۔ تمکنت وغرور وخود خواہی اور اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنے سے گریز کریں گے۔ باب حکمت میں پورے عالم اسلام کے ساتھ مل کر خدمت کا تذکرہ آ چکا ہے، ہم اسمیں شامل ہو جائیں۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ ہدایات پر عمل نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ: اے اللہ میں تیرا حکم نہیں مانتا۔ یعنی اللہ کے مدمقابل قوت بن کر کھڑے ہو جاتا ہے جو شرک سے قریب تر ہے۔

نماز میں اللہ اکبر کی تکرار اسی لئے ہے کہ انسان خود کو اللہ کے حضور حقیر وفقیر وبے چارہ ومسکین وطالب پناہ قرار دے اپنی اس کیفیت کو باور کر لے۔ لوگوں سے اپنے روابط وتعلقات کا جائزہ لے دوسروں سے اپنی بابت رائے معلوم کرے کہ کہیں تکبر نے تو گھر نہیں کر لیا ہے؟ ظلم کے مرتکب تو نہیں ہو رہے ہیں؟

تقویٰ کے ساتھ انسانی خدمت کے لئے علوم جدید کے اعلیٰ مقامات کا حصول ہر فرد واجب جانے تاکہ نئی نئی تحقیقات و ایجادات کر کے انسانیت کی خدمت کر سکے۔ اسلام میں جہالت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر مسلمان ہمہ وقت علم کے حصول میں لگا نہ رہا تو معرفت الٰہی اسے حاصل نہیں ہو سکتی ادھر ادھر بھٹکتا پھرے گا اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

محاسبہ:۔

کیا اللہ کی کبریائی کو ہم نے قبول کر لیا ہے؟ کیا ہم عدالت پر قائم ہیں؟ کیا دوسروں خصوصاً فقراء ومساکین سے جھک کر ملتے ہیں؟ ان کی اور ان کے خاندان کے افراد کی تعلیم وتربیت اور فقر سے نجات کا بندوبست کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے پیروں پر خود کھڑے ہو سکیں۔ کسی کے دست نگر نہ رہیں؟؟ کیا ہم منکسر المزاجی کے مالک ہیں؟

دعا

پالنے والے مجھے توفیقات عطا فرما کہ میں فقط تیرا بندہ بن کر زندگی بسر کروں۔ قرآن اور

تیرے فرستادہ رسول اور ان کی آلِ مطہر کی پیروی کروں' خود خواہی و تکبر سے دور رہ کر مستحقین کی خدمت کروں۔ انفرادی و اجتماعی طور پر انسانیت کو جہالت کے پردے سے باہر نکالنے اور اسکی فلاح کیلئے قیام کروں۔

اقرار

اے میرے علی و عظیم' غفور و رحیم مالک! تیرا مثل کوئی نہیں۔ خود پسندی و خود خواہی و اکڑ سے اب میرا دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ میں تیری بزرگی کا اقرار کرتا ہوں۔ تیرے بندوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ جھک کر ملتا ہوں' خواہ وہ عمر میں مجھ سے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں اور ہمیشہ اپنی خدمات پیش کرنیکی جستجو میں رہتا ہوں۔

میں سختی سے تیرے احکام پر عامل ہوں' طاغوتی اعمال کے قریب بھی نہیں جاتا (تخیل میں صالح اعمال بجالاتے اور اعمالِ بد سے نفرت کرتے ہوئے محسوس کریں)

نماز ادا کرتے وقت اعمالِ خیر پر نظر رکھتے ہوئے ہوش و حواس کے ساتھ الفاظ و متن کے معنی و مطالب پر (خشوع و خضوع کے ہمراہ) دھیان متمرکز رکھتا ہوں' قرآن کا مستقل طور پر بغور مطالعہ کرتا ہوں' اسکی ہدایات پر عمل پیرا ہوں۔ احادیث نبوی جو آلِ رسول سے ملی ہیں' ان کی روشنی میں اپنی اصلاح کرتا رہتا ہوں' تا کہ اسلامی تعلیمات سے گریزاں نہ رہوں۔ ہمہ وقت ذہن کو انسانیت کی بھلائی کی طرف مبذول رکھتا ہوں' تا کہ اللہ کی رضا شاملِ حال رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مفہوم:۔

اللہ کے نام سے جس کی رحمت (الرحمان) فراواں اس دارِ فانی میں تمام موجودات کیلئے

ہے اور جس کی دائمی رحمت (الرحیم) دار جاودانی میں فقط ان لوگوں کو میسر ہوگی جنھوں نے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ اختیار کی ہوگی۔

مقصد:۔

یہ آیت کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے پورے ہوش و حواس کے ساتھ پڑھی جانی چاہئے تا کہ خوف خدا طاری رہے اور کام شروع کرنے والا راہِ ایزدی سے بھٹک کر نقصاندہ راہ اختیار نہ کر بیٹھے۔

ہم مسلمان جانتے ہیں کہ اسلامی قوانین خالق نے اس فطرت کے مطابق بنائے ہیں جس پر اس نے پوری کائنات خلق کی ہے (۴۹:۵۴) اور جس کی ترسیل ہم تک اللہ کے رسولؐ کے ذریعے ہوئی ہے۔ یہ قوانین نہ بدلتے ہیں اور نہ پرانے ہو کر فرسودہ ہو جاتے ہیں (۶۲:۳۳)۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح طبیعی دنیا کے قوانین جنہیں قوانین فطرت کہا جاتا ہے۔ یہ نہ بدلتے ہیں اور نہ ہی اس کام سے ہٹتے ہیں جس پر انہیں لگا دیا گیا ہے۔ جیسے شہد کی مکھی کروڑوں سال سے جو طرز زندگی اس کے حوالے کیا گیا ہے اس پر قائم ہے اسکی طبیعت میں تبدیلی نہیں آئی۔

انسانی فطرت بھی انہی قوانین کے تحت ہے' سوائے اسکے کہ اس کی طبیعت میں قدرت نے ترقی کرنے کی صلاحیت کا اضافہ کر دیا ہے اور کچھ اختیارات بھی اسے دے دیئے ہیں' تا کہ ان سے کام لے کر وہ انسانی فلاح کے لئے کام کرتا رہے۔ ساتھ ہی قوانین سے ہٹ کر من مانی کرنے کی ممانعت کر دی تا کہ خلاف ورزی کر کے وہ مظالم کے دلدل میں پھنستا نہ چلا جائے' جو اسکے لئے مفید نہیں۔ اس طرح انسان کو بے راہ روی سے بچانے کے لئے یہ ایک انتباہی آیت بھی ہے۔ بچوں کو بھی ہر کام شروع کرنے سے پہلے اسکو سمجھ کر پڑھنے کا عادی بنایا جائے۔

مزید برآں پروردگار عالم نے اپنے فراواں رحم (الرحمان) مثلاً غذا' پانی' ہوا' زرخیز زمین' طاقت و تندرستی' علم و عقل و تدبر و تفکر' والدین کی شفقت' میاں / بیوی اور بچوں سے سکون' روشنی و توانائی' سورج و چاند و سیارگان' درست زندگی گزارنے کے لئے قرآن و مرسلین وائمہ کی مسلسل

ہدایات شامل حال کر دی ہیں تا کہ اس سفر حیات میں تکلیف نہ اٹھانا پڑے۔ اسکی یہ جود و سخا سب کے لئے یکساں ہے خواہ وہ مومن بن کر پیار و محبت سے زندگی گزارے یا ظالم و نافرمان بن کر کافر و مشرک کا درجہ حاصل کر لے۔ البتہ نافرمانی کے مضر اثرات چونکہ وہ نظام فطرت کے خلاف ہوں گے اس دار فانی میں بھی بھگتنا پڑیں گے۔

آنے والی دوامی دنیا میں اللہ کا رحم (الرحیم) دنیائے فانی میں کئے ہوئے فطرت سے ہم آہنگ ہادیان برحق کی ان ہدایات پر مبنی اعمال کی بنیاد پر ہوگا جن کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری ہے۔ جن لوگوں نے ہدایات کی پرواہ نہیں کی ہوگی ظاہر ہے اعمال بد میں مبتلا رہے ہوں گے بقدر سرکشی از اعمال خیر انہیں سزا بھگتنا پڑے گی۔ وہ نا قابل برداشت عذاب میں مبتلا کر دیئے جائیں گے۔

جناب امیر نے فرمایا تھا کہ اس آیت کا پہلا نقطہ (ب) وہ خود ہیں اس کی تفصیل ہم سب کو معلوم ہے (ب پورے قرآن کا خلاصہ ہے۔ ہمیں اگر قرآن پر عمل کرنا مقصود ہے تو اس کی ہدایات ان کی سیرت ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں)۔

یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ قرآن کی ہدایات کے ساتھ ولایت یا حاکمیت علیؑ شرط ہے۔ ان کا یہ منصب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ائمہ اطہار کی شخصیتوں کو ہمیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب ہمیشہ بطور نمونہ اپنے سامنے رکھنا چاہئے تا کہ ان کی پیروی کے ذریعے ہم اپنے آپ کو راہ حق پر قائم رکھ سکیں اور قبیح اعمال سے روگرداں رہیں۔

محاسبہ:۔

کیا ہم نے اپنی زندگی عین احکام الٰہی (اتباع قرآن و محمد و آل محمد) کے مطابق استوار رکھی ہے؟ شیطانی وسوسوں میں پھنس کر بے عدالتی، ظلم و جور کے مرتکب تو نہیں ہوئے ہیں؟ کیا ہمارے اعمال اس قابل ہیں کہ ہم اس دنیا میں اللہ کے رحم کے مستحق بنے رہیں اور عقبیٰ میں بھی وہ ہمیں قابل رحم پائے؟

دعا:۔

پالنے والے توفیق عطا فرما کہ میں اپنے اعمال درست رکھنے کے لئے قرآن اور تیرے بھیجے ہوئے ہادیوں کی بتائی ہوئی راہ اختیار کروں' تا کہ آخرت میں تیرے رحم کا مستحق بن سکوں' تو اپنے بندوں کی دعائیں قبول کرنے والا ہے۔ (رقتِ قلب اور پرنم آنکھوں کے ساتھ) اگر تیری توفیق میرے شامل حال نہ ہوئی' تو میرے اعمال فرسودگی کا شکار رہیں گے اور میں تیرے عذاب کا مستحق بن جاؤں گا' جو میرے لئے قابلِ برداشت نہ ہوگا۔

اقرار:۔

ہر کام شروع کرنے سے پہلے میں بہ ہوش وحواس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت (اس کے عملی مفاہیم پر نظر رکھتے ہوئے) کرتا ہوں' تا کہ میرے اعمال قوانینِ اسلام کی حدود کے اندر قائم رہیں۔ اسکے مفاہیم کو سمجھنے کیلئے قرآن وحدیث اور ہادیان برحق محمد وآل محمد کی حیات طیبہ کو مستقل طور پر مطالعے میں رکھتا ہوں۔ ان کی پیروی جو قیام نماز کا لازمہ ہے مجھے اپنے اخلاق کو درست رکھنے اور قیام یا عملی طور پر مستحقین کی بھلائی کے لئے کام کرنے میں مدد کرتی ہے' یہ میرے لئے دونوں جہانوں میں اللہ کے رحم کا مستحق بننے کا واحد ذریعہ ہے۔

اشھد ان لآ الہ الا اللہ

مفہوم:۔

میں تصدیق کرتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں' وہ یکتا ہے' ہر چیز اسکی خلق کی ہوئی ہے۔ وہی اس کا مالک ومختار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ (اللہ اکبر کے مفاہیم سے اسے متصل کرنا ضروری ہے)

مقصد:۔

یہ اللہ سے اس کے بندے کا ایک معاہدہ یا اقرار ہے' جس کی رو سے وہ اس کے ہدایت دہندگان انبیاء' قرآن' رسولِ خاتم اور ائمہ اطہار کے بتائے ہوئے سچے راستے پر چل کر اپنے اعمال کو استوار کرے گا۔ مقصد یہ ہے کہ اس سلسلے میں شیطان کے بہکاوے سے بچنے کے لئے اللہ سے پناہ مانگی جائے۔ یعنی ہر وہ بات جو قرآن و حدیثِ رسول سے موافقت نہیں رکھتی' اسے کسی صورت بھی اپنے اعمال میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ انسان ظلم و جور میں ملوث ہونے سے بچا رہے گا۔ چونکہ ظالم لوگوں کے مظالم سے سب سے زیادہ تکلیف انسانیت اٹھا رہی ہے' صادق ہدایات انسان کو انسانیت کی چارہ جوئی کی طرف راغب رکھتی ہیں اور اس سے اسے فروغ حاصل ہوتا ہے۔

''عہد کے بارے میں ضرور سوال ہوگا۔'' اسراء ۱۷: ۳۴

جب انسان صدقِ دل سے اللہ کا عبد (ادنیٰ غلام) بن کر زندگی بسر کرنے کا معاہدہ (قصد یا محکم ارادہ) کر لیتا ہے تو وہ راہیں جو قرآن و رسول سے ہٹ کر ہیں ان پر چلنے سے خود کو بچا کر رکھتا ہے۔ اسلئے جب اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے تو پوری طرح سمجھ کر اور ذہن کو اس کا مرکز بنا کر اسکے معنی و مفاد پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔ ان الفاظ کے معنی و مقاصد کو سمجھے بغیر بے دھیانی میں منہ سے جاری کر دینا نادانی اور وقت کا زیاں ہے۔ عبادت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی مفید ہے اور نہ اس سے کوئی ثواب حاصل ہوگا۔ ہمیں اس جہالت سے بچنے کی ضرورت ہے۔

مزید برآں انسان کو اللہ کا خلیفہ ہونے کے لحاظ سے اللہ کی طرف سے ایک ذمے داری ملی ہے' جس کا وہ امین ہے۔ اس امانت میں خیانت ہونے کی صورت میں اس سے باز پرس ضرور ہوگی' وہ اس سے بچے گا نہیں۔

محاسبہ:۔

کیا ہم اللہ سے کئے ہوئے اپنے معاہدے پر قائم ہیں؟ اسکی ہدایات سے روگردانی تو نہیں ہورہی ہے؟ اپنے ظلم سے آلودہ مفادات کے حصول میں کسی دوسرے کو اس کے بالمقابل تو لا کھڑا نہیں کرتے؟ کہیں خدمتِ خلق سے کنارہ کش تو نہیں ہیں؟؟ کیا ہمارا ہر قدم عدل وانصاف کے ساتھ بڑھتا ہے؟

دعا:۔

میرے معبود! اپنے اس حقیر عبد (غلام) کو قوت عطا فرما کہ تجھ سے میری غلامی کا جو معاہدہ ہوا ہے اس سے میں پوری طرح عہدہ برآ ہوسکوں' پوری طرح اس کی پیروی کروں' تیری ہدایات کے علاوہ کوئی عمل انجام نہ دوں۔ تو اپنے بندوں کی حاجتیں پوری کرنے والا مہربان ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اقرار:۔

اللہ کی مدد سے میں نے قرآن ورسول اور ائمۂ اطہار کی ہدایات کا راستہ اختیار کیا ہے۔ دنیا میں چاروں طرف سے انسان پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں' بھوک وننگ اور دربدری کا دور دورہ ہے۔ قیامِ نماز کی عالمگیر حکمتِ عملی کے ذریعے مسلمانوں میں علم وآگاہی وحکمت وتفکر وتدبر کے نفوذ کی سعی کرتا ہوں' تاکہ ان کی اصلاح ہوسکے اور وہ ترقی کی راہوں پر گامزن ہوجائیں۔ ان کو فاسد جاہلانہ رسوم ورواج میں گرفتار کردیا گیا ہے' انہیں دینداری میں حقیقت پسندی کی طرف مائل کرنے کی میری کوشش جاری ہے جو میرے اپنے اور عوام کے اصلاحی عمل کا حصہ ہوگی۔

اشھد ان محمداً رسول اللہ

مفہوم:۔

شہادت دیتا/دیتی ہوں کہ حضرت محمدؐ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول وہادی ہیں۔سب سے پہلے اللہ نے ان کے نور کو پیدا کیا اور اسی نور سے عبادِ بے پایانِ عالم کی تخلیق کی جو ان کے سامنے ہوئی تا کہ اس میں جو حکمتِ عملی اختیار کی گئی ہے ان کے علم میں رہے اور انسانیت کی ہدایت میں ان سے غلطی سرزد ہونے کا احتمال نہ رہے۔

۱۲۴۰۰۰ نبیوں کو دنیا میں تدریجاً بھیجنے کے بعد اللہ نے انہیں رسالت پر مبعوث کیا' قرآن عطا کیا۔ان ہی کے دورِ رسالت میں دین اسلام کو تکمیل دیا۔انہوں نے قرآن پر عمل کر کے دکھایا تا کہ ہمیں قوانینِ اسلام پر عمل پیرا ہونے میں دشواری نہ ہو اور ہم راہِ اسلام سے ہٹنے نہ پائیں۔اسی لئے اللہ نے ہم پر ان کی پیروی فرض کر دی۔اصول وفروعِ دین' جو قوانینِ اسلام کی بنیاد ہیں مقرر کر کے ہماری ہدایت کیلئے جہت عطا کر دی تا کہ احکامِ الٰہی کو ہم اچھی طرح سے سمجھ کر اپنے اعمال کی بنیاد بنائیں اور تقویٰ اختیار کریں۔

ہمارا روز کا مشاہدہ ہے کہ انسان جب تقویٰ اختیار نہیں کرتا تو سوجھ بوجھ کھو کر تیزی سے ظلم پر اتر آتا ہے۔مگر جب اصولہائے اسلام سے رشتہ رکھتے ہوئے علوم کو حاصل کر لیتا ہے تو گناہوں (مظالم) سے باز رہ کر ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جاتا ہے۔اسکے لئے قرآن اور سنتِ رسول پر تفاسیر کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔

اسلام میں دنیوی معاملات دین کی حدود سے باہر نہیں ہیں۔اسلئے دین کے ساتھ دنیا بانی' سائنس وتحقیق واختراع وغیرہ سے متعلق علوم کا حصول بھی دینی فرائض کا اہم جزو ہے' جو پسماندگی سے بچا کر غلامی سے دور رکھتا ہے۔

مقصد:۔

جب ہم یہ کلمہ زبان سے جاری کرتے ہیں' تو حقیقت میں جناب رسالت مآب سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی دی ہوئی ساری ہدایات پر پوری طرح عمل کریں گے' جس میں اتباع ائمۂ اطہار فوقیت رکھتی ہے۔ اسلامی ہدایات جو قرآن و سنت رسول پر مشتمل ہیں ایک مکمل پیکیج ہیں۔ اس میں جہالت کی بنا پر کسی کی مرضی کا کوئی عمل دخل نہیں کہ ان میں سے جو کچھ پسند آئے اختیار کر لے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ جہالت جو دنیا کی مصیبتوں کی جڑ ہے' اسے اسلام قبول نہیں کرتا۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ اسلام صلح و آشتی کا راستہ ہے۔ اس سے ہٹ کر جو بھی راستے ہیں راستی سے بیگانہ ہیں' پر خطر ہیں' انسان کو پریشانیوں میں مبتلا رکھنے والے ہیں۔ اور آخرت میں عذاب الٰہی کا مستحق بن جانے کا سبب ہیں۔ لازم ہے کہ خوف خدا ہمارے ذہن پر ہمہ وقت طاری رہے۔

محاسبہ:۔

کیا رسول اللہ کی ہدایات اور اصول و فروع دین پر مبنی قوانین اسلام ہمارے لئے مشعل راہ ہیں؟؟ کیا لوگوں سے ہمارا برتاؤ فخر و مباہات' تحقیر' غضب و غصے اور ظلم کے ساتھ تو نہیں؟ کیا ہم لوگوں کے سامنے جھک کر خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں؟ اور ہمارے اعمال میں ان کی فلاح و بہبود مقدم رہتی ہے؟

دعا:۔

پالنے والے توفیق عطا فرما کہ میں تیرے رسول کی ہدایات پر مکمل طور پر عمل کروں۔ علوم اسلامی (دین و دنیا) کے اعلیٰ مدارج سے ہمیں نواز دے تا کہ ان کی پیروی سے ہٹنے نہ پاؤں اور تیرا عبد حقیقی بن کر زندگی بسر کروں' تیرے اس غلام کو ہمہ وقت تیری قربت حاصل رہے۔ ساری

قدرت وطاقت تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔

اقرار:۔

بفضلہٖ میں اپنا ہر قدم اتباعِ رسول میں بڑھاتا ہوں۔ ہر کس و ناکس سے نہایت نرم روئی اور خلوص سے پیش آتا ہوں۔ ظلم و تعدی کے قریب بھی نہیں جاتا۔ خدمتِ انسانیت میرا وطیرہ ہے۔ اپنے اور اپنے معاشرے کے مسائل انہی کی ہدایات کی بنیاد پر دوسروں کے ساتھ مل کر حل کرتا ہوں۔ قرآن اور حدیث کی کتابوں کو پورے دھیان سے اور سمجھ کر ہمیشہ اپنے مطالعے میں رکھتا ہوں' تاکہ پیرویٔ رسول مجھے راہِ حق پر قائم رکھے اور میں زندگی کے امتحان میں پورا اتروں۔

اشھد ان علیاً ولی اللہ

مفہوم:۔

شہادت دیتا ہوں کہ حضرت علی علیہ السلام اللہ کی طرف سے منصبِ ولایت پر فائز ہیں' اُن کی اور دیگر گیارہ ائمۂ اطہار کے احکام کی پیروی اور ان کی حاکمیت قبول کرنا ساری انسانیت پر واجب ہے' اسلئے کہ سچائی کی راہ محمد و آلِ محمد کے علاوہ کوئی اور دکھانے والا نہیں ہے۔ اپنے اعمال میں ان کی ہدایات سے گریز' ہلاکت سے کم نہیں۔ اسلام میں جو کچھ بھی واجب قرار دیا گیا ہے انسان کے فائدے کیلئے ہے' اس سے سرکشی اسے پریشانیوں میں مبتلا کر دیتی ہے' نہ دنیا ہاتھ آتی ہے نہ ہی عقبیٰ۔

مقصد:۔

ولایت کے ضمن میں پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ولایت حاکمیت کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک منصب ہے۔ ہدایت حاصل کرنے کے لئے

ہادی کی ضرورت ہوتی ہے' اسکے لئے ایسے حاکم کا ہونا لازم ہے جس کا حکم اللہ کا حکم ہو' اسی لئے بعد از رسالت مآب اللہ کی طرف سے حضرت علی منصب حاکیت پر فائز ہوئے' جس کا اعلان رسول دعوتِ ذوالعشیرہ کے دن سے لے کر روزِ غدیرِ خم وتا دم آخر کرتے رہے۔ انسانیت کو گمراہی سے بچانے' سچی ہدایات کی اہمیت کے تحت سچے ہادیوں کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں اجاگر رکھنے کیلئے علی علیہ السلام اور جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے ان کی اولاد کو رسول نے اپنی اولاد قرار دیا اور اسی سلسلے سے ان کے بعد گیارہ مطہر ائمہ اللہ کی طرف سے ہادیٔ برحق بنا کر بھیجے جاتے رہے۔ امامِ حاضر ہم میں موجود ہیں مگر اللہ کے حکم سے غیبت میں ہیں۔ پھر بھی مومنین کی امداد کو آتے رہتے ہیں۔ رسول و ائمہؑ اطہار میں سے ہر امام کی ہدایات ایک جیسی ہیں۔ واحد الٰہی ہدایات ہیں' ان میں کہیں سے بھی کوئی فرق نہیں اور خوبی یہ ہے کہ عین مطابقِ قرآن ہیں۔

یہ ولایت فاسق و فاجر امراء' خلفا' بادشاہوں یا ڈکٹیٹر جیسے حکمرانوں کی نہیں جو محنت کشوں اور غریبوں کی کمائی اپنے مصرف میں لا کر ظلم کے بل بوتے پر حکومت کرتے ہیں۔

محمد و آلِ محمد منبعِ علوم ہیں' دین و دنیا کے سارے علوم وہیں سے جاری ہوئے' جن کے استفادے سے جدید علوم نے عروج کے زینے طے کئے۔ لازم ہے کہ ہم لوگ جو ان کی محبت و پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں' ترقی یافتہ علوم حاصل کر کے تحقیق و اختراع کے ذریعے کارہائے فلاحِ انسانیت میں سبقت لیجانے کی کوشش میں لگے رہیں۔ نہج البلاغہ' صحیفۂ سجادیہ اور اصول کافی وغیرہ ان ہی سے حاصل کیا ہوا اسلامی اثاثہ ہے۔ قرآن کے ساتھ ان کا مطالعہ اس سمت قدم بڑھانے میں نہایت درجہ مددگار ہے۔ علم و حکمت کے اعلیٰ مدارج طے نہ کرنے والا' معرفتِ قرآن و محمد و آلِ محمد حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کے ماننے والوں میں سے ہو سکتا ہے۔ جاہل متقی نہیں ہو سکتا اسلئے کہ تقویٰ کا دارومدار علم پر ہے۔

محاسبہ:۔

کہیں ہمارے اعمال ایسے تو نہیں کہ حضرت علی علیہ السلام اور دیگر ائمہ کی ولا...

(حاکمیت) سے کنارہ کش ہوں؟ کیا ہم عملی طور پر ان کی اتباع (فرمانبرداری) پر محکم ہیں؟ کیا ہم حصولِ علم وحکمت کے اعلیٰ مدارج کے ساتھ پوری طرح تقویٰ اختیار کئے ہوئے ہیں؟

دعا:۔

یا اللہ ہمارے دلوں میں محمد وآلِ محمد کی محبت موجزن رکھ۔ توفیق عطا فرما کہ ہم ہمیشہ ان کی عدل وانصاف پرمبنی خالص ہدایات پر جو ترقی کی راہوں پر گامزن رکھنے کیلئے ہیں عمل پیرا رہیں۔ ہم ان کی ہدایات کے مطابق ہمیشہ اپنے آپ کو خدمتِ انسانی میں مشغول رکھیں اور تیری رحمت کے مستحق بن جائیں' (لجاجت کے ساتھ) میرے گناہوں کو معاف کردے' تو بڑا رحم کرنے والا ہے۔ میرے مالک اس مقصد کے حصول میں میری مدد فرما۔

اقرار:۔

ثابت قدمی کے ساتھ میں اعلیٰ علوم کے حصول میں مشغول ہوں۔ میرا ہدف فلاحِ انسانی کے لئے تحقیقات واختراع ہے۔ اسکے ہمراہ قرآن وسیرتِ محمد وآلِ محمد پرمبنی دینی کتابوں کا مطالعہ بھی جاری رکھا ہے' تاکہ ان کی ہدایات سے ہمارے اعمال کو جلا ملتی رہے' حصولِ تقویٰ میں آسانی ہو'اور امامِ زمانہ کی طرف رجوع رہ کر کہ ان کی ہدایات سے استفادہ کرسکوں۔ عباداتِ الٰہی (قیامِ نماز) خصوصاً عوام میں فروغ علم وحکمت وآگاہی کی سعی جاری رکھنا ہے' تاکہ لاچار لوگوں کو ان کے اپنے قدموں پر کھڑا کیا جاسکے اور انسانیت کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرکے غلامی سے نجات دلائی جاسکے۔ انسانیت تاقیامت آزاد ہوا میں زندگی بسر کرتی رہے۔

سورۃ الفاتحہ

اس سورے کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قیامِ نماز کے واجبات میں

اولیت کے مقام کی حامل ہے۔ جب تک کم از کم دو رکعتوں میں اس کی تلاوت نہ کی جائے نماز قابل قبول نہیں ہوتی۔ اس امتیاز کی بناء پر ہم پر لازم ہے کہ بزرگ علماء کی لکھی گئی تفاسیر کا بغور مطالعہ کریں تا کہ اس کے عملی مقاصد ہم پر واضح ہو جائیں اور ہمارے اعمال کی تعمیر میں سود مند ثابت ہوں۔ آیت اللہ العظمیٰ خوئیؒ و آیت اللہ العظمیٰ خمینیؒ اور استاد شہید مطہریؒ کی تفاسیر قابل ذکر ہیں۔ ان کا مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ ایک سرسری جائزہ پیش خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ

مفہوم:۔

تمام تعریف مخصوص برائے اللہ ہے۔ یعنی تمام حمدیں اسی کے لئے ہیں۔ جب کہ اس کی ذات اُس سے مبرّا ہے۔ وہ اس سے بلکہ ہر چیز سے بے نیاز ہے (اللہ الصمد) ہماری سمجھ و بصارت اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ یہ کہنا کہ ساری تعریف فقط اللہ کے لئے ہے' اسلئے ہے کہ انسان اپنی تعریف کرانے سے باز رہے' جس کے خطرات ہم پہلے سمجھ چکے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان جیسے جیسے اور جس قدر اللہ کی خلق کردہ پر اسرار کائنات کے موجوداتی اور جوہری نظام کی معرفت حاصل کرتا جا رہا ہے' اس پر یہ بات بہتر صورت میں آشکار ہوتی جا رہی ہے کہ ایک پنہاں مگر لا محدود عباد کی مالک زمین و آسمان وغیرہ پر محیط ایک قوت ہے جس کا بیان امکان سے باہر ہے۔ وہی اسے حرکت میں رکھے ہوئے ہے اور اسکے سامنے وہ

(انسان) اپنے آپ کو ایک حقیقت ناچیز محسوس کرتا ہے۔ ہر تھوڑے وقفے کے بعد ایک نئی کہکشاں رپلینیٹری سسٹم کی دریافت اس کا بیّن ثبوت ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی اس کائنات کا کوئی سرا نہیں اور وہ اپنی حکمت سے اس لامحدود کائنات کو مستقل طور پر رزق رتوانائی پہنچا رہا ہے۔

انسان جس قدر اپنی فہم وادراک سے باہر حیرت انگیز قوتوں پر (جسے اللہ نے اسکے لئے مسخر کر دیا ہے) اللہ کے فضل سے قابو پاتا جاتا ہے' کائنات میں ہم آہنگی وتوازن' اسکی خوش رنگی ودلفریبی اسے گرویدہ بناتی جاتی ہے اور اسکے لئے دلچسپی کا باعث بن جاتی ہے۔ وہ اللہ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور برجستہ پکار اٹھتا ہے''الحمد للہ''۔ اور چونکہ بقائے حیات کے لئے ان قوتوں سے استفادہ کرتا ہے' اسلئے اسکی احسانمندی میں سر تسلیم خم کر کے اپنے مالک کا شکرگزار بن جاتا ہے۔ اسکا ضمیر جاگ کر تہہ دل سے صدا لگاتا ہے: '' پالنے والے میں تجھ ہی کو قابل پرستش پاتا ہوں'' اور زمیں ریز ہو کر سجدے میں سر دھر دیتا ہے۔

شہید استاد مطہری کہتے ہیں: یہ مقولہ کہ اگر کوئی خود کو پہچان لے تو خدا کو پہچان لیتا ہے، بہت درست ہے۔ انسان کی اپنی مکمل شناخت کا راستہ خدا کی معرفت پر ختم ہوتا ہے۔ انسان کی شناخت کا ایک راستہ وہی خاص انسانی جذبات کی معرفت ہے اور ان جذبات میں سے ایک جذبہ یہی شکر ہے جو ضمیر پیدا کرتا ہے۔ اس کا ماحول اور تربیت سے تعلق نہیں' نہ ہی مقامی رسم ورواج اس میں شامل ہیں اور نہ ہی کسی علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔ کسی معاشرے میں یہ نہیں دیکھا گیا کہ نیکی کا صلہ بدی سے دیا گیا ہو۔

شکرگزاری کے ضمن میں قرآن کا فرمان ہے کہ جو شخص اللہ کی مخلوق کا شکر ادا نہ کر سکے وہ خدا کا بھی شکرگزار نہیں ہو سکتا۔ مقصد یہ ہے کہ وہ وسائل اور مخلوقات جن کے ذریعے خدا انسان کو خیر وبرکت پہنچاتا ہے ان کی بھی شکرگزاری ہونی چاہئے۔ جیسے والدین اور وہ لوگ جن سے وہ استفادہ کرتا ہے۔ لیکن ان کی شکرگزاری سے پہلے ذہن میں یہ بات قائم رہنا چاہئے کہ چونکہ یہ سارے وسائل اللہ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں' اسلئے اسکی حمد ان سے پہلے ہونی چاہئے۔

مختصر یہ کہ ''حمد'' انسان کے اندر ایک پاکیزہ جذبہ ہے' جو اسکی روح سے اجاگر ہوتا ہے' تا کہ اپنے مالکِ حقیقی کی تعریف کرے (جس کی اُسے احتیاج نہیں) عطائے بے پایاں کے مدِنظر انکساری سے اس کی عظمت کے سامنے سر جھکا دے اور اسکی شکر گزاری کرے۔ اللہ کی شناخت و معرفت حاصل کر کے خود کو بھول کر اپنی عبادات کو عروج پر پہنچا دے۔ عبادت کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب عبد اپنے اعمال میں اسکی (اللہ کی) مرضی کا خیال رکھے اور اسکے مطابق عمل پیرا ہو۔ رضائے خدا کے حصول میں اصل مقصد خدمتِ انسانیت ہے جو بلند ترین مقام رکھتی ہے۔

مقصد:۔

الحمد للہ کا ایک بڑا مقصد تربیتِ انسانی ہے' خواہ وہ کتنا ہی بلند مرتبہ اور اوصاف کا مالک کیوں نہ بن جائے اسے غرور نہیں کرنا چاہئے' بلکہ ان اوصاف کو عنایاتِ الٰہی سمجھ کر اللہ کے بندوں کے ساتھ معاملات میں منکسر المزاج بنا رہنا چاہئے۔ غرور و تکبر' خصوصاً غصہ جو ظلم کو راہ دیتا ہے اور جس کی زد انسان پر پڑتی ہے' اسکے جال میں وہ خود بھی کسی نہ کسی وقت آ پھنستا ہے۔ کچھ نہیں تو ذہنی تناؤ اور پریشانیاں اسے اندر ہی اندر گھلاتی رہتی ہیں۔ اور وہ بیماریوں کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔ ظلم کی بناء پر خدا کی ناراضگی بھی اسکی قسمت بن جاتی ہے۔ جبکہ اللہ کی تعریف (یعنی اسکے اوصاف کے مطابق عمل) و شکر گزاری اور اسکی پرستش اسے خطرات سے بچا کر منزلِ مقصود پر پہنچا دیتی ہے۔ پرستش فقط الٰہی ہدایات پر کاربند ہونا اور اللہ کی طرف رجوع رہنا ہے' تا کہ اعمال میں خرابی پیدا نہ ہونے پائے۔ ان سب کا مطمحِ نظر انسان ہے۔

محاسبہ:۔

کیا ہم منکسر المزاجی کے ساتھ اللہ کے برگزیدہ ہدایت دہندگان کی تاسی کے ساتھ خدا کی عبادت کی راہ پر گامزن ہیں؟؟

دعا:۔

اے میرے مالک مجھے خودخواہی وخودستائی کی لعنت سے بچالے اور ہمہ وقت اپنی حمد وثناء کرتے رہنے کی توفیق عطا فرما تارہ' تاکہ تیری ہدایات رصراطِ مستقیم پر قائم رہوں۔ ہمیں صالح علم و آگاہی (قرآن وسنت) سے نواز دے تاکہ انسانیت پر جو مظالم ڈھائے جارہے ہیں ان کے خلاف قیام کروں۔ عملِ خیر کی استطاعت عطا فرما' برے اعمال سے بچنے کی قوت دے' تاکہ گناہوں میں ملوث ہوکر تیرے غضب کا مستحق نہ بن جاؤں۔ تو دعاؤں کو قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

اقرار:۔

میں فقط اللہ کو قابلِ تعریف سمجھتا ہوں۔ اس نے اس جہان کو اپنی حکمت کاملہ سے زندگی گزارنے کے لئے موزوں ترین مقام بنایا ہے۔ یہ اس کی فراخ دلی' رحم وکرم ہے کہ اس نے ہر ذی روح کو اپنی اس بے پایاں مملکت کی اشیاء سے بقدرِ ضرورت مصرف کی اجازت دی۔ اسکی اس جودوسخا پر غوروفکر نے مجھ میں منکسر المزاجی پیدا کردی ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے میں لوگوں سے فروتنی کیساتھ' خوش اخلاقی وخوش اسلوبی سے پیش آتا ہوں۔ ان میں جذبۂ خود آگاہی پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں، تاکہ ایک خودآگاہ معاشرہ وجود میں آکر ان کے دکھوں کا مداوہ بن جائے۔ اس کے علاوہ برائے تقربِ الٰہی علم وحکمت کے حصول میں مشغول رہ کر فلاحِ انسانی کے لئے تحقیق واختراع میں مشغول ہوں۔ اسکی ہدایات پر مکمل طور پر عامل ہوں (تقویٰ) کہ وہی قابلِ پرستش ہے۔

رب العالمین

مفہوم :۔

عالمین کا پرورش کرنے والا' پالنے والا' تربیت کرنے والا' ترقی کی راہوں پر گامزن رکھنے والا ہے۔ اللہ کی یہ صفات رہنمائی کرتی ہیں کہ ہمارے سروں پر ہمارا سرپرست موجود ہے جو ہماری ضروریات پوری کرتے ہوئے ہماری نگہداری بھی کر رہا ہے۔ یہ دنیائے فانی' اللہ کے منصوبے کے تحت مستقل ترقی کرتی ہوئی تکمیل کی طرف گامزن ہے۔ دستِ قدرت اسے ہر لمحے پہلے سے زیادہ نکھار عطا کئے جا رہا ہے۔ دنیا میں کوئی شئے ایسی نہیں جسے اللہ سے رزق نہ مل رہا ہو اور وہ ترقی کی طرف گامزن نہ ہو' مگر وہ اس کی ربوبیت کی محتاج ہے۔

انسان کے لئے ضروری ہے کہ دنیا جس رفتار سے ترقی کر رہی ہے' وہ اس سے پیچھے نہ رہ جائے۔ اگر اسکے ساتھ یا چند قدم آگے نہ رہا تو دنیا اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جائے گی اور وہ معدومیت کا شکار ہو جائے گا۔

اسکے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عقبیٰ کی طلبگاری کے ساتھ چلے ورنہ بے راہ ہو کر مظالم میں جا پڑے گا۔ اس مقصد کے حصول میں اسے قرآن اور محمد و آلِ محمد کی ہدایات پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔ ان کی ہدایات فطرت سے ہم آہنگ ہیں۔ اسکے علاوہ کوئی دوسری راہ چونکہ فطری تقاضوں سے ہٹ کر ہوگی' قدرت کو قبول نہ ہوگی' زوال پذیر رہے گی اور اسے قدرت کی امداد حاصل نہیں ہو سکے گی۔ نتیجے میں الٰہی عذاب کا مستحق بنا دے گی۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۸ تا ۲۰ میں ربوبیت کی اجمالاً مگر ایک واضح تشریح ملتی ہے۔

''جو شخص بھی دنیا کا طلبگار ہے ہم اسکے لئے جلد ہی جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں' پھر اسکے لئے جہنم ہے جس میں وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ داخل ہوگا (۱۸) اور

جو شخص آخرت کا چاہنے والا ہے اور اسکے لئے ویسی ہی سعی بھی کرتا ہے اور صاحب ایمان بھی ہے تو اس کی سعی یقیناً مقبول قرار دی جائے گی (۱۹) ہم آپ کے پروردگار کی عطاو بخشش سے ان کی اور ان سب کی مدد کرتے ہیں اور آپ کے پروردگار کی عطا کسی پر بند نہیں ہے (۲۰)۔''

مقصد:۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے پورے آفاق کو مائل بہ ترقی رکھا ہے' ہم سے بھی وہ توقع رکھتا ہے کہ ہم اس ترقی میں حصہ دار بنیں۔ اسکے لئے ہمیں اللہ کی ہدایات سے موافقت کرتے ہوئے اعلیٰ وارفع علوم اور دانش سے اپنے آپ کو مرصع رکھنا ہوگا' تجربہ گاہوں کے انتظام کے ساتھ اس میں نہایت تندہی سے مشغول رہنا ہوگا' تا کہ دوسروں سے چند قدم آگے بڑھ کر رہیں' ہمیشہ برتری قائم رہے۔ ورنہ دوسروں کا دست نگر رہ کر ان کی محکومیت میں جا پڑیں گے' جیسا کہ دورِ حاضر میں مسلمانوں کا حال ہے۔

اسکے علاوہ' جیسا کہ مندرجہ بالا آیت ہدایت کر رہی ہے' ہمیں اپنی خواہشات کو دنیا تک محدود نہیں کر لینا چاہئے بلکہ ان کا رخ رضائے الٰہی کی طرف رکھنا چاہئے۔ خواہ ہم اپنے آرام و آسائش کے حصول میں لگے رہیں مگر لازم ہے کہ ساتھ ہی ساتھ ناداروں کی فکر دامنگیر رہے۔ اللہ کی دین اور عطاؤں کی تلافی تو کسی صورت بھی نہیں ہوسکتی مگر ہماری عبدیت و شکر گزاری اور احسانمندی اسی طرح ہوسکتی ہے کہ لوگوں کے حقوق بلا تاخیر ادا کرتے رہیں۔ یہی خواستِ خدا ہے۔

آخرت میں غلام آقا کے حضور حاضری سے بچ نہیں سکتا۔ خیریت اسی میں ہے کہ ہمہ وقت عبدیت کے تقاضے پورا کرتے ہوئے زندگی گزار لے جائے۔ پاکیزہ ہدایات پر خلوص کے ساتھ عمل اسکا لازمہ ہے۔

دعا:۔

اے رب العالمین!! سب کی حاجات پورا کرنے والے' ترقی کی راہوں پر گامزن رکھئے

میں سارے عالم کی مدد کرنے والے اپنے کرم سے ہمیں حصولِ صالح علم و نیک عمل میں انسانیت کی خدمت کیلئے تحقیقات اور ایجادات میں ترقی کرتے رہنے میں مدد فرماتا رہ۔ جب تک میں مستحقین کے حقوق ادا نہ کردوں میرے نفس کو مطمئن نہ ہونے دے۔ تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یاارحم الراحمین ہمارے اعمال میں ہمیں خلوص کی توفیق عطا فرما۔

اقرار:۔

میں بندگیٔ الٰہی کے تحت فقط اپنے رب کی رہنمائی پر جو قرآن اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں بصد فروتنی و انکساری عامل ہوں۔ اسکے عطا کئے ہوئے رزق میں سے خندہ پیشانی و بے لوثی کے ساتھ لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں حدِ امکان عجلت سے کام لیتا ہوں۔ علم کے اعلیٰ و ارفع مقامات حاصل کرکے درماندہ انسانوں کی خود کفالت و پیشرفت کیلئے تحقیق و اختراع میں مشغول رجوع ہوں تاکہ مسلمانوں کے درمیان سے فقر و جہالت ہمیشہ کیلئے جاتی رہے۔ اپنے اس عمل کی احسانمندی پر رب العالمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم ہوں۔ انشاءاللہ اپنے اس موقف پر ہمیشہ قائم رہوں گا۔

الرحمٰن الرحیم کی بابت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ضمن میں تذکرہ آچکا ہے۔

مالکِ یوم الدین

مفہوم

روزِ جزا کا مالک: رب العزت نے انسان کو یہاں کی چیزوں پر کچھ اختیارات اس ہدایت کے ساتھ عطا فرمادیئے ہیں کہ وہ ان کا مصرف اسلامی ہدایات کے تحت فقط سودمند و فلاحی کاموں میں کرے۔ ان میں جو مضرات اسلام کی رو سے مفید نہیں ہیں ان سے اجتناب کرے اسلئے کہ

اچھے یا برے اعمال کی انجام دہی پر بطور ردعمل وہ یہاں بھی اثر پذیر ہوتا ہے۔ اچھے رصالح اعمال صحتمند اثرات ڈالتے ہیں اور برے اعمال اسے تکلیف میں مبتلاء کر دیتے ہیں۔

اسکے اعمال کا اصل حساب کتاب آخرت میں ہوگا' جہاں وہ بے اختیار ہوگا۔ ایک بے بسی کا عالم ہوگا' فرار کی کوئی گنجائش نہ ہوگی (اگر اعمال خراب ہوئے تو جہنم کی آگ میں جو برداشت سے باہر ہوگی تڑپنا ہوگا)۔ دنیا میں ان اعمال کی بناء پر جن پر اسے اختیار حاصل تھا اور مرضی کے مطابق عمل کی چھوٹ ملی ہوئی تھی' ان کی بنیاد پر آخرت میں اچھے اعمال پر جزائے خیر اور برے اعمال پر عذاب کا مستحق بنے گا۔ روزِ قیامت اس کا فیصلہ فقط اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اسی لئے اللہ نے خود کو مالک یوم الدین کہا ہے' ورنہ وہ مالکِ کل ہے' خواہ دنیائے فانی ہو یا بعد از قیامت دنیائے جاودانی۔

اللہ عادل ہے' اس نے موجودہ دنیا میں صالح زندگی بسر کرنے کے لئے ہدایات کا پہلے سے انتظام کر دیا ہے۔ یعنی قرآن وسنتِ رسول (جو آلِ رسول سے موصول ہوئی ہے) کی روشنی میں اعمال کی انجام دہی۔

معاد کا تصور (ایک غیر فانی زندگی) انسان کو با مقصد بنا دیتا ہے اور اعلیٰ مقاصد کے حصول کی ہمت بہم پہنچاتا ہے۔ اس سے الٰہی انسان کی نگاہ وہمت میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ نظریہ کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، اسے مومنیت پر قائم رکھتا ہے۔ اگر مومن بنا رہا تو اسے آخرت کا خوف نہیں رہتا' وہ یہاں سے کوچ کرنے کا متمنی رہتا ہے۔ ہمیں با ہوش رہنے کی ضرورت ہے تاکہ آخرت بخیر رہے۔

دنیا میں جو بے انصافی ومظالم وجرائم اور اخلاقی فسادات وغیرہ وقوع پذیر ہو رہے ہیں صرف یومِ حساب سے غفلت اور اللہ تعالیٰ کو اپنا ہدف نہ بنانے کی بناء پر ہیں۔

دعا:۔

اے اللہ! اے میرے رب! کرم فرما' مجھ میں ایسی عبدیت پیدا کردے کہ زندگی میں کوئی لمحہ ایسا باقی نہ رہے کہ میں تیری پرستش (احکام کا پابند رہنے) سے غفلت برتوں۔ میرا دل ولائے محمد وآل محمد سے سرشار رکھ کہ اعمالِ خیر کے لئے تو نے ان ہی سے تمسک کی ہدایت فرمائی ہے۔ ان کے اسوۂ حسنہ پر ہمیں قائم ودائم رکھ۔ ایک لمحے کے لئے بھی بہکنے نہ دے۔

اقرار:۔

اللہ کے فضل سے میں اپنی نظر ہمہ وقت معاد پر رکھتا ہوں' تا کہ اصل مقصدِ حیات جو حصول خوشنودئ خدا ہے ہاتھ سے جانے نہ دوں اور آخرت بخیر رہے۔ صرف وہ اعمال جن سے اللہ راضی ہوتا ہے انجام دیتا ہوں اور ایسے اعمال جو اس کی ناراضگی کا باعث بنیں ان سے دور رہتا ہوں۔ اس کے لئے مستقل طور پر بزرگ علماء کی تفاسیر قرآن اور دیگر کتاب ہائے ہدایتِ محمد وآل محمد مطالعے میں رکھتا ہوں' کہ یہی بہترین رفیق اور بہترین ہادی ہیں۔ یہاں کے مسائل کا حل انہی کی ہدایات میں تلاش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے تاحیات ان کی ہدایات پر عامل رہوں گا' تا کہ مظالم کی زد میں نہ جا پڑوں اور اعمال کو خطرے میں ڈال کر مستحق غضبِ الٰہی نہ بن جاؤں۔

ایاک نعبد

مفہوم:۔

یہ بذاتِ خود ایک اقرار ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت یا پرستش کرتے ہیں (وہ اللہ جو واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں) یہ اقرار ہمیں آگاہ رکھتا ہے کہ اپنا سر طاغوت کے سامنے جھکنے نہ دیں تا کہ خود پرستی' بالا دستی' شہوت پرستی' مفاد پرستی وغیرہ ہمارا شیوہ نہ رہے۔ پرستش سے مراد فقط

اللہ کا فرمانبردار بندہ بن کر زندگی بسر کرتا ہے۔ یعنی صرف اسی کی ہدایات پر عامل رہتا ہے، جس میں کسی قسم کی سرکشی روا نہیں۔ البتہ منکر خدا یا اللہ کی راہ سے گریزاں روش پر مجبور کرنے والوں سے بغاوت و سرکشی لازم ہے۔

شہید استاد مطہری نے کتاب دروس قرآن میں قرآنی آیات پر مبنی حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان مکالمے کے مدنظر ایک لمبی بحث کے بعد ایاک نعبدو کا ایک ایسا دلکش مفہوم اخذ کیا ہے جو ہم کو طاغوت کے سامنے سرنگوں ہونے سے بچاتا ہے۔ یہ بھی اسی قول و قرار کا جزو ہے۔

"اے خدا ہم تعبید، تذلیل اور جبری اطاعت قبول نہیں کریں گے اور اپنا حق آزادی سلب نہیں ہونے دیں گے۔"

مقصد:۔

انسان قادر مطلق کی طرف خلوص و فرمانبرداری کے ساتھ رجوع رہے۔ مفاد پرستی، طمع اور طاغوتی طرز کے مظالم کو خیر باد کہہ کر عادل فطرت کے ساتھ ملحق ہو جائے۔ فطرت کے ساتھ اسکی یہ ہم آہنگی اسے بے پایاں قوت کا مالک بنا کر سر بلند رکھے گی، ورنہ وہ ہمیشہ مفقود از عدالت طاغوت کی زد میں رہ کر ٹھوکریں کھاتا رہے گا اور غلامی کی رسی گلے میں پڑی رہے گی۔

دعا:۔

اے اپنے عاشق عبد ابراہیم کے لئے آتش نمرود کو گل و گلزار بنانے والے! اپنے لئے میری فرمانبرداری کو قطعیت عطا فرما کہ وہ فقط تیرے لئے ہو اور میری یہ وارفتگی تیرے لئے جنون کی حد تک ہو۔ تیرے فرستادہ ہادیوں کی اطاعت تیری طرف سے ہم پر فرض کر دی گئی ہے، اس سے ہمیں پھرنے نہ دے۔ والدین کی فرمانبرداری اور ان پر احسان کی سعادت عطا فرما۔ (دل سوزی کے ساتھ) غیر (یعنی طاغوت) کی اتباع سے اپنے اس غلام کو بچا کہ وہ ہمیں تجھ سے دور کر دے گی۔

اگر ہم تیری نافرمانی میں مبتلا ہو گئے' تو ہو سکتا ہے کہ شرک میں گرفتار ہو جائیں اور آخرت میں جہنم کی آگ ہمارا نصیب بن جائے۔ اپنی فرمانبرداری کے ذریعے ہمیں اس دنیا میں سربلندی و عزتِ نفس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی استطاعت عطا فرما۔ تجھے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔ میرے مالک مجھ پر رحم فرما۔

وایاک نستعین

مفہوم:۔

ہم صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ یعنی ہمارا تکیہ صرف اللہ پر ہونا چاہئے۔

چونکہ اس دنیا میں انسان اللہ کے علاوہ دوسروں کا بھی اکثر دست نگر ہوتا ہے' قرآن باہمی تعاون کی حمایت کرتا ہے مگر ذہن میں یہ بات قائم رہنا چاہئے کہ سرچشمۂ قوت اللہ ہے۔ اسے یکطرفہ نہیں چھوڑنا چاہئے۔ احسان کا بدلہ احسان ہے' جس پر نظر ضروری ہے۔

''نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔'' مائدہ ۵:۲

نیکی سے ہٹ کر کوئی عمل انجام دینا دائرۂ ہدایت الٰہی سے تجاوز کا مرتکب ہو کر مستحق سزا ہو جاتا ہے۔

مقصد:۔

انسان کو خود پر اعتماد رکھنا چاہئے' دوسروں پر زیادہ اعتماد اور ان سے مدد چاہنا انسان کو دوسروں پر بھروسے کا عادی بنا دیتا ہے۔ اسکی زیادتی نقصاندہ ہے کہ اسے اپنے اوپر اطمینان کم ہو

جاتا ہے اور وہ اپنے اوپر اعتماد کرتے ہوئے گھبرانے لگتا ہے اور نکما بن جاتا ہے۔ یہ کمزوری کی علامت ہے' جو انسانی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ مغرب پر بھروسے نے مسلمان کو تفکر و تدبر سے دور کر دیا ہے۔

دعا:۔

اے میرے رحیم و کریم اللہ! تو امداد انسانیت کے لئے ہمیں تسخیر کائنات میں مشغول دیکھنا چاہتا ہے' ہمیں اپنے اوپر بھروسہ رکھنے کی توفیق عطا فرما' اعلیٰ و ارفع علم و تقویٰ کی دولت سے مالا مال کر دے' تا کہ تیرے حکم کی تعمیل بجالاؤں۔ غاصب قوتوں نے سرمایۂ سعادت' بلند و برتر چاہت و افکار کو انسان سے چھین کر اسے ذلت و زوال اور پستی کے ایسے گہرے گڑھے میں دھکیل دیا ہے کہ وہ اپنے آپ سے بھی آگاہ نہیں رہا۔ اس کو ضعیف بنا کر پیروں تلے روند رہے ہیں۔ پانی سر سے اوپر ہو چکا ہے۔

منظم رہنے کا شرف ہمارے ہاتھوں سے جا تا رہا ہے۔ مالک میرے ہم نوعوں کو سرمایۂ عدالت' نظم' خود آگاہی و خوش اخلاقی اور خود پر بھروسے کی دولت سے نواز دے۔ ہمارے لہو میں گرمی و جوش پیدا کر دے' ہمارے دلوں میں اپنا عشق جاگزیں کر دے' کہ اسکے بغیر یہ کام ممکن نہیں۔ تیرا وعدہ ہے کہ تو مستضعفین کو دنیا کی حکومت عطا فرمائے گا۔ ہمیں اس راہ پر گامزن کر دے جو ہمیں اس کا مستحق بنا دے۔ یاارحم الراحمین!!۔

اقرار:۔

میرے اللہ!! قعرِ مذلت سے باہر آنا بغیر تیری معرفت کے ممکن نہیں۔ تیری شناخت کے لئے تیرے بھیجے ہوئے پاک و پاکیزہ ہادیوں کی شناخت کے ذریعے انسان شناسی' معاشرہ شناسی' اصولہائے اخلاق' معاشرتی اصول و اقتصاد' ایک کا دوسرے پر حق' خصوصاً اس سمت قدم بڑھانے میں خطروں اور خوف سے چھٹکارہ وگریز وقت کا تقاضا ہے۔ اس سلسلے میں لوگوں میں آگاہی و

عمل کی کاشت کے لئے' ہم خیالوں سے مِلکر منظم منصوبہ بندی کے ساتھ' جدو جہد جاری رکھی ہے اور اس پر محکم ہوں، تا کہ اس کا دائرۂ کار بلند و برتر اور دور رس ہوتا جائے۔

اہدنا الصراط المستقیم

مفہوم :۔

اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر گامزن کر دے۔ قادرِ مطلق سے سیدھے راستے کی یہ خواہش اس کے اہم ہونے کی نشاندہی کر رہی ہے۔ خصوصاً جب کہ اس جہان میں جو کچھ موجود ہے منظم یا مخصوص پروگرام کے تحت رواں دواں ہے۔

''اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف جانے کی کوشش میں ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔'' ۶:۸۴

اللہ نے انسان کو اچھی بری' پست تر و بالاتر راہ کے انتخاب کا اختیار دیا ہے۔ سیدھا راستہ مختلف راہوں کے درمیان اعلیٰ ترین اور کمال کی سمت ترقی کرنے کا راستہ ہے۔ اللہ سے ملنے یا آخرت بخیر کی تمنا ہے۔ اس بناء پر سیدھے راستے کا انتخاب انسان کے اپنے حق میں ہے۔ اسکی استعداد اللہ نے پہلے سے اس کے باطن میں رکھ دی ہے۔ یعنی وہ فطری استعداد ہے' جسے تلاش کر کے فقط اجاگر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے' یہ اس طرح ہے جیسا کہ ایک بیج میں درخت بن جانے کی استعداد ہوتی ہے۔

اگر ہر کوئی اپنے مقام پر خلوص کے ساتھ انسانیت ساز اخلاقی و شرعی فرائض انجام دیتا رہے

تو گویا اس نے راہِ راست اختیار کر رکھی ہے۔ ایسی ہی راہ کی تلاش مقصود ہے۔

باوجود اسکے کہ اس میں فطری لیاقت اور کوشش کی قوت موجود ہوتی ہے مگر اس راستے کی تلاش کے لئے ایک صادق ہدایت دہندہ کی ضرورت ہے' جو سچے راستے پر ڈال کر کمال تک پہنچا دے' مگر اس ہدایت دہندہ کی شناخت کیسے کی جائے؟ اس امر میں معاونت کے لئے آگے چل کر آیت بتاتی ہے کہ:

صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین

مفہوم:۔

جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے نعمتیں نازل کی ہیں' ان کا راستہ نہیں جن پر غضب نازل ہوا ہے یا جو بھٹکے ہوئے ہیں۔

انعمت علیھم' اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام میں پر خلوص صالح کردار کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ سیدھے راستے کا تعارف صاحبانِ صفاء کے کردار کے ساتھ کرایا گیا ہے' جن پر پروردگار کی خاص رحمت ہوتی ہے۔ یہی طاہر و مطہر صاحبان' الٰہی ہدایات کے حامل ہیں اور ان ہدایات کو لوگوں تک پہنچانے پر مامور ہیں۔ ان کی اتباع ہر فرد پر اسلئے واجب ہے کہ فقط انہی کی تابعداری سیدھے و سچے راستے پر قائم رکھ سکتی ہے۔

علمِ الٰہی ہدایات' دراصل نعمت کے مترادف ہے۔ اسی لئے حاملانِ نعمت کی راہ پر جاری اور قائم رہنے کی اللہ سے خواہش کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اسکے برعکس دوسرے دو طبقے کے لوگوں کی راہ سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے۔ وہ جنہوں نے اللہ سے سرکشی کی اور اللہ کے غضب کے مستحق بنے۔ دوسرے وہ جو سرگرداں ہیں' بھٹکے ہوئے

ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ قابلِ تقلید نہیں ہیں۔

مقصد:۔

آخرت تک پہنچنے کی مسافرت نہایت آسان و آرام دہ ہے۔ مگر طاغوت نے اسے پیچیدہ اور نشیب و فراز اور مشکلات کی مالک بنا دیا ہے۔ انسان کے راہِ راست سے بھٹک جانے کا بڑا احتمال ہے۔ وہاں تک بخیر و خوبی پہنچنے کے لئے مسافر کو راستے سے واقف رہنما کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں حدیثِ ثقلین ہماری رہنمائی کرتی ہے' اسکی رو سے قرآن و عترت (اہلِ بیتِ رسول) سے تمسک امر لازم بن جاتا ہے' انہی میں وہ صلاحیت ہے کہ ہم کو بھٹکنے سے بچا لیں۔ خداوند کریم نے ان دونوں کو ہماری رہنمائی پر منصوب کیا ہے جن کی رہنمائی میں غلطیوں کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ بصورتِ دیگر بندگی سے سرکش اور بہکے ہوئے رہزن راہ پر بیٹھے ملیں گے جو اللہ کے غضب کا مستحق بنا دیں گے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

''جس نے اللہ و رسول کی اطاعت کی' تو ایسے لوگ ان بندوں کے ساتھ ہوں گے جنہیں اللہ نے اپنی نعمتیں دی ہیں یعنی انبیاء و صدیقین و شہدا و صالحین' یہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔'' النساء۴: ۶۹

سبحان ربی العظیم و بحمدہ

میرا عظیم رب پوری کائنات کا پالنے والا ہے' اس نے دنیا و مافیہا کو ترقی کی طرف گامزن رکھا ہے' پاک ہے اور میں اسکی حمد یا اس کے احکام کی پابندی کرتا/کرتی ہوں' فرمانبردار ہوں۔ (پاکیزگی کے ساتھ یعنی برائیوں سے اپنے آپ کو بچا کر ترقی کی راہ پر گامزن ہوں)

اللہ کی پاکیزگی ہم مادی انسانوں کی سمجھ سے باہر ہے۔اس کی پاکیزگی صرف اس دلیل کو بنیاد بنا کر سمجھی جا سکتی ہے کہ اس جہان میں اس نے جو کچھ بھی خلق کیا ہے' بلا شک وشبہ خامیوں سے پاک' متوازن اور دقیق نظمِ عدالت پر مبنی ہے (فطرت کائنات)۔ کوئی بھی شئے یا نظریہ جو اس پاکیزہ نظام سے میل نہیں کھائے گا' وہ اسے اپنے اندر ضم نہیں کر پائے گا اور رد کر دے گا۔ انسان' فرد یا گروہ کی صورت میں ہو' اگر اس نظام کی پاکیزگی کو اپنا کر نہ چلا تو اس پاکیزہ نظامِ حیات کا جزو نہ بن سکے گا۔ اسکی (غیر فطری یا) ناپاک روش کچھ عرصے بعد پاکیزگی کے ریلے کے تلے روندی جائے گی اور وہ اپنے وجود کو کھو بیٹھے گا۔ وہ اللہ کی سبحانیت سے دور جا پڑے گا۔ ضرورت ہے کہ انسان' اسلام کی رہنمائی میں پاک صاف زندگی بسر کرے۔ یعنی تقویٰ اختیار کرے۔ یہی اسکے حق میں ہے۔

رب کے معنی میں' تربیت کرنے والا' تدریجاً کمال تک پہنچانے والا آتا ہے (راغب اصفہانی)

موجودات کی ہر شئے' زمین میں ہو یا آسمان میں مخصوص (لگے بندھے نظم یا سسٹم) قانون کے تحت وجود رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مطیع ہے اور دقیقاً اسے دیئے گئے اساسی اصول کے تحت تدریجاً مائل بہ ترقی و کمال ہے۔ اس سے بال برابر بھی گریز نہیں کرتی۔ یہ قانون' قانونِ الٰہی ہے جس میں رتی برابر بھی تبدیلی نہیں آ سکتی' وہ اس فطرت سے مطابقت رکھتی ہے جس پر اللہ نے اسے خلق کیا ہے۔ سائنس کے کلیات ناکارہ رہ جاتے اگر آفاق میں ایسا دقیق و متوازن نظم نہ ہوتا۔ اور تحقیقات و اختراع عمل میں نہ آ پاتیں' اسکی بناء پر جو چہل پہل و رنگینیاں دنیا میں نظر آتی ہیں وجود میں نہ آ پاتیں اور دنیا قابلِ زیست نہ ہوتی۔

خداوند کریم انسان سے بھی یہ چاہتا ہے کہ وہ مستقل طور پر مائل بہ ترقی رہے۔ اپنی خامیوں کو چن چن کر دور کرتا رہے۔ تدریجاً اعمالِ حسنہ کو اپناتا جائے۔ دینی و دنیوی علوم کی تحصیل کے ساتھ' تقویٰ کے بلند درجات کا حصول' مقصدِ حیات بنا لے۔

یہ ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ تقویٰ الٰہی ہدایات پر عمل پیرا رہ کر انسانی حقوق سے وابستہ رہنا ہے۔ مستحقین تک ان کے حقوق نہ پہنچے اور ان سے تعلقات جھک کر برابری و انصاف کے نہ رہے تو نہ اعمالِ حسنہ ہاتھ آئیں گے نہ ہی تقویٰ اور فرد اللہ کے عذاب کا مستحق بن جائے گا۔

''بیشک!! ہم نے ہر شئے کو ایک قدر (سسٹم) کے مطابق بنایا ہے۔''

قمر ۵۴:۴۹

''سنت الٰہی کے اندر ہرگز تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔'' احزاب ۳۳:۶۲

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود انسان کو پاکیزگی کے ساتھ ترقی کرتا دیکھنا چاہتا ہے اسلئے کہ اسے اس نے دنیا میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ یعنی وہ (مربوط بہ انسان) راست بازی و حق شناسی، ترحم و ہمدردی، محبت و رواداری سے مالا مال ہو اور دنیا میں جو ترقیاں جاری ہیں چند قدم آگے بڑھ کر ترقی کرتا رہے۔ مگر جو کچھ بھی ظلم کے دائرے میں آتا ہو اس سے کنارہ کش رہے۔ خلاصہ یہ کہ اس کا کوئی بھی قدم اللہ و رسول کی ہدایات سے باہر نہ پڑے۔۔ یوم الدین پر نظر رکھ کر بسر ہونے والی زندگی ہمیں صالح اعمال کا مالک بناتی ہے، یہی وہ بنیاد ہے جو ہم کو اللہ کے رحم کا مستحق بنا سکتی ہے۔

قوموں کا عروج و زوال بھی انہی پاک قوانین کے تحت ہے (قرآن ۴۷:۱۰) جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی متعین راہ ثقافت یا کلچر پر چلتی رہتی ہیں عروج حاصل رہتا ہے۔ جب ایسی ثقافت کی گرفت میں آ پڑتی ہیں جس میں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے سامنے ٹھہرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی یا سر اٹھا کر آگے بڑھنے کی قوت نہیں ہوتی زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔ جب تک مسلمان علم کا پرچم ہاتھ میں لیکر حق پر قائم رہے۔ ترقی کے لئے جد و جہد کرتے رہے، باطل بدوش

قوموں پر غالب رہے۔ حق سے سرکشی اختیار کی تو مغلوبیت ان کے سر پر سوار ہوگئی اور ان کی قسمت بن گئی۔

فرداً فرداً اور بصورت مسلم امہ ہمیں اپنا احتساب کرتے رہنا چاہئے کہ برق رفتار ترقی کے اس زمانے میں ہماری پیش رفت کیوں جمود کا شکار ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہئے؟؟ یہ آیت جواب فراہم کر رہی ہے!!

''پھر ان کی جگہ پر وہ لوگ آئے جنہوں نے نماز کو برباد کر دیا اور خواہشات کا اتباع کر لیا' عنقریب یہ اپنی گمراہی میں جا ملیں گے۔''

مریم ۵۹:۱۹

اللہ کی عظمت:۔

موجودہ ترقی یافتہ دنیا جس قدر آفاق میں گھس کر اس کا سراغ تلاش کرتی ہے اسکی بے کرانی کے سامنے سر جھکا دیتی ہے۔ خاک کا ایک ذرہ بھی جن بے پایاں قوتوں کو سمیٹے ہوئے ہے وہ انسانی فہم وادراک سے باہر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی بے حد وحساب صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ حق کے ہمراہ جدوجہد انسان کو عظمتوں کا مالک بنا دیتی ہے اور وہ با کرامت بن جاتا ہے۔

اس عظیم خلاقیت کے ساتھ اللہ کی ربوبیت' دنیا کی احتیاجات کی رسیدگی کیا اسکی عظمت کا دم نہیں بھرتی !؟ کیا شکر گزاری کے ساتھ ہمیں اسکا فرمانبردار بن کر نہیں رہنا چاہئے؟؟

رکوع میں جب ہم سبحان ربی العظیم وبحمدہ کا ورد کریں اس کی عظمتوں کا نقشہ ہماری نگاہوں کے سامنے آجانا چاہئے اور اس کی ربوبیت وعظمت کے اعتراف کے ساتھ سرخمیدہ اقرار کرنا چاہئے: کہ اے میرے رب! تو ہی قابل پرستش ہے' میں نے فقط تیری ہدایات کو مشعل راہ بنایا ہے

کہ برائیوں سے بچ کر ترقی کی راہوں پر اپنے کو گامزن رکھوں۔ تو نے اپنی پوری کائنات کو پاکیزگی وتوازن عطا کیا ہے' مجھ سے بھی توقع کرتا ہے کہ اپنے آپ کو اخلاقی طور پر پاکباز رکھوں اور ترقی کی راہوں پر گامزن رہوں' جو تیری ربانیت کا تقاضا ہے۔

پالنے والے! اپنے اس بندے کو توانائی عطا فرما کہ خدمتِ خلق کے لئے' اخلاقی برائیوں سے کنارہ کش رہے اور ترقی کی راہیں طے کرنے کیلئے تیز تر قدم آگے بڑھاتا جائے۔

سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ

اختصار کے ساتھ' مندرجہ بالا متن میں عظیم کی جگہ ''اعلیٰ'' عبدیت یا پرستشِ الٰہی میں کیفیت (کوالٹی) میں رفعت وتابندگی اور کمال وعلویت کا طالب ہے۔ یاد رہے کہ قیام برائے فلاحِ انسانی پرستشِ الٰہی کا اہم تقاضا ہے' جو پرستش کو اسکے اوج پر پہنچا دیتا ہے۔ اس کا تذکرہ مقالہ' قیام وحکمت کے تحت پیش کیا جا چکا ہے۔ نماز کو قیام سے جدا کر دینا ایسا ہی ہے جیسا بقول لے' نمک سے مزے کو جدا کر دینا یا چراغ سے روشنی سلب کر لینا۔

اختصار کے مدنظر' قارئین سے استدعا ہے کہ بقیہ کلمات جو ہم نماز میں تلاوت کرتے ہیں' ان میں جو مقاصد مضمر ہیں' ان پر نظر رکھ کر ہوش وحواس کے ساتھ' بحضورِ قلب زیرِ تلاوت لائیں' اور ان سے اعمال کو باسعادت بنانے میں استفادہ کریں۔ ہر کلمے کے ساتھ اقرار کے متن کو اپنے آپ کو زمانہ حال سے متصل رکھ کر ترتیب دیں اور اپنے قلب پر وارد کریں' اسلئے کہ اس طرح ادا کردہ اقرار ہمارے دل ودماغ میں ساکن ہو جاتے ہیں اور نماز میں ادا کئے ہوئے۔

کلمات امانت کی صورت میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔

آخر میں یاد دہانی کے طور پر ایک مرتبہ پھر عرض ہے کہ:۔

مندرجہ بالا کلمات جنہیں ہم نے سمجھنے کی کوشش کی ہے' ہم جس زاویے سے بھی نظر ڈالیں' ہر پہلو سے ان میں خداوند کریم سے دعا روشن نظر آتی ہے۔ جس کا روزانہ زندگی کے ہر رابطے میں فلاحِ انسانی مقصود ہونا چاہئے۔ یعنی انسان کا ہماری فکر کا مرکز ہونا مخصوص حکمت کا حامل ہے:۔

پرخلوص جذبات کے ساتھ دن میں پانچ مرتبہ نماز میں دعاؤں کی تکرار' ان کے مقاصد (اعمالِ صالح) کو ہمارے ذہنوں میں جذب کر دیتی ہے' جو امانت بن کر ہم جہاں بھی ہوں ہمارے ساتھ رہتے ہیں' ہماری توجہ ان کے مقاصد کی طرف مائل رکھتی ہیں۔ اس طرح یہ رفاقت ہمارے ہر عمل کو' جو مقاصد (احکامِ الٰہی) کے خلاف ہوں' ان کے ارتکاب سے روک لیتی ہے اور اعمالِ صالح میں ہمارے لئے ہم کاری و دلجوئی کرتی ہے۔

بچوں کو' جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے عربی کی تعلیم کا بندوبست کر کے با مقصد تلاوت کا' ان کی سمجھ کے مطابق عادی بنایا جانا نہایت ضروری ہے' تا کہ وہ اپنے ہر عمل میں مقصد کو مقدم جانیں، ان کی زندگی بے مقصد نہ رہے۔ مقاصد کی توانائی سے استفادہ کرتے ہوئے ان کی زندگی کامران گزرے اور وہ اپنے اس طریقے کو آئندہ نسلوں میں منتقل کرتے رہیں۔ اس صورت سے دکھی انسانیت کی درمانی ہوتی جائے گی' جو اصل مقصدِ حیات ہے۔ مقصود باتوں کو' بچوں کو نہایت سادہ زبان میں' محبت و شفقت کیساتھ سمجھانا چاہئے' جسمیں غصہ و سختی کا شائبہ بھی نہ ہو' ورنہ وہ ان پر اپنا اثر ڈالنے سے قاصر رہے گی۔

✿✿✿✿

باب۹

دعا

بسمہ سبحانہ

دعا

''اور اے پیغمبر! اگر میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں جب بھی پکارتا ہے۔ لہٰذا مجھ سے طلبِ قبولیت کریں اور مجھ پر ایمان و اعتماد رکھیں کہ اس طرح راہِ راست پر آجائیں۔'' بقرہ ۲:۱۸۶

گزشتہ باب میں کلماتِ نماز کو اپنے اوپر طاری رکھنے میں دعا سے مدد حاصل کی۔ ضرورت ہے کہ اس پر ایک نظرِ غائر ڈالی جائے۔ خصوصاً اسلئے بھی کہ قیام کی راہ میں ایسی رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں کہ دعا کی حکمت سے قوت حاصل کئے بغیر کامیابی آسان نہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں' اسکے گرد و پیش پر نظر دوڑالیں اور سمجھ لیں کہ یہ کیوں اہم ہے اور کس طرح انسان کو متحرک کر سکتی ہے' تا کہ اسی سلیقے کو اختیار کر کے اپنا قدم بڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح دنیا کی ہر شئے کو نظم عطا کیا ہے' اسی طرح استجابتِ دعا کو بھی نظم عطا کیا ہے (۴۹:۵۴)۔ اس پر ایمان و اعتماد اسکے دیئے ہوئے نظم و ضبط کا مالک ہے۔

کوئی بھی موضوع ہو وہ اپنے ساتھ بہت سارے اہداف رکھتا ہے' کچھ کھلے ہوتے ہیں اور کچھ مخفی۔ ان کو ایک جملے میں بیان کر دینا آسان نہیں۔ دعا کے نظم ونسق کو سمجھنے کیلئے متعدد زاویوں سے نظر ڈالنا ہوگا تا کہ استجابت میں ناکامی کو یہ کہہ کر اللہ کے کاندھوں پر نہ ڈال دیا جائے کہ اللہ کو منظور ہی نہیں تھا یا ہماری قسمت ہی میں یہ لکھا تھا۔ حالانکہ تساہلی اور اسکی بابت علم سے دوری کا اسمیں زیادہ دخل ہوتا ہے۔

منبعِ دعا خواہش ہے۔ جس میں اس قدر رموز اور قوت پنہاں ہیں جتنی کہ قدرتِ کاملہ نے اپنی ہر تخلیق کو عطا کی ہے' محدودیت گریزاں ہے۔ رہی اسکی دستیابی' سو وہ ''جویندہ یابندہ'' یعنی جستجو جس کا دائرۂ کار ''بقدرِ ہمت والائی اوست'' میں پوشیدہ ہے۔ درج ذیل آیات رہنمائی کرتی ہیں:۔

''بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک مقررہ انداز سے پیدا کیا ہے۔'' قمر۵۴:۴۹

''خدا نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔'' طلاق ۶۵:۳

''مجھ سے طلبِ قبولیت کریں۔'' بقرہ۲:۱۸۶

مثال کے طور پر۔ ایک شخص بیمار ہو گیا' وہ جس قدر جلد اور اچھا علاج کرائے گا' معالج کا پابند رہے گا' اسی تیزی سے شفایاب ہوگا۔ اگر ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھا رہے گا' تو مرض بڑھتا جائے گا' ناکارہ ہو جائے گا' یا راہیِ اجل ہوگا۔ دونوں صورتیں اسکی مرضی کے تابع ہیں' اسکے اختیار میں ہیں' مگر الگ الگ نتیجہ خیز ہیں۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جو واقعات وجود میں آتے ہیں' وہ وجوہات کی بناء پر وقوع پذیر ہوتے ہیں' آپ ہی آپ نمودار نہیں ہوتے۔ اس سے متعلق دو آیتیں ملاحظہ فرمائیے:۔

''اور تم سنت الٰہی میں ہرگز تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔'' الاحزاب ۳۳: ۶۳
''جب تک لوگ خود اپنی نفسی حالت میں تغیر نہ لائیں گے خدا ہرگز تغیر نہیں ڈالا کرتا۔'' رعد ۱۳: ۱۱

اس کا لب لباب یہ ہے کہ انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے یا اسے خود ہی بنانا چاہیے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ بسا اوقات انسان کسی کام کو انجام دینے کا ارادہ کرتا ہے لیکن خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر لے ناکام رہتا ہے۔ اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ خدا کا ارادہ اسکے ارادے کے مقابلے میں حائل ہو گیا۔ بلکہ ایسے موقعوں پر کچھ نامعلوم و مستور خارجی عوامل جو موجودہ کے انسان کی دانائی و توانائی سے باہر ہوتے ہیں مد مقابل آ کر راستے میں حائل ہو جاتے ہیں۔ جیسے حال ہی میں بحیرۂ ہند و بحرالکاہل میں سنامی کی تباہی رونما ہوئی۔ آئندہ جب سائنس داں اس سلسلے میں تحقیقات کریں گے اور اس سے وابستہ علوم کافی پیشرفت حاصل کر لیں گی تو وہ عوامل جو اس وقت مخفی تھے جلوہ افروز ہو کر انسانی دسترس میں آ جائیں گے اور مسائل کے حل میں کامیابی کا باعث بنیں گے۔ مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وقت کے لحاظ سے (انسانی کوشش کی نسبت سے) ترقی یافتہ علوم کی فراوانی پیدا کرتا رہتا ہے تا کہ انسانی مسائل ہاتھ کے ہاتھ حل ہوتے رہیں۔ ناکامیوں میں لاعلمی کی بناء پر انسانی کوتاہیوں کا زیادہ دخل ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بنیادی علوم خداوند کریم نے اپنے برگزیدہ بندوں کی ذریعے پہلے ہی سے دنیا میں پہنچا دیئے ہیں تا کہ اسکی روزمرہ احتیاجات پوری ہوتی رہیں انہیں قابل عمل بنانے میں ان علوم کی تشریحات یا ان کی نموداری اس دور میں انسانی تجسس اسکی گرم خواہشات اور کوشش کی بناء پر وجود میں آتے ہیں جنہیں وہ بنیادی علوم کے زیر نظر تحقیقات تجربات اور مطالعات کے ذریعے معرض وجود میں لاتا ہے۔ تحریک پیدا کرنے والی قوت ضروریات کو پورا کرنے (مقصد کے حصول یا استجابت دعا) کی تیز خواہش ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا فطری قوت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ربانیت کی لامحدود توانائی' ترقی کی طرف قدم بڑھانے والے کی ہمہ وقت منتظر رہتی ہے۔ (مجھ سے طلب قبولیت کریں۔۱۸۶:۲) اس عقیدے سے قلب کا سرشار رہنا اس سمت اسکے ہر گام کو مزید تیزی بخش دیتا ہے۔

عقیدے کی پختگی حصول مقاصد میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔اس میں کمزوری' خواہش کے حصول میں رخنہ انداز بن جاتی ہے۔ اگر ایک شخص کسی کام کے لئے طے کرلے یا سوچ لے کہ اس سے ہوہی نہیں سکتا' تو وہ اس خواہش کی تکمیل میں بلاشبہ ناکام رہے گا۔

ہماری کارکردگی کی وسعت یا حدود اتنی ہی ہوتی ہیں کہ جتنا ہم مقرر کرلیں۔ یہ ہم پر منحصر ہے' جتنا چاہیں گھٹا یا بڑھالیں۔خواہش سے مربوط ہمارے پاس کتنا علم و تجربہ ہے' وہ اسکے حصول کی حدود کو متعین کرتا ہے۔

مدینۃ العلم اور اس کے دروازے کے ماننے والوں کے علوم سے آراستہ نہ ہونے کو کیا کہا جائے؟۔ سوا اسکے کہ ان کا ماننا فقط زبانی کلامی ہے۔ استجابت دعا میں علم و عقل کا بڑا دخل ہے' جو لازم و ملزوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیقات محدودیت سے عاری ہیں' اسکے یہاں ہر چیز کی فراوانی ہے' جنہیں اس نے انسان کے لئے مسخر کردیا ہے' اسکے قبضہ قدرت میں دے دیا ہے۔قرآن ۔

> ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے' اللہ نے تمہارے لئے مسخر کردیا ہے' اسے تمہارا فرمانبردار کردیا ہے۔سوچنے والوں کیلئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔'' جاثیہ ۴۵ ۱۳

جب اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کی فراوانی ہے' اسکے خزانے میں کبھی کمی نہیں آتی' ہر چیز کو ہمارا فرمانبردار بنادیا ہے' اس سے جب ہم کچھ مانگیں گے تو اسے دینے میں کیا عار ہوگی۔ فقط یہ کہ

اس کی طرف سے مقرر کردہ نظم یا اندازے (۵۴:۴۹) کو نظر میں رکھ کر خواہش کے حصول (نفسی حالت میں تغیر ۱۳:۱۱) کیلئے خود انتھک کوشش کریں اللہ تعالیٰ نے تو پہلے ہی سے اپنی پوری مخلوق کو انسان کا مطیع بنا دیا ہے۔

دیگر قوموں نے اپنی مادی حالت میں تغیر لانے کی کوشش کی علم اور عقل کی بدولت خلاء کے دوش پر سوار ہو کر اربوں میل دور سیاروں کی سیر کر ڈالی اور ابھی بھی کرتے پھر رہے ہیں موتیاں چن کر لا رہے ہیں۔ جب کہ وہاں قرآن کو سمجھ کر مطالعہ نہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے سچوں کی باتیں نہ سننے والے نام نہاد مسلمانوں کی سوچ کی رسائی بھی ناممکن ہے۔ وہ تسخیر کائنات (۴۵: ۱۳) جو ان کی جھولی میں ڈال دی گئی تھی اُسے مغرب نے عملاً کر کے دکھا دیا ہے۔ پست ہمت و اسلام منکر مسلمان تخریب کاری ہی کو تسخیر کائنات سمجھتے رہے اور ابھی بھی اسی میں مگن ہیں۔ نہ اپنی مادی حالت درست کر سکے نہ دینی۔

استجابت دعا یا حصول خواہش کے لئے سودائی بننا پڑتا ہے۔ اوج جذبات کے ساتھ جب اسکے حصول کی دھن لگی ہوتی ہے تو ذہن راہ تلاش کر کے اسکی دستیابی پر اسے گامزن کر دیتا ہے۔ قرآن:۔

''بیشک وہ ایمان لانے والے راستگار ہوتے ہیں جو اپنی نمازوں میں گڑگڑاتے ہیں۔'' مومنون ۲۳: ۱۔۲

''بھلا کون ہے کہ جب مضطر پکارے تو وہ اسکی دعا قبول کرتا ہے۔'' نمل ۲۷: ۶۲

گڑگڑانا اور اضطراب عروج جذبات کے بلند مقامات ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے جسم کے اعضاء ہمارے اعصابی نظام سے متصل ہیں اور اعصابی نظام کا مرکز دماغ ہے جسے اللہ نے ہمارا تابع کر دیا ہے۔ یہ ہماری یادداشت میں موجود مخفی یا شعوری خواہشات کے مطابق

اعصاب کے ذریعے ہمارے جسمی اعضاء کو حرکت کے لئے احکام صادر کرتا ہے۔اور ہم حصول خواہش کے لئے متحرک ہوجاتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں اگر ہمیں اپنی خواہش پوری کرنا ہے تو اسے دماغ کے ذریعے اعصاب پر وارد کرنا ہوگا۔جذبات جس قدر عروج پر ہوں گے ہمارے علم وعقل کی محدودیت میں رہ کر ہمارا دماغ اسی قدر بالیدگی سے اسے قبول کر کے اعصاب پر اثر ڈالے گا جو ہم میں اپنی خواہش کی تکمیل کیلئے سرعت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہونے کی لگن اور توانائی پیدا کر دے گا۔مندرجہ بالا آیات استجابت دعا کے لئے ہمیں اسی طرز سے دعا مانگنے کی تاکید کرتی ہیں۔استجابت کی کمی بیشی کا انحصار علم وعقل کی وسعت پر ہے۔اسلئے کہ دماغ ان ہی سے قوت حاصل کرتا ہے۔دعا کرنے والے کے پاس کتنا علم ہے؟ دماغ کا دائرۂ کار اسی تک محدود ہے۔

اس کے علاوہ اللہ پر بھروسے کے ساتھ مندرجہ ذیل نکات کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ یہ قبولیت دعا میں معاونت کرتے ہیں:

☆ ۔۔شرع مقدس کی حدود میں رہ کر دعا مانگی جائے۔

☆ ۔۔دعا کی تفصیلات کو ذہن میں واضح طور پر مقرر کیا جائے۔اس سے متعلقہ امور پر بھی نظر رکھی جائے۔

☆ ۔۔استجابت دعا کے بعد اسکے بدلے میں کیا ادا کیا جائے گا پہلے سے تعین کیا جائے جو خاطر خواہ ہو۔

☆ ۔۔اس سے متعلق جو کوششیں کی جائیں اسکی گہری منصوبہ بندی ہو۔کتابوں اور تجربہ کار لوگوں سے استفادہ کیا جائے تدبیر اگر جہالت کے حوالے ہوگئی تو ناکامی کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

☆ ۔۔ وقت مقرر کیا جائے کہ اتنے عرصے میں خواہش سے متعلق امور کو تکمیل دے لیں

گے۔

☆۔۔منصوبے سے متعلق مراحل کو مفصل اور صاف الفاظ میں لکھ لیا جائے۔ لکھے ہوئے بیان کو سوتے وقت' صبح بیدار ہونے پر' نمازوں کے بعد دعا مانگتے وقت اور جب بھی موقع ملے مضطرب جذبات کے ساتھ تکرار کرتے رہا جائے۔

☆۔۔جب بھی لکھے ہوئے بیان کو پڑھا جائے' اسے ذہن کے پردے پر اس طرح لاکر دیکھا جائے جیسے مقصد حاصل ہو گیا ہو۔

☆۔۔اللہ تعالیٰ پر یقین رکھا جائے کہ وہ دعا ضرور قبول کرے گا۔قرآن:۔
''انسان کیلئے صرف اتنا ہی ہے' جتنی اس نے کوشش کی ہے۔'' نجم ۵۳:۳۹

دین الٰہی جدوجہد کا مذہب ہے' اس میں کاہلی و کسلمندی کی کوئی گنجائش نہیں۔ کوئی مدعا آسانی سے حاصل نہیں ہوتا' مگر یہ کہ ہر ناکامی اپنے ساتھ برابر کی منفعت ضرور لاتی ہے۔ فقط یہ کہ انسان ہراساں نہ ہو' صبر سے کام لے' علم واطلاعات حاصل کر کے ناکامی کا مقابلہ کرے' یہ سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز فراوانی سے موجود ہے' جو اسکو دیئے گئے نظم یا سسٹم کے تحت کام کرتی ہے۔ کیفیت' جستجو اور کوشش ان کے حصول کا معیار ہے۔ مختلف زاویوں سے مقصد کی جانب بڑھے۔ کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے متعدد تدابیر وترکیبیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسے کے ساتھ' اپنے اوپر اعتماد کرتے ہوئے قدم آگے بڑھائے۔

جب ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ محسوس کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں تو رضائے الٰہی مطمح نظر ہوتی ہے۔ اللہ کی راہ پر کاربند ہونے کی بناء پر، ہم اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے دور رکھتے ہیں۔ اس طرح یہ دعا مقاصد الٰہی کی تکمیل کا رخ اختیار کر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسے کی بات بن جاتی ہے۔

عادات کی تصحیح

دعا کا عقیدے سے بڑا تعلق ہے۔ مسلمان کا عقیدہ اللہ کی کتاب اور سنت رسول پر مبنی ہوتا ہے۔ اسکے دل میں جب یہ عقیدہ محکم ہو جاتا ہے' یا وہ باور کر لیتا ہے کہ ہدایاتِ الٰہی پر چل کر ہی اپنی عاقبت کو درست رکھ سکتا ہے' خوفِ خدا اسکے دل میں راسخ ہو جاتا ہے' وہ اپنے اس عقیدے کی مضبوطی کی بناء پر اپنے جذبات سے بڑے کام لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔

عادات کو صحیح پیمانے پر استوار کرنے کے سلسلے میں جب غور کیا جائے کہ ہماری فلاں عادت ہدایاتِ الٰہی سے ٹکرا رہی ہے اور ہم گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں' جو خرابیٔ عاقبت پر منتج ہوگی۔ اس عقیدے کی بناء پر جو خوف ہم پر مرتب ہوگا' جذبات کو اوج پر لے جائے گا' ہمارا ذہن ہمہ وقت ہمیں یاد دلاتا رہے گا کہ اس عادت سے جلد نجات حاصل کی جائے' اس کے بالمقابل دین سے مصدقہ وصائب عادت لازماً اپنائی جائے۔ بار بار اسکی خود سے تکرار کی جائے۔ مثلاً ''میں نے غصہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اب میں لوگوں سے خندہ پیشانی ،صلح آشتی سے پیش آتا رآتی ہوں۔'' ایسے اقراری جملے گناہ آلودہ عادت سے نجات کی سبیل بن جائیں گے۔

جنگِ خندق میں جناب امیر علیہ السلام زیر کئے ہوئے دشمن کے سینے سے اتر کر ہمیں یہ بتانا چاہتے تھے کہ غصے کی حالت میں' (جو عام طور پر انسانی عادت میں شامل ہوتا ہے) انسان کا دماغ معقول پیرائے میں فکر کرنے سے قاصر رہتا ہے' صحیح اسلوب پر کام نہیں کر پاتا' راہِ خدا سے دور ہو جاتا ہے۔ انا پر چوٹ لگتی ہے اور وہ عدالتِ اسلامی پر قائم نہیں رہ پاتا۔

گویا کہ دین کے احکام پر رہ کر انسان جب اپنے اعمال انجام دے گا' اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر اس کا مکمل عقیدہ ہوگا' تو عادات کتنی ہی خراب کیوں نہ ہوں' سب سے نجات حاصل کر لے گا۔

نماز میں قربتِ الٰہی (خدا کے روبرو ہونا) ہمارے اعصاب پر خوفِ خدا طاری رکھتا ہے۔ جذبات مضطرب ہوتے ہیں۔ ہم ان ابھرے جذبات کیساتھ دعا سے اپنے اپنے احباب اور

معاشرے کی بہبود واصلاح اور دیگر اقدام کیلئے اپنے آپ کو آمادہ کر سکتے ہیں۔

دعا تجلی عشق

علامہ اقبال کا فلسفۂ خودی ولولہ انگیز عشق کی بنیاد پر ہے۔ عشق الٰہی میں اسکی مخلوق کے لئے قیام، عشق کو ایسی بلندی پر پہنچا دیتا ہے کہ عام ذہن اس کا درک نہیں کر سکتا' یہ ان عرفا کا مقام ہے جن کی پرواز فرشتوں کی پرواز سے بھی بلندتر ہوتی ہے۔ وہ فقط خانقاہوں میں رقص رچانے والے نہیں ہوتے۔ ان کا شعر:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہ حصول خوشنودی معشوق میں آتش نمرود میں کود پڑنا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا اپنی پر شکوہ شہادت سے پژمردگی کی شکار زندگی کو قوت وحرکت بخشنا ہے' آتش جہنم سے اپنے محبوب کی مخلوق کو بچانے کیلئے قیام کرنا ہے' اسکی راہ میں سب کچھ لٹا دینا اور گلے کو دار پر رکھ کر خون کا تحفہ پیش کر دینا ہے۔

تو کیا ایسا نہیں ہے کہ محبت و عشق کی زبان ٹپکتے ہوئے آنسو ہیں؟ نذرانۂ عقیدت ہیں!! خدا تک دعاؤں کی رسائی کا سہارا ہیں!! مردہ دلوں میں جوالامکھی بن کر متکبرین کے تکبر کو ریزہ ریزہ کر دینے والے ہیں!

یہ ہم سب کیلئے بھی پیغام رکھتا ہے کہ دعا صرف ضرورتوں کے حصول کا ذریعہ ہی نہیں ہے' بلکہ عشق کی تجلی بھی ہے۔ چیزیں جو علم وفلسفہ ومنطق ودانش سے ہاتھ نہیں آتیں' وہ عشق کے ذریعے

محبوب کی منشاء میں ضم ہو جانے سے' اخلاص سے' اپنے غیر سے کٹ جانے سے' اسی کا ہو کر رہ جانے سے ہاتھ آ جاتی ہیں۔

عرفا کے خرقہ سے باہر آ کر جب بات تیشہ چلانے والوں کے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ شریعتی' کارل کی نسبت سے کہتے ہیں:

''خدا اس رمز اعلیٰ کو جس سے حیات وجود کے دو معجزے ظہور میں آئے ہیں اس پر ظاہر کرتا ہے جو سوائے۔۔چاہنے۔۔۔کے اور کچھ نہیں جانتا اور یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح وہ اپنے آپ کو اس سے پوشیدہ رکھتا ہے جو سوائے ۔۔جاننے۔۔۔کے اور کچھ نہیں جانتا۔''

(کارل ایک ماہر اعضاء شناس تھا' جس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا' مگر جب اس نے قدرت کی صناعیوں میں ڈبکی لگائی' تو عرفا کی طرح گریبان خرقہ چاک کر کے۔۔جمال یار دیدم ۔۔۔کے نعرے لگانے لگا۔ دعا کو تجلی عشق کہہ کر روشناس کرا دیا۔۔۔جو جستجو کو چشم بینا عطا کر دیتی ہے۔ غیب کے پردوں کو چاک کر دیتی ہے۔ اسکے چھپے خزانوں کو قدموں پر بکھیر دیتی ہے)

خدا جو اپنے آپ کو رموز ہائے سربستہ کی بناء پر پوشیدہ رکھے ہوئے ہے' دعا یا کیزہ عشق (جستجو) و شناخت اور ادراک کے بالمقابل خود کو نمایاں کر دیتا ہے۔ یہ ایمان لانے اور یقین پیدا کرنے کا ایک راستہ ہے۔

انسان کی بلندی و کمال کے درجے کو اسکی تمناؤں کی رفعت و کمال اور اسکے احساس کم مائیگی کے پیمانے پر تولا جا سکتا ہے۔ یعنی جتنا جو غنی ہے اتنا وہ محتاج ہے۔

پیغمبر خدا شناخت الٰہی کیلئے ایک آرزو کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

''پروردگار میری حیرت میں اضافہ کردے۔''

شناخت کی آرزو حیرت کو جنم دیتی ہے' جتنی معرفت بڑھتی جاتی ہے' کم علمی کے احساس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ تجسس بڑھتا ہے' جستجوئے علم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ان سب کا مرکز وہی ہے جس کے لئے قدرت نے پوری کائنات کو خلق کیا ہے' جس کے ساتھ وہ ہمدردی ومحبت چاہتی ہے۔ اس پر چوٹ لگے اسے برداشت نہیں۔ جب مدعا اسکی سلامتی ہوگی' تو حقوق تلف کرنے والوں کے خلاف قیام پر آمادگی کی صورت ابھرے گی' جو توشۂ آخرت بن جائے گی۔

اسلامی دعائیں

یہ دعائیں ابھی تک جن دعاؤں کا تذکرہ ہم کرتے چلے آئے ہیں' ان سے مختلف ہیں کہ یہ پاک ومطہر ائمہ کی طرف سے ہیں۔ ان کے متن میں پاکیزگی بخوبی نمایاں ہے اور اہم بات یہ ہے کہ اصلاح کر کے انسان کو پاکیزہ بنانے کی قوت رکھتی ہیں۔ بیشتر ان کا تعلق صحیفۂ سجادیہ' صحیفۂ علویہ' مفاتیح الجنان اور دیگر دعاؤں کی کتابوں سے ہے۔ یہ دعائیں دروس ایمانی' اسلامی فلسفہ اور اخلاقیات سے مربوط ہیں' جو اللہ تعالیٰ سے خطاب کی شکل میں انسانی احتیاجات کے مدنظر' نہایت عمیق' لطیف' پر اثر' جہاں شناسی' انسان شناسی' خدا شناسی' معاشرہ شناسی' ایک دوسرے کے حقوق' اخلاقی پستیوں اور خطروں وخوف وگریز کی جامع گفتگو پر مشتمل ہیں۔

یہ ہماری بدبختی ہے کہ ان دعاؤں پر کوئی ڈھنگ کی تحقیقاتی نظر نہیں ڈالی گئی۔ یہ دعائیں خواہ فرد ہو یا ایک ملت' خواہشات پر مبنی اسکی پریشانیوں اور مشکلات کا حل رکھتی ہیں۔ پہلے اسکے اخلاق کو معراج پر پہنچا کر اسکے ذہن میں آسودگی پیدا کردیتی ہیں اور اللہ کی معرفت عطا کر کے استجابت دعا کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ ان کو وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر خشوع وخضوع کیساتھ

مضطرباندہ پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس وقت ملت مسلمہ جس مصیبت میں گرفتار ہے بڑی مشکل یہ ہے کہ اس کو اپنی اس اسیری قید و بند کا احساس بھی نہیں۔ نہ آزادی و اسیری کے درمیان تمیز ہے۔ سارا مسئلہ علم سے بیگانگی کا ہے۔ ایک عرصہ دراز سے اسے اس نعمت سے دور رکھا گیا ہے جس نے اس میں بے حسی پیدا کردی۔ وہ فقط یہ جانتا ہے کہ اس کا فقر و فاقہ اور گلے میں پڑی رسی اسکے مقدر کی بات ہے جس کو اسے اور اسکی اولاد کو جھیلنا ہے۔ اس سے آگے اس کی سوجھ بوجھ کام نہیں کرتی۔ نہ کوئی اسکے احساس کو جگانے والا ہے نہ علم کے راستے پر ڈالنے والا ہے۔

وہ جو دستار فضیلت کے مالک ہیں ان کی بیچارگی یہ ہے کہ انہیں تحقیقات کر کے علم کا صور پھونکنے کی ٹریننگ نہیں ملی۔ ان مقدس حضرات سے بیداری پیدا کرنے کی امید بجا نہیں۔ پھر اس کام کے لئے گھنٹی کس کے گلے میں ڈالی جائے؟! اور کون ڈالے؟ چشم پوشی بھی اس کا حل نہیں!!

اگر ظلم و جور سے بھرا انسان دشمن نظام بالمقابل ہو اور دفاع کے لئے معمولی سا بھی امکان نہ ہو تو اس وقت بھی تنہا انسان کو سماجی ذمے داری سے معاف نہیں رکھا جا سکتا کہ وہ ہر ممکنہ صورت سے جد و جہد کی ذمے داری سے سبکدوش ہو جائے۔ مسئولیت اس کے کاندھوں پر ہے اور رہے گی۔

امام سجاد علیہ السلام نے دعاؤں کا ضخیم صحیفہ کیوں تخلیق کیا؟ اس کا کیا مقصد تھا؟ کیا ان میں لہو کو گرم کر کے لوگوں میں حرکت پیدا کرنے کی قوت ہے؟

روشن فکر حضرات کو آگے بڑھ کر یہ بیڑا اٹھانا ہوگا' قرآن و نہج البلاغہ کی روشنی میں ان جواہر پاروں میں سے قوت کے ان پنہاں خزانوں کو تلاش کرنا ہوگا' ان کے ہر ایک لفظ کی شرح کر کے لوگوں پر روشن کرنا ہوگا' تاکہ توانائی کے ان منابع کے ذریعے مسلمانوں کی موجودہ رسن بستہ حالت اور علم سے لاتعلقی و بے حسی سے جان چھڑائی جا سکے۔ تحقیق اسکی ضرورت ہے۔

چونکہ اللہ تعالی نے ان کو روشن فکری کی صلاحیت عطا کی ہے یہ مسؤلیت ان (روشن فکر

حضرات) کے کاندھوں پر سنگین بوجھ ہے۔ اسکی ان سے باز پرس ہوگی۔ اس سے وہ جان چھڑا نہیں سکتے۔ اس سمت قدم بڑھانے کے لئے انہیں چاہئے کہ متذکرہ بالا احتیاج کے مدنظر اپنی تحقیقات پر مبنی افکار کو دعا کی صورت میں زبان پر لائیں' ان میں جو مقاصد موجود ہیں' ان سے متعلق تمناؤں' دکھوں' آرزوؤں کو خدا کے حضور' مضطربانہ طور پر پیش کریں۔ ان سے منسلکہ سماجی اور فکری منازل کا احساس اجاگر کریں' انہیں ایمان وایقان کا درجہ دے کر اپنی ذات میں تلقین کریں۔ ان مقدمات کے ساتھ انشاءاللہ ان کی دعا مستجاب ہوگی۔ لوگوں میں بیداری اور آگاہی پیدا کرنے کی ان کی یہ کوشش' انہیں قیام کی قوت سے بہرہ مند کردے گی۔ قیام کے مقتضیات کو پورا کرکے ہی وہ اپنی اس مسولیت سے سبکدوش ہوسکیں گے۔ ان کا یہ عمل انہیں اللہ کے سامنے سرخ رو بنادے گا۔

امام سجاد علیہ السلام کی دعاؤں کے مجموعے صحیفہ سجادیہ کی تفسیر پر چند علماء نے قلم اٹھایا ہے' مگر حق ادا نہ ہوسکا۔ ان کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مدنظر ایک مستقل تحقیقاتی ادارے کی ضرورت ہے کہ ان دعاؤں میں جو نفسیاتی' اخلاقی' مادی وروحانی' معاشرتی (وسیاسی) افکار روشن ہیں' ان کی تہہ میں ڈوب کر انسانیت کی بحالی کیلئے منصوبہ بندی کی جائے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا یہ کام روشن فکر حضرات کا ہے جو جدیدیت سے ایک قدم آگے بڑھ کر فکر کریں۔

آیئے اللہ تعالی کے حضور اپنی خالی جھولیاں پھیلائیں' اپنے اقدام میں لغزشوں کا اقرار کریں' ہاتھوں کو بلند کریں کہ اس ضمن میں قیام یا خدمات پیش کرنے میں وہ ہمارے قدموں کو استقامت عطا فرمائے۔

یا اللہ!

☆ ۔۔ ہمیں قرآن کو غور وفکر کیساتھ سمجھ کر تلاوت کرنے اور اسکی ہدایات پر عمل کی توفیق عطا

فرما۔

☆۔۔ہمارے سینوں کو کشادہ کردے اور ہم میں وہ فکر القاء کردے کہ کس طرح فیضان قرآنی کے ذریعے درندگی سے باہر آ کر ہم وہ انسان بن جائیں جیسا کہ تو نے بنا کر بھیجا تھا۔

☆۔۔تو جانتا ہے کہ ہماری ثقافت' ثقافتِ اسلامی ہے' جس کی زبان عربی ہے۔ یہ زبان ہماری دینی و دنیوی احتیاجات کو پورا کرنے والی مستعمل زبان ہے۔ اسکو ہم سے چھین لینا ایسا ہے کہ جیسے ہمارے دہن سے زبان کو کھینچ لینا' ہماری روح کو جسم سے جدا کر دینا۔ استعمار و استکبار نے مل کر سازش کے تحت اس روح پرور زبان سے ہمارا رابطہ منقطع کر دیا ہے' ہماری اساس پر ڈاکہ ڈالا ہے اور اپنی زبانیں ہم پر تھوپ دی ہیں' کہ ثقافت اسلامی سے کٹ کر ہم بھی ان کی مفاد پرست اور ننگی تہذیب میں ضم ہو جائیں۔ اسکی وجہ سے ہم میں اسلام سے برگشتگی پیدا ہوگئی ہے۔ مالک میرے!! ہم میں آگاہی و بیداری پیدا کر کہ ہم اپنی اس آخرت سنوارنے والی زبان سے دوبارہ وابستہ ہو جائیں۔ ہمارا ہر فرد' جوان و بچہ عربی زبان میں گفتگو کرے۔ اسکے ذریعے اپنی کتاب اور کلمات نماز میں جو بھڑکتا ہوا لاوا ابال کھا رہا ہے (جسکا زبان نہ جاننے کی وجہ سے ہمیں ادراک نہیں) اس کے ذریعے ہم میں جولانی پیدا کردے تاکہ ان میں جو مقاصد پنہاں ہیں' ان کے سہارے ہم قیام کریں' اٹھ کھڑے ہوں' غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر قعر مذلت سے نجات حاصل کرلیں۔

☆۔۔مقاصدِ قیام نماز ہمارے دلوں میں راسخ نہیں ہو پا رہے ہیں' انہیں سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی قوت عطا فرمادے۔

☆۔۔ہمیں اپنی معرفت عطا کردے' جو ہمیں شرک کی کشش سے مبرا کردے۔

☆۔۔اپنی اپنے رسول اور آلِ رسول کی محبت سے ہمارے دلوں کو سرشار رکھ۔ اس وابستگی سے ہمیں اصلاح معاشرہ اور ان مظالم کے خلاف جو غریبوں پر کئے جا رہے ہیں' قیام کی

توفیق عطا فرما۔

☆۔۔غیر اسلامی ماحول کو ہمارے اور ہماری اولاد کے عقیدے پر اثر انداز ہونے سے بچا لے۔

☆۔۔مخالف عقائد کو برداشت کرنے کی طاقت عنایت فرما۔

☆۔۔ہمیں بیدار مغز اور ہوشیار بنا' تا کہ کسی فکر کے مثبت یا منفی ہونے کی صحیح اور مکمل شناخت سے پہلے ہم کوئی فیصلہ نہ کریں۔

☆۔۔تعصب کے گھپ اندھیرے میں گم ہو جانے سے ہمیں بچا لے۔

☆۔۔تعصب کی تبلیغ کرنے والے ذاکرین سے قوت گویائی چھین لے۔

☆۔۔منبر رسول پر بیٹھنے والوں کو توفیق عطا فرما کہ وہ قرآن ومحمد وآل محمد سے حاصل شدہ اخلاق کا تذکرہ کریں' جو اصلاحی ہو۔

☆۔۔ہمیں خود غرضی' ہوی وہوس سے دور کر دے۔ایسی توانائی عطا فرما کہ جو کچھ ہمارے مصرف سے بچے' اسے مستحقین تک پہنچانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ ہو۔

☆۔۔ہمیں پرہیز گار وتقوی آشنا بنا' تا کہ فرائض کی انجامدہی میں ہم تیری ہدایات پر ثابت قدم رہیں۔

☆۔۔ہمیں بددیانتی سے ملنے والی راحت وآرام اور خوش نصیبی کی پستی میں ڈوبنے سے بچا' بلکہ غم دوراں' تجسس اور حیرانیوں کو ہم میں پیوست کر دے۔

☆۔۔ہمیں اپنے فقر زدہ پسماندہ بندوں کا درد آشنا بنا اور ان کی خدمت کرنے میں ہمارے لئے راحت جیسی لذت پیدا کر دے۔

☆۔۔مصلحت پرستی کی لعنت سے ہمیں محفوظ رکھ۔

☆۔۔جہاد اکبر پر خلوص کے ساتھ ہمیں مستقر کر دے۔اپنا مخلص بندہ بنا لے۔

☆۔۔مسلمانوں کا تعلیمی محاذ ساکت پڑا ہے' جس کی وجہ سے غلامی ان پر مسلط ہے' ملت کو

آ گاہی عطا فرما کہ ان کا ہر بچہ اپنی چھپی ہوئی صلاحیتوں کے مدنظر اعلیٰ ترین تعلیم حاصل کر کے تحقیقات میں مشغول ہو اور فلاح انسانی کے لئے ایجادات کرے۔

☆ ۔۔ ہمارے دینی مدرسے جمود کا شکار ہیں۔ ان کے اکابر کو توفیق عطا فرما کہ دینی تعلیمات کو دانشگاہی تعلیمات میں جو بلا شبہ اسلامی تعلیمات کا جزو ہیں، ضم کر کے روز افزوں ترقی کے ہمراہ ہو جائیں، پس افتادہ نہ رہیں۔

☆ ۔۔ ہماری مسجدوں اور امام بارگاہوں میں، مفقود از مقاصد رسمیں ادا ہو رہی ہیں انہیں ہدف و مقصد عطا فرما، انہیں مشکلات میں پڑے ہوئے امور مسلمین کے حل کا مرکز بنا۔ تھنک ٹینکس کی نشست گاہ بنا۔ انہیں کلیسہ، سنیگاگ، مندر اور زرتشتیوں کے معابد جیسی رسومات سے نجات دلا دے۔

☆ ۔۔ مغرب کی اندھی تقلید نے ہمارے خاندانوں کو بکھیرنا شروع کر دیا ہے۔ ان سے حاصل کی ہوئی انا و خود پرستی کی لعنت نے زن و شوہر کے درمیان جو لحاظ، ہمدردی و محبت اور بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے کی خدمت کا جذبہ ہوا کرتا تھا، مفاد پرستی کی نذر ہو کر تعلقات میں کشیدگی پیدا کر دی ہے۔ ناسمجھی کی بنا پر، نیش آلودہ زبان سے سر پر ہتھوڑا چلانے والی بے سروپا تنقید و طعنہ زنی، جھوٹ فریب اور مکاری نے تعلقات میں پھوٹ و جدائی کا زہر گھول دیا ہے۔ آخرت کو خطرے میں ڈال دینے والی فراوانی کی دلدادگی اور اسراف، استطاعت کے جامہ سے باہر آ کر مطالبہ اور اس پر اصرار، بیشتر، تیری (اللہ) عنایت کردہ حلم و قناعت سے سرکشی ہے۔ اس نازیبا بات سے نجات کیلئے تیرے (اللہ) رسول نے اپنی دختر، خاتونِ جنت، جناب فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا کی وساطت سے ہماری عورتوں کو ان سے گریز کی ہدایت کی ہے۔ چونکہ ناچاقی اور بدزنی کے ماحول میں پلے ہوئے بچے مجرمانہ ذہن کے مالک بن جاتے ہیں، ان کے (زن و شوہر کے) دلوں میں اپنا خوف پیدا کر دے، ایک دوسرے کا لحاظ، خدمت، الفت و دلبستگی، ملنساری و مفاہمت، اسوۂ علیؑ و فاطمہ

پر عامل ہونے کی توفیق عطا فرما' تا کہ ان کی اولاد کو متوازن تربیت حاصل ہو اور جب وہ معاشرے میں داخل ہوں' تو لوگوں میں ہمدردی و اخوت اور باہمی خدمت کا جذبہ پیدا کر دیں اور ترس و ترحم پر مبنی' ایک فلاحی معاشرہ وجود میں آ جائے۔

☆۔۔متعدد فرقوں میں بٹی ہوئی امت مسلمہ نقاہت کی شکار ہے' ایک دوسرے کی جان لینے کے درپے ہے۔اسلام نہ آشنا' مفاد پرست جاہل ملا کو ہماری صفوں سے خارج کر دے' کہ اس نے فقر زدہ سادہ لوح مسلمانوں کو فرقوں میں بانٹ کر ایک دوسرے سے بدست و گریباں کر دیا ہے۔اس سے نجات دلا کر ملت مسلمہ کو دوبارہ متحد ہونے کی توفیق عطا کر دے۔

☆۔۔اے میرے رب! علماء کو ذمے داری' روشن فکر لوگوں کو مسلمانوں کی پسماندگی' جہالت' فقر و فاقہ کے خلاف قیام کی توفیق' عوام کو علم اور صالح عمل' اساتذہ کو مبنی بہ بلند مقاصد ہدایت' طلبہ کو ذہنی رجحان کے مطابق اعلیٰ ترین علم اور تقوی کا حصول' اہل قلم کو فرض شناسی' مستضعفین کو قوت و چشم بینا' امت مسلمہ کو عزم مصمم و اتحاد اور قرآن و سنت پر عمل' معاشرے میں زوال پذیری اور ناعاقبت اندیشی کے خلاف قیام و جانثاری' خود غرض و خود خواہ لوگوں کو انصاف و آگاہی' غصہ ور اور بدزبانوں کو صبر و تحمل و صلح آشتی' عورتوں کو خوش کلامی و اپنے اعزہ و اقربہ کو سمیٹ کر رکھنے و ملنساری' مردوں کو تدبر و عزم و ارادے میں بالیدگی' بچوں میں پاس ادب و بلند ہمتی' شعراء کو ستائش کی تمنا میں ان کی قصیدہ خوانی جنہوں نے اس سے اجتناب کی تلقین کی تھی اس سے احتراز اور عوام میں بیداری پیدا کرنے کا شعور عطا فرما۔

☆۔۔اے میرے رب! ہم دیکھ رہے ہیں کہ تیری ہدایتیں جو تیرے محبوب رسول نے اذیتیں اٹھا کر لوگوں تک پہنچائی تھیں اور ان پر انہیں عامل کیا تھا' تحریفات کی شکار ہیں' ان میں جو مقاصد واقع تھے' انہیں اس طرح جدا کر دیا گیا ہے جیسے کبھی ان کا وجود ہی نہیں تھا۔

اس کی بناء پر پوری امت مسلمہ خواب غفلت میں پڑ گئی ہے ان پر بے حسی طاری ہے بے مصرف رسومات میں مبتلاء ہے۔ ان کی رگوں میں تازہ خون رواں کردے دوررس نگاہیں عطا کردے تا کہ اصل ہدایات کو تلاش کر کے ان پر عامل ہو جائیں اور مسلمانوں کی بہبود کے لئے تحریفات کے حامیوں کے خلاف قیام کریں۔

☆۔۔ ہمیں سلیقہ عطا فرما کہ ہم اپنے نونہالوں کو محمد و آل محمد کی ہدایات پر مبنی قیام ہائے اسلامی پر جو معاشرے کے ہر طبقے کی ناداروں سے لے کر صاحبان حیثیت و اقتدار تک امداد و اصلاح کے لئے ہوں (عملی طور پر اپنی شمولیت کے ساتھ) فعال بنانے میں کامیابی حاصل کریں۔

❁❁❁❁

باب ۱۰

تبلیغِ دین

بسمہ سبحانہ

تبلیغِ دین

''لہٰذا تم نصیحت کرتے رہو' کہ تم نصیحت کرنے والے ہو۔'' غاشیہ ۸۸:۲۱

''لیکن تم لوگ زندگانیٔ دنیا کو مقدم رکھتے ہو' جب کہ آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔'' اعلیٰ ۸۷:۱۶/۱۷

''بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں۔'' حدید ۵۷:۲۵

ہمیں تبلیغ کی اہمیت کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ ہدایاتِ الٰہی جو قرآن اور سیرتِ رسول پر مبنی ہیں' نماز ان کا پوری طرح احاطہ کئے ہوئے ہے اور قیام جو نماز کا عملی جزو ہے' اسے قوتِ تحرک عطا کرتی ہے۔ یعنی نماز دینِ الٰہی کو برقرار رہنے میں اس کی معاونت کرتی ہے' انسان کو ہدایاتِ الٰہی پر رواں رکھتی ہے۔ اس کی اس قدر و منزلت پر نگاہ رکھتے ہوئے' شرعِ مقدس نے قیامِ نماز کو ان واجبات میں جو ہم پر فرض کی ہیں' سب پر سبقت و اولیت دی ہے۔ اس بنا پر کہ نماز کے حقائق اور جو حکمت اس سے وابستہ ہے' اسکی تشریح و تفسیر نشر ہو' لوگ اسکی طرف راغب رہیں' اسے اسکے حقائق

کے ساتھ ادا کریں' اس سے استفادہ کریں' تبلیغ کو اس کا آلۂ کار بنایا گیا۔

مزید برآں خداوند کریم نے دین جو متعلق با ہدایت ہے' اسکے لئے انبیاء و مرسلین' اوصیاء و ائمہ کو اس دنیا میں بھیجنے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا' تاکہ وہ ظالم عناصر اور منکر حکمرانوں کے خلاف قیام کی عصا ہاتھ میں رکھ کر دکھی انسانیت کو ان کے مظالم سے نجات دلاتے رہیں۔ چونکہ ظلم و تعدی سے کوئی دور خالی نہیں رہا' لہٰذا ان تقاضوں کی بناء پر سلسلۂ تبلیغ و ہدایت ہمیشہ جاری و ساری رہا ہے۔

ہمیں معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا اس امتیازی اہمیت کے مالک امر کو سربلند رکھ کر بروئے کار لایا گیا؟ اسکے علل و معلول کا جائزہ لینے کی کوشش ضروری ہے' تاکہ ہمیں پتہ چلے کہ کس حد تک ہم عاقبت اندیش ہیں۔ اگر نہیں تو پھر کیا کیا جائے؟ چونکہ تبلیغ کا آلۂ کار مبلغ ہوتا ہے' لہٰذا ضرورت ہے کہ اس پر نظر ڈالی جائے کہ وہ کہاں تک اپنے اس منصب سے عہدہ برآ ہو رہا ہے۔

اوصافِ مبلغ

تبلیغ دین اس قدر سخت اور احتیاط کا کام ہے کہ قرآن فرماتا ہے:۔

''ہم عنقریب تمہارے اوپر ایک سنگین حکم نازل کرنے والے ہیں۔'' مزمل ۷۳:۵

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کے لئے کہا تو انہوں نے گھبرا کر استدعا کی:۔

''پروردگار! میرے سینے کو کشادہ کردے' میرے کام کو آسان کردے اور میری زبان کی تنگی کو دور کردے تا کہ یہ لوگ میری زبان سمجھ سکیں۔'' طہ۲۰: ۲۵ تا ۲۷۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پیامبر بنا کر دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ پیغام رسانی یا تبلیغ کرنے کی وہ پہلے سے مہارت رکھتے تھے اور فرعون جیسے جابر حکمراں کے مزاج سے واقف بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی کے ساتھ اس سے یہ کہہ دینا کہ تیرا دعویٰ خدائی جھوٹ ہے' تخت سے اتر آ!!۔۔ اپنے خدا کا سجدہ کر' مشکل نہیں تھا۔ قرآن کو اس کام کی اہمیت کے مدنظر یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ کام ہر کسی کے کرنے کا نہیں ہے' (یعنی ایسا نہیں کہ جو چاہے منبر پر جا بیٹھے)

مبلغ اگر احکام دین سے اچھی طرح واقف نہیں تو قوی امکان ہے کہ جہالت کی بنا پر قیاس آرائی میں مبتلا ہو کر لوگوں کو اسلام کی راہ سے دور کردے گا۔ اس سلسلے میں استاد شہید مطہری نے متنبہ کیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ امام خمینی نے جو پودا لگایا ہے روحانیت کے ہاتھوں سے جاتا رہے اور روشن فکر لوگوں کے ہاتھ جا لگے' جو دین سے ناآگاہی کی بناء پر اسے مسخ کر ڈالیں۔

تبلیغ' دراصل انبیاء و پیغمبروں اور ائمہ اطہار کا کام ہے۔ ان کے بعد علماء۔۔ جب علماء کی کمی ہو تو فقط ان لوگوں کے ذمے آن پڑتا ہے' جو پیغمبروں اور ائمہ کے پیغام کی بخوبی شناخت رکھتے ہوں۔

اس سلسلے میں مندرجہ بالا تین آیتیں چند مخصوص باتوں کی نشاندہی کرتی ہیں' جو تبلیغ کے لئے شرائط ہیں:۔

☆۔۔ نصیحت یعنی تبلیغ کرنے کی قابلیت پیدا کرنے کے بعد تبلیغ کا کام انجام دے۔

☆۔۔ مبلغ اختلاف بانفس کیساتھ آخرت پر نگاہ رکھنے والا ہو۔ کتاب (قرآن) اور احادیث پر عبور حاصل کر کے' ان پر نظر غائر رکھنے والا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ ان سے ہٹ کر جو بھی فکر ہو گی' اللہ تعالیٰ کی راہ سے جدا ہو گی' نفس اس پر غالب رہے گا' اس بناء پر اسکی

تبلیغات قابلِ اعتبار نہ رہیں گی۔

☆۔۔تہذیب وتزکیۂ نفس اور اصلاحِ اخلاق کے واسطے جو معیار اسلام نے مقرر کر رکھے ہیں' عوام کو ان پر عمل پیرا رکھنے کے لئے دستور العمل مرتب کر کے منبر سے نصیحت کرنے والا ہو۔ خود بخود انسان مہذب نہیں ہو سکتا۔ تبلیغی وعلمی مراکز' اگر منجھے ہوئے مربی یا تربیت کرنے والے مبلغین واساتذہ سے خالی رہے' تو جیسا موجودہ دور میں ہم مشاہدہ کر رہے ہیں' درد نا آشنا' ظالم معاشرے کا وجود جاری رہے گا۔

☆۔۔مبلغین ومربی حضرات کو سب سے پہلے خود کو تہذیبِ اسلامی سے آراستہ کرنا ہوگا۔ اگر خود خواہی وخود ستائی (ایگو) جو مفاد پرستی' بد اخلاقی اور مظالم کی جڑ ہیں' مبلغ میں موجود ہوں' تو وہ کبھی بھی لوگوں کو فلاح کی طرف راغب نہیں کر پائے گا۔ اس کا حل' اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رہ کر' خود فراموشی ومنکسر المزاجی ہے۔

جو لوگ خود کو حضرت علی علیہ السلام کا پیروکار سمجھتے ہیں' ممکن نہیں کہ نفسانی خواہشات کی طرف راغب رہیں۔ کیا جنابِ امیر زہد وتقویٰ اور سادہ زندگی کے علاوہ کچھ جانتے تھے؟ کیا آپ نے ظلم ونا انصافی اور طبقاتی امتیازات کے خلاف جہاد' ظلم رسیدہ وفریاد کرنیوالوں کی پشت پناہی' محروم ومصیبت زدہ طبقوں کی دستگیری نہیں کی؟ ان اوصاف کو اپنائے بغیر تبلیغ موثر نہیں ہوگی۔

امیر المومنین خود اہلِ منبر تھے' وہیں سے وعظ ونصیحت فرماتے تھے' لوگوں کی رہ نمائی کرتے تھے' ان کی اصلاح کرتے تھے' تبلیغِ دین کرتے تھے۔ منبر سے اگر اصلاح کا کام نہیں لیا گیا تو مرسلین' انبیاء وائمہ کی پیروی کا دعویٰ بناوٹی ہوگا۔

☆۔۔اللہ تعالیٰ نے اس جہان میں کوئی شے بغیر وجہ کے یا بے مقصد نہیں بنائی' قرآن اس کا بین ثبوت ہے' ایک معجزہ ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کی اصلاح کر کے درست حالت میں رکھنے کیلئے نازل کیا ہے۔ اسکی معجز نمائی کو سمجھنے کیلئے رسول اور ان کی آل

کا دامن تھامنا ہوگا کہ وہ منصوص من اللہ ہیں۔ آیت کی منشاء کے مطابق انہوں نے قیام کر کے دکھا دیا ہے۔ موضوع قیام پر مبلغ کو مہارت حاصل کرنے کیلئے ان کی معرفت حاصل کرنا ہوگی' یہ کہ انہوں نے دکھی انسانیت کے حقوق کی بحالی و اصلاح کیلئے جان کی پرواہ کئے بغیر قیام کیا اور بتا دیا کہ جب انسانیت کو دین خدا کی راہوں سے دور کرنے کی کوشش کی جائے' تو ظالم کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جایا جائے۔۔قیام کیا جائے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ' سارے انبیاء' مرسلین وائمہ قیام کے علمبردار رہے ہیں' حالات و وقت کے لحاظ سے انہوں نے انسانیت کی اصلاح و بحالی کے لئے اس عملِ خیر کو کبھی بھی پسِ پشت نہیں ڈالا۔

رسولِ خدا سے دریافت کیا گیا: محبوب ترین لوگ کون ہیں؟ فرمایا:

''وہ کہ جن کا وجود لوگوں کے لئے سودمند ہو۔''

اصولِ کافی۔ ج ۲۔ص ۱۴۶۔ حدیث ۷

☆۔۔دین کی تبلیغ کی تدبیروں میں میزان' یعنی عدل و انصاف کی کسوٹی' جو توازن کو قائم رکھنے میں مدد و معاون ہوتی ہے' ذہن میں رکھنا ناگزیر ہے۔ ظلم چونکہ عادل و متوازن فطرتِ کاملہ کا جزو نہیں ہے' معاشرے کے توازن کو درہم برہم کرتا ہے' جزوِ فطرت نہیں ہو سکتا!!! انصاف پر مبنی اخلاق کے سامنے کسی نہ کسی وقت سرنگوں ضرور ہو جاتا ہے۔ مگر جب اس کے خلاف قیام کیا جائے تو بہت جلد اس کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ متذکرہ بالا آیت (۲۵:۵۷) اس کی تاکید کرتی ہے۔

قیام کرنے والوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ غیر احسن اخلاق سے دور ہو کر اپنے آپ کو اخلاق حسنہ سے مزین کریں۔ قرآن سے منسلک رہ کر' حقیقت جوئی' عدالت طلبی کے ذریعے اپنی

روح کو پاک کریں' ہدایات الٰہی کو اپنے دلوں میں راسخ کریں' ورنہ ان میں اٹھ کھڑے ہونے یا قیام کی توانائی پیدا نہ ہو سکے گی۔ نہ ہی وہ تبلیغ کے قابل ہو سکیں گے۔ قیامِ حسینی میں امامؑ خود آگے آ گئے تھے۔

☆۔۔ خداوند کریم پورے انسانی معاشرے کے لئے انصاف و عدالت چاہتا ہے' فقط کسی خاص طبقے یا قوم کے لئے نہیں۔ ظالم عناصر کا معاشرے میں وجود کس طرح انسانیت کو نقصان پہنچا رہا ہے؟۔۔ انسانیت سسک رہی ہے لوگوں کو اس کی تفصیلات سمجھا کر' اس صورتحال سے نجات کا طریقہ ذہنوں میں راسخ کیا جانا چاہئے۔ جہالت کو دور کئے بغیر یہ کام ممکن نہیں۔ علم کو رائج کرنے کے لئے' ان عناصر کے خلاف قیام جاری رکھنا ہوگا جو عوام کو ہمیشہ جاہل رکھنا چاہتے ہیں۔

☆۔۔ مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ حکمتِ الٰہی' عدلِ الٰہی' تقیہ' قضاوقدر' ارادہ ومشیت الٰہی' قدرت کاملہ' جبر واختیار' قبر وبرزخ' روز جزاء' بہشت ودوزخ' صراط ومیزان وغیرہ جیسے عقائد سے مربوط مسائل پر عبور رکھتا ہو۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ چودہ سو سال گزر گئے' یہ کام کیوں نہ ہو سکا؟ موجودہ نامساعد وقت و حالات میں کیسے یہ کام انجام پا سکتا ہے؟ اس بارے میں عرض ہے کہ اس کتاب کے تقریباً ہر باب میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔ اور وہ ہے قیامِ نماز کی بے بہا قوت سے استفادہ' جو پورے قرآن اور سنتِ نبوی کی ہدایات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قیامِ حسینی اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

قیامِ حسینی' جہتِ تبلیغ

اسلام کو مٹانے والوں کے خلاف امام حسین علیہ السلام کا قیام بڑی حکمتوں کا مالک ہے' نماز میں حکمتِ قیام کی شرح ہے۔ اسلام کی حفاظت کے ساتھ حفظِ قیامِ نماز بھی ہے۔

یہ قیام جاہ طلبی کے لئے نہیں تھا' نہ ہی ایک وقتی حادثہ تھا' بلکہ جیسا ہم دیکھ رہے ہیں' اسلام کے تحفظ کے واسطے ہمیشہ جاری رہنے والے ایک مستقل ادارے کا قیام تھا۔ یہ قیامِ نماز کی ضمانت کا

حامل بھی ہے' جو لازم وملزوم ہیں ۔۔ ظالم کی سرکوبی کا اہم وسیلہ ہے۔

مبلغ کو سمجھ لینا چاہئے کہ قیامِ حسینیؑ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھ کر گمراہی سے بچانے کا ایک مکتب ہے۔ مشعلِ راہ' ایک فکر' ایک عقیدہ' ظلم کے سامنے دیوار' اسلام کی ترویج' عباداتِ الٰہی' مسلمانوں کو یکجہت رکھنے' امدادِ باہمی اور لوگوں کی روح تازہ رکھنے کا وسیلہ ہے۔

قیامِ حسینیؑ جو اثرات مرتب کرتا ہے' اُن میں سے ایک اہم ترین اثر تقویٰ ہے۔ یہی وہ گم گشتہ پر عظمت انسانی کردار تھا جسے دوبارہ قائم کرنے کے لئے امامِ عالی مقام نے دل و دماغ کو دہلا دینے والی شہادت کا انتخاب کیا۔ مبلغ کا فرض ہے کہ وہ اس کے مقاصد کو مسلمانوں کے ذہن نشیں کرائے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دلائے' اس بے مثال شہادت کو تار تار کر کے وجہ عداوت نہ بنادے۔

چونکہ مفاد پرست عناصر اپنے مقاصد کے حصول کے لئے عوام کو باطل نظریات میں مبتلا رکھنا ضروری سمجھتے ہیں' مبلغ کو اس وسیلے کا گہرا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے' تاکہ تقویٰ سے متعلق نکات جو اس میں پنہاں ہیں' انہیں ہاتھ میں لے کر مسلمانوں کو اصلاح کی طرف راغب کرے۔ تبلیغ کرتے وقت مبلغ یاد رکھے کہ تبلیغ انسان کو حرکت میں لانے کیلئے ہے۔ کامیاب آخرت کی طرف' جو اصل ہدف ہے۔ اگر وہ اس طرف انسانوں کا رخ موڑ نہ سکا' یا خوفِ خدا پیدا نہ کر پایا' تو گویا انسانیت کو بے ہدف یا بے مقصد بنا کر چھوڑ دیا۔

ہم سب محسوس کر رہے ہیں کہ منبر اس وقت اس مسلمہ مقصد میں ناکام ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مبلغ خود بھی اپنی آخرت کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ خوفِ خدا سے دور خود خواہی' خود فریبی میں مبتلاء ہے۔ اسکے نقصانات وہ دیکھ رہا ہے' مگر یا تو تبلیغ کے معنی سے واقف نہیں اور یا وہ اس کا مقصد ہی نہیں ہے۔

سارے مرسلین' انبیاء و ائمہ' لگامِ ہدایاتِ الٰہی ہاتھ میں تھام کے کاروانِ حیات کی سالاری و ساربانی کرتے ہیں' منزلِ نفس سے حق کی طرف رجوع رہنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ خود خواہی'

نفس پرستی و نفع پرستی سے حق پرستی و حقیقت پرستی کی سمت' تا کہ انسان' یوم جزا پر' مالک یوم الدین کے حضور سرخ رو رہے۔ یہ فرض شناسی اور عہد کی پابندی ہے۔ دلوں میں اللہ کی محبت پیدا کر کے خوفِ خدا راسخ کرنا مبلغ کی اہم ذمے داری ہے۔

منبر پر بیٹھنے والے حضرات جب فلسفۂ عاشورہ یا قیامِ حسینی بیان کریں' تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر جو ہمارے ایمان کا اہم جزو ہے اور جسے نا قابلِ عمل کہہ کر رد کر دیا گیا ہے' اسکی ضرورت کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان کریں۔ یہ اصل جانِ قیامِ عاشورہ ہے۔

اسے قرآن اور سیرتِ محمد و آلِ محمد ہی کو ہاتھ میں لے کر سمجھایا جا سکتا ہے۔ حسین علیہ السلام کے شیدائی محرم و دیگر ایام میں منبر کے سامنے آ کر بیٹھ جاتے ہیں' کسی دوسری جگہ مسلسل اس قدر مجمع دیکھنے میں نہیں آتا۔ یہ وہ موقع ہوتا ہے کہ علماء و مبلغین اپنا فرض ادا کریں۔ مصالحِ دین و دنیا' مسلمانوں کے معاملات سے تعلق رکھنے والی سیاست' ان کے لئے اعلیٰ تعلیم' معاشی و معاشرتی مسائل' حقوق کی ادائیگی' اخلاق' اصلاح کو عمل میں لانے کی ترکیبیں وغیرہ' ایسے موضوع ہیں جن کی طرف ان کو راغب کریں۔

امام حسین علیہ السلام نے افرادی قوت نہ ہونے کے باوجود' ایک بڑی طاقت کے سامنے سرخم نہیں کیا' ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا' بلکہ اس کو سرنگوں کر دیا۔ ہمیں اپنے بچوں اور جوانوں کو بتانے کی ضرورت ہے کہ اس احساس کا شکار نہ ہوں کہ ہم رونے والی قوم ہیں۔ یہ گریہ مظلوم پر گریہ ہے' جو ظالم کے خلاف فریاد کیساتھ دل کو قوی بناتا ہے۔

مظلوم کے مصائب اور ظالم کے ظلم کا تذکرہ' انسان کو ظالم کے مقابلے پر لا کھڑا کرتا ہے' تعداد کی کمی خوف کا باعث نہیں ہونا چاہئے۔ امام نے دکھا دیا کہ تعداد کی کیفیت مقدم ہے نہ کہ مقدار۔ جس قدر مقصد و ہدف عظیم ہوگا' مجاہد کو اسی قدر زحمت اٹھانا پڑے گی۔ زحمت کے بغیر فلاحی و اصلاحی کام انجام نہیں پا سکتے۔

اگر منبر سے قیام کی درست تشریح نہ کی گئی' تو گویا مقصدِ عاشورہ کو برباد کر دیا گیا' مومنین کا

وقت ضائع کیا گیا اور ملت کی کثیر رقم بے مقصد کام میں ضائع کردی گئی' اور علماء و مبلغین سمیت پوری ملت اس گناہ میں مبتلاء ہوئی۔ ملت کو بھی اصلاح منبر پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ غیر موزوں ذاکرین کو منبر سے دور رکھا جائے۔

مبلغین کو چاہئے کہ وہ تحقیقات یا ریسرچ کریں کہ تبلیغ جو اپنے راستے سے ہٹی ہوئی ہے یا ہٹادی گئی ہے' اسے کیسے موثر بنایا جائے' اور کس طرح اس سے اصلاح کا کام لیا جائے؟ محرم کے وسیع و عریض پلیٹ فارم سے استفادے کی ضرورت ہے' جو سارے مومنین و مبلغین و علماء کی ذمے داری ہے۔

اس ضمن میں مبلغین کو چاہئے کہ قیامِ حسینی کا اس طرح پرچار کریں کہ اسکے مقاصد کے سدِ راہ خصوصاً تفرقہ انداز عناصر کے بت ڈھے جائیں۔ منبر کو رزم گاہ بننے نہ دیا جائے۔ قرآن کی لاتفرقو کی پکار کو مدہم ہونے نہ دیا جائے۔ تعصب نے مسلمانوں کی صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے!! جس میں غیر ذمے دار مبلغین کا بڑا ہاتھ ہے۔ دامن پر سے اس دھبے کو دھونے کی کوشش کریں۔ منبر سے حق کی بات نہیں ہورہی ہے۔ ان میں سے اکثریہ کہنے لگ گئے ہیں کہ منبر اصلاح کے لئے نہیں ہے، بلکہ دفاعِ محمد و آلِ محمد کے لئے ہے۔ یعنی منبر اصلاح کے بجائے مناظرہ بازی کا اکھاڑہ ہے۔ اس مہلک رجحان نے مسلمانوں کے پرخچے اڑ دیئے ہیں۔ ایسے علماء یا مبلغین خوفِ خدا سے عاری ہیں' ان سے منبر کو بچانے کی ضرورت ہے۔

''برائی کو برا کہو' برے لوگ خود اپنا مقام کھو بیٹھیں گے۔''

مبلغین کو چاہئے کہ اپنے مقام کو امام کے اس پر از تشویش تذکر میں تلاش کریں جو انہوں نے اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر کہا تھا: دیکھتے نہیں کہ حق اثر انداز ہونے میں قاصر ہے' باطل کو رد نہیں کر پارہا ہے۔

انعقادِ عاشورہ حقیقت میں اصلاح کیلئے ہے۔ مسلمانوں کو دوبارہ دورِ جاہلیت کے طور و طریقوں پر واپس پلٹا دینے کی جو کوشش کی گئی تھی اور معاشرہ دباؤ میں آ کر اس رو میں تیزی سے چل بھی پڑا تھا' قیامِ امام حسین کا مقصد اس روش کو روکنا تھا' مسلم امہ کی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے اصلاح کر کے کفر و شرک و نفاق سے نجات دلانا تھا (اور اس وقت بھی ہے)' جس کا تذکرہ امام نے بار بار اپنے خطبوں میں کیا ہے۔

تبلیغِ اتحاد

''تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے' جو بھلائی کی طرف بلانے والی ہو' نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔'' آلِ عمران ۳:۱۰۴

امتِ مسلمہ تفرقے کا شکار ہے۔ نیشِ تعصب سے لبریز جام پر جام پلائے جا رہے ہیں' مدہوشی نے آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے' ہر طرف سے گمراہی اور بد اخلاقی کا طوفان امڈا چلا آ رہا ہے۔

مندرجہ بالا آیت جس جماعت کی نشاندہی کر رہی ہے' علماء کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ انہیں چاہئے کہ پرچمِ اتحاد بین المسلمین بلند کر کے پژمردہ قوم کی دلجوئی کریں' دلوں میں جو کدورتیں پیدا ہو چکی ہیں' مل جل کر ان کی صفائی کا بندوبست کریں' تا کہ مساواتِ محمدی دوبارہ اپنا مقام حاصل کر لے۔ اس مسئلے کی جڑیں اتنی گہرائی تک چلی گئی ہیں کہ اس پر جب تک چاروں طرف سے تابڑ توڑ ضرب نہیں لگے گی' اسکی بیخ کنی نہیں ہو پائے گی۔

مسلم معاشرے پر ایک سرسری سی نظر صاف طور پر بتاتی ہے کہ پچھلی دو دہائیوں سے انتشار و تشدد کے واقعات مائل بہ اضافہ ہیں۔ اسلام جیسے دین میں' جو محبت و اخوت' تحمل و رواداری کی تعلیم

دیتا ہے ایسے حادثات کا وقوع پذیر ہونا حیران کن ہے۔ یہ خود فریبی ہوگی اگر اس مسئلے پر غور و فکر نہ کی گئی اور اس سے نجات کی صورت نہ نکالی گئی۔ قرآن سے اس روگردانی کا عذاب برداشت کرنا ہوگا۔

گزشتہ صدی کی شروع کی دہائیوں کا جن لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے وہ بتائیں گے کہ فریقین میں اختلاف رائے تو ایک عرصہ دراز سے چلا آ رہا تھا' مگر بیشتر احباب خصوصاً عزاداری کو معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ اور مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ اس زمانے میں جو ذاکرین منبر نشیں ہوتے تھے وہ رسول و آلِ رسول کے کردار کو قرآن کے ذریعے سامعین کے ذہن نشیں کراتے تھے تاکہ ان کے اعمال اسلام کے اصولوں پر قائم و دائم رہیں۔ ایسا کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ عزاخانوں کی تعداد زیادہ تھی جس کے مقابلے میں علماء کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ منبر سے تبلیغ کا کام ذاکرین انجام دیتے تھے' مگر بڑی ذمے داری کے ساتھ۔

اس وقت جب کہ وہابیت نے سعودیہ میں زور پکڑا' ہند میں بھی اسکے اثرات پڑنا شروع ہوئے۔ سعودی پیسوں کے زور پر متعدد مقامات پر وہابی نواز مساجد وجود میں آئیں' جہاں سے وہابیت کا پرچار ہوتا اور لوگوں کو عزاداری کے خلاف بھڑکایا جاتا۔

عزاخانوں کے ذاکرین جو دوررس نگاہوں کے مالک نہ تھے' اخلاقِ محمد و آلِ محمد سے جو تحمل و رواداری کا مرقع ہے' نا آشنا تھے' خوش اخلاقی و اعمالِ حسنہ کی ترغیبات کو پسِ پشت ڈال کر وہابی مبلغوں کو منبر سے جوابات دینے لگے' سامعینِ مجالس کو بھی اس کا چسکا جا لگا اور دھیرے دھیرے' باستثناء چند' شرکائے مجالس میں مناظرے کی باتیں سننے کا ذوق پیدا ہوگیا۔ عالمانہ مجالس سننے والوں کی تعداد اقلیت میں جا پڑی اور اب ایسے لوگ نہ ہونے کے برابر ہیں' عمامہ پوش علماء بھی ان میں پیش پیش ہیں۔

بدبختی یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے برعکس' دین کے نام پر نفرت و بیزاری کی کھلے بندوں تبلیغ عین ذاکری کا جزو بن گئی ہے۔ چونکہ دین پر مبنی اخلاق کا خانہ خالی ہوگیا' اسلئے اسلامی تہذیب

کو بالائے طاق رکھ کر منبر سے نام بنام لعنتیں بھیجی جانے لگیں' جو انٹرنٹ پر باتصویر دیکھی جاسکتی ہیں۔ اختلافات کی خلیج کو پاٹنے کے بجائے ان تارکانِ سیرتِ محمد وآلِ محمد نے اس میں اور اضافہ کر دیا۔

اس طرح' منبر پر بیٹھ کر تبلیغ کرنے کے وہ آداب جن پر پاک وپاکیزہ ہستیوں نے خود عمل کر کے دکھلایا تھا' ان روگردان مبلغوں نے پیروں تلے روند ڈالے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ پھر بھی محمد وآلِ محمد کا دم بھرتے ہیں۔ تبلیغ کے اس نئے طرز کے دفاع میں' اس کے پرچارک' نفرت وبیزاری کے اس طرزِ تبلیغ کی حمایت میں دلیل' معاشرے کو گناہوں سے پاک رکھنا قرار دیتے ہیں' اور اسے ناگزیر بھی گردانتے ہیں' نتیجے میں عزاخانوں اور مسجدوں میں بم کے دھماکوں میں لاشوں کے ڈھیر اور خاندانوں کی بربادی' اضافے کا رخ اختیار کر گئی ہے۔

اکثر علماء سے جب ان حادثات سے نجات کی بابت دریافت کیا گیا' تو ان کا جواب تھا کہ یہ ایسے ہی مرتے رہیں گے' مرنا تو سب ہی کو ہے!!۔ گویا کہ ان کی نگاہ میں انسانی جان کی کوئی قدر ومنزلت نہیں ہے۔

اس صورتِ حال کے تحت سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اس سے بری الذمہ ہو سکتے ہیں؟ کیا لاتعلق ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھے رہیں؟ کیا یہ بات فکر کی مستحق نہیں ہے؟؟

اپنے موقف کو قوی تر بنانے کیلئے لعنت کے حق میں مبلغین مزید استدلال یہ پیش کرتے ہیں کہ تبرّا فروعِ دین کا جزو ہونے کی بناء پر وجوب کا درجہ رکھتا ہے' نفرت وبیزاری کے ساتھ ملا کر اسے لعنت سے تعبیر کیا جانا چاہئے۔ اس طرح اسکے سہارے لوگوں کے دل کی بھڑاس نکلوانا ایسے مبلغین کیلئے تحفظ حاصل کر لیتا ہے۔ منبر سے اس کا بیانگ دہل اعلان کرنے پر اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو انہیں ناگوار ہوتا۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تبرّا عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغت میں اس سے بے تعلقی مراد ہے اور لعنت دھتکارنے وپھٹکارنے کے معنی میں آتی ہے۔ اس قدر تضاد کے باوجود تبرّے کو لعنت کا درجہ

دے کر اتنا مشتہر کیا گیا ہے' کہ وہ غلط العام بن گیا۔

تعجب کی بات ہے کہ پاک و پاکیزہ منبر رسول پر جلوہ افروز ہونے والے مبلغین نے اسے کیسے گوارہ کیا؟ اگر ان کی نگاہیں ضرر رسانی کے اس عنصر کو درک نہیں کر سکتیں' تو ہم ان سے اور کیا توقعات وابستہ کر سکتے ہیں' ان کے بارے میں کیا نظریہ قائم کر سکتے ہیں؟ کس چیز نے انہیں اس اقدام پر مجبور کیا؟ کیا عوام کی خاموشی سے ان کی حوصلہ افزائی نہیں ہوگی؟ کشت و خون کے بڑھتے ہوئے رجحان کی اللہ کے یہاں پرسش نہیں ہوگی؟ اتنا کچھ سمجھ لینے کے بعد بجائے ان سوالوں کا جواب دینے کے' اس معاملے کو قارئین کی صواب دید پر چھوڑا جاتا ہے۔

بہر حال امام علیہ السلام مسلمانوں کو متقی دیکھنا چاہتے تھے' یہی منصب منبر ہے!!

آموزشِ مبلغ

اسلامی معاشرے کو اس قسم کے تبلیغات و تعلیمات اسلامی سے روگرداں مبلغین سے بچانا لازم ہے۔ اس رجحان کی بیخ کنی کے بعد دور اندیش موثر و مجرب حکمت عملی اختیار کر کے ہی ایک بہتر مستقبل کی توقع کی جا سکتی ہے۔ خاموش رہنے اور آنکھ بند کر لینے سے بربادی اور رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ ضرورت ہے کہ روشن فکر حضرات انھیں' بزرگ علماء کی ہمراہی میں' ذاکرین کے لئے' قرآن اور سیرت محمد و آل محمد پر مبنی قوانین مرتب کریں۔ اسے بنیاد بنا کر مختلف مقامات پر مبلغین کی تربیت کے لئے ادارے قائم کریں۔ موجودہ مبلغین اگر تبلیغ جاری رکھنا چاہیں' تو وہ بھی ان اداروں سے استفادہ کریں' ورنہ منبر کا رخ نہ کریں۔ منبر رسول کو فقط ان اداروں سے تربیت یافتہ مبلغین سے مزین کیا جائے۔ یہی ایک بھلائی کا راستہ ہے۔

چونکہ عوام میں مناظرے سننے کا ذوق پیدا کر کے انھیں متعصب بنا دیا گیا ہے' ان کی اور منتظمین امام بارگاہ و مساجد (منتظمین ادارے میں آنے والے بندھے ہوئے مجمع میں شکست د

ریجنت دیکھنا شاید پسند نہیں کریں' اسلئے کہ انہیں ادارے کو چلانا ہے) کی طرف سے مزاحمت کا احتمال ہے' اسلئے کہ وہ ادارے کو چلانے کا بندوبست کریں یا مناظرہ بازی کے عوامی ذوق کی نابودی میں مشغول ہوں' پھر بھی وہ اپنے دامن کو اس کارِ خیر سے بچا نہیں سکتے۔ اسلئے یہ کام آسان نہ ہوگا۔ بہر حال سارے منفی و مثبت پہلوؤں پر نظر رکھ کر منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔ اس سے فرار کی کوئی راہ نہیں' اسلئے کہ ان عناصر نے کشتیِ اسلام کو بھنور میں ڈال دیا ہے اور وہ ڈوبنا چاہتی ہے۔ تبلیغ کو مزید ناکامی سے بچانے کیلئے ان کے خلاف قیام کی ضرورت ہے۔ امام کا مقصدِ قیام لوگوں کے اخلاق کو قرآن و سنتِ رسول پر استوار کرنا تھا' جو منشائے خدا و رسول ہے۔ اس سے روگردانی منشائے ایزدی کے آگے دیوار بن کر کھڑے ہو جانا ہوگا۔

تبلیغ سوئے مکارمِ اخلاق و ارتقا

کوئی زمانہ ایسا نہیں رہا جب انسانی زندگی آندھیوں کی زد پر نہ رہی ہو۔ بداخلاقیوں کے مالک عناصر نے ہمیشہ گھیر کر اسے اسکے خالقِ حقیقی سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ اسکے مقابلے میں قادرِ مطلق نے بلا تاخیر نسیمِ سحری کا بندوبست رکھا۔ بداخلاقیوں سے مقابلے کے لئے ان کے خلاف قیام کرنے والے انبیاء' مرسلین و ائمہ ہمیشہ خم ٹھوک کر کھڑے نظر آئے۔ یہی کام منبر کو سونپا گیا ہے۔

منبر سے تبلیغ کا اصل مقصد بداخلاقی و ناشائستگی کا قلع قمع ہے' اللہ کی عزیز ترین مخلوق کو اسکے روبرو قیام کے لئے آمادہ رکھنا ہے۔ یہ کاروانِ حیات کی خدائے بزرگ و برتر کی طرف گامزن رہنے میں معاونت ہے۔ جس کی منزلیں' عدالت و انصاف' علم و آگاہی' قوت و توانائی' امداد و احسان' ہمدردی و غمخواری' حلم و محبت' درگزر و رواداری ہیں۔ مجموعاً جوزیستِ انسانی کے شایانِ شان ترقی کی راہوں پر رواں ہونے کیلئے ہدف بن جاتی ہیں۔ اور اس سے حاصل شدہ کامیابی فلاح

انسانی کے لئے نت نئے ابواب کھولتی ہے۔

انسانیت کے لئے قیامُ اللہ تعالیٰ کی طرف مسافرت کی راہ کو اس کے حضور حاضری کے لئے روشنی عطا کرتا ہے۔ ذکرِ شہادتِ حسین درحقیقت تبلیغ ہے جو عزم و ہمت فراہم کرکے اس کو قوت بخشتی ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا قیامُ اصلاح کے ذریعے انسان کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنا ہے' تاکہ انسانیت' ارتقا کی منزلیں بے خوف وخطر طے کرتے ہوئے پھولتی پھلتی رہے۔ اسے کسی کا دستِ نگر نہ رہنا پڑے' اس میں خود اعتمادی پیدا ہو۔

اگر مبلغ اس مقصد کو چھوڑ کر دوسری طرف رخ کرتا ہے' تو معاشرے کو متحرک رہنے اور ترقی کرنے سے روک دیتا ہے۔ وہ ذمے داری جو اسے سونپی گئی ہے' اسے پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ مبلغ کو اخلاقِ محمد و آلِ محمد کے ہر پہلو کو' جس کا ہدف اللہ تعالیٰ ہے' بیان کرنے میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے' تاکہ اپنی خوش بیانی سے ان کے ماننے والوں کا خون گرم رکھے اور وہ اعمالِ حسنہ کو مضبوطی سے گرفت میں رکھ کر انسانیت کی بہبود و ترقی کے لئے ہمہ وقت متحرک رہیں۔

سیرتِ محمد و آلِ محمد کے بیانات' قرآن' نہج البلاغہ' صحیفہ کاملہ' اصول کافی' بحار الانوار اور دیگر کتابوں کی جلدوں میں محفوظ ہیں۔ ان کے اخلاق میں وہ کشش ہے جو انسان کو اپنا گرویدہ بنالیتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے ادوار کے' اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹے ہوئے پست اخلاق حکمران جو عوام کو ظلم کا نشانہ بنا کر رکھتے تھے' بالفاظِ دیگر' ترقی کی راہ سے ہٹا کر رکھتے تھے' انہیں ہمیشہ خوف لاحق رہتا تھا کہ اگر ائمۂ اطہار کو عوام کی دسترس میں رہنے دیا گیا' تو وہ ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر ان کی اطاعت قبول کرلیں گے اور ان (حکمرانوں) کی سلطنت ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ اس کوشش میں وہ انہیں قید و بند میں رکھتے یا قتل کروا دیتے تھے۔ چہ جائیکہ ائمۂ اطہار کو حکمرانی کی کبھی بھی خواہش نہ تھی۔ ان کا منصب منجانب خدا امامت تھا' جس کی بزرگی کا اندازہ آسان نہیں۔

یہی وہ مفاد پرست عناصر تھے جنہوں نے سمجھی بوجھی سازش کے تحت مسلمانوں کو راہِ خدا

سے ہٹا کر رکھنے کیلئے عبادات الٰہی کو بے مقصد رسموں کے جنجال میں پھانس دیا اور منبر کو بھی اسکی مقصدیت سے دور کر دیا۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر قرآن کی تفاسیر اور احادیث کو تحریفات کی بھینٹ چڑھا دیا۔

ان مسائل کو نظر میں رکھتے ہوئے مبلغ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مالک یوم الدین کا خوف کھا کر فروغ انسانیت کے لئے اخلاق الٰہی کو جس پر اللہ نے انسان کو خلق کیا ہے اور جو عین سیرت محمد و آل محمد ہے اپنی تبلیغ کا وسیلہ بنائیں۔ ان کے اخلاق پر تحقیقاتی نظر ڈالیں۔ معلوم کریں کہ ان میں کیا مقاصد پنہاں ہیں ان کو کس طرح عمل میں لایا جائے اور کس طرح لوگوں میں اس کی تبلیغ ہو۔ منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں۔

> ''پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ خدا کے چاہنے والے ہو تو میری اتباع کرو۔ خدا بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ کہہ دیجئے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرو کہ جو اس سے روگردانی کرے گا تو خدا کافروں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔'' آل عمران ۳: ۳۰ و ۳۱

چونکہ قرآن اور محمد و آل محمد کی نسبت سے یہ مصدقہ بات ہے کہ ان کی ہدایات میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے اور اللہ کا انہیں دنیا میں بھیجنے کا مقصد راہ راست کی جانب انسانیت کی ہدایت ہے ان کی تاسی میں مبلغ کو چاہئے کہ ان کی ہدایات مسلمانوں تک پہنچائے۔ آیت بالا روگرداں کو کافر کہہ کر پکارتی ہے!!

اخلاق کے موضوع پر بلند پایا علماء کی تحریر شدہ کتابوں کا ایک انبار کتب خانوں کی زینت بنا ہوا ہے۔ ان سے نکات حاصل کر کے تبلیغ کا جزو بنایا جائے۔ کتاب کو ضخیم ہونے سے بچانے کے لئے بغیر کسی وضاحت کے اخلاق حسنہ اور ناشائستہ اخلاق کی ایک سرسری سی فہرست جو اپنی کوتاہی

داماں کی فریادی ہے مندرجہ ذیل ہے۔ تھوڑا بہت اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے:۔

☆ ۔۔خوفِ خدا' نگہبانی از اعمالِ بد' حصولِ خوشنودیٔ خدا' پیوستگی با قرآن و دامنِ محمد و آلِ محمد۔

☆ ۔۔علم و آگاہی' دوری از جہل و نادانی و تعصب' کفر' شرک و نفاق۔

☆ ۔۔خوش کلامی' پُر مصلحت سکوت' پرہیز از زباں درازی۔

☆ ۔۔اقربا پروری (صلہ رحمی) و دلجوئی' پرہیز از تفرقہ ساز غیبت و حسد۔

☆ ۔۔راست بازی و راست گوئی' دوری از دروغ' تہمت' فحش' قہقہہ' اذیت و آزار۔

☆ ۔۔مہمان نوازی' ادب' احترام و استقبال' اجتناب از بے رخی' بے مروتی و بے نیازی۔

☆ ۔۔امانتداری و وفا از عہد' ترکِ خیانت' بے وفائی و بد عہدی۔

☆ ۔۔کھانے' پینے' پہننے' ملنے جلنے و تعلقات میں اعتدال' گریز از شکم پرستی' پرخوری و خود پرستی۔

☆ ۔۔فروتنی' انکساری' خدا ترسی' عفو و درگزر' پرہیز از کبر و خود بینی' غرور' خود خواہی و مقام پرستی۔

☆ ۔۔صبر' تحمل' درگزر' غصہ پی جانا' بجائے عقل خوری' جوش' اکڑ و ذہنی تناؤ۔

☆ ۔۔کسبِ حلال' امداد' انفاق و ادائیگی' حقوق در برابر لالچ مال و ثروت' مادیات و دنیاداری۔

☆ ۔۔غور و فکر' احتساب اعمال و دینداری' بالمقابل ناعاقبت اندیشی و بدکرداری۔

☆ ۔۔صلہ رحمی' عیادت' تحفہ و تحائف' بجائے قطع تعلقات و بے اعتنائی و نفاق۔

☆ ۔۔یتیم نوازی' احترامِ والدین' نگہداشت میاں بیوی و اولاد' بجائے ان کے حقوق سے لاپروائی۔

☆۔۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ

معرفت وانتظارِ امامِ زمانہؑ

ہر مسلمان کے لئے اپنے زمانے کے امامؑ کی معرفت ضروری۔ یہ معرفت اس سکو متقی بناکر رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ جب تک امامِ زمانہ کا ظہور نہیں ہوتا اُس پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں اُن کی بابت بھی علم ہونا نہایت اہم ہے۔ پچھلے ابواب میں سرسری طور پر نظر ڈالی جاچکی ہے۔ یہاں بطور یاددہانی عرض ہے کہ مبلغ کو چاہئے کہ مفصل طور پر اس کی تبلیغ کرے۔ عوام کو بتائے کہ وہ اپنے آپ کو کس طرح اس وقفے میں امدادی واصلاحی قیام میں مشغول رکھ کر اسکا عادی بنے رہیں تاکہ جب قائم علیہ السلام قیام کریں تو انہیں شمولیت میں ہچکچاہٹ محسوس نہ ہو اور امامؑ کے سامنے سرخ رو رہیں۔

✿✿✿✿

یادداشت

یادداشت

یادداشت

یادداشت

یادداشت

- دنیا کی ہر کتاب سمجھ کر پڑھی جاتی ہے سوائے قرآن کے!
- ہر ملت کی ثقافت کی ایک زبان ہوتی ہے،
ملت اسلامیہ کو اسکی ثقافتی زبان عربی سے محروم کر دیا گیا!
- اسلام کی ہدایات مقاصد سے مالا مال ہیں،
مگر مسلمانوں کو ان سے دور کر دیا گیا!
- نمازِ جماعت کن رموز کی مالک ہے،
کلماتِ نماز کس طرح معاشرے کی تطہیر کر سکتے ہیں؟
- حج کس طرح مسلمانوں کو ذلت کے گڑھے میں جا پڑنے سے بچا سکتا ہے؟
- دعا کس طرح مستجاب ہوتی ہے؟
- روزہ عادات کی تصحیح میں کیسے معاون ثابت ہوتا ہے؟
- حضوری قلب کے لئے کیا تدبیر کی جائے؟